उर्दु भाषा : कक्षा १०

ہماری اردو

برائے

درجہ دہم

حکومت نیپال

وزارت تعلیم ،سائنس و ٹیکنالوجی

مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم

سانو ٹھیمی، بھکت پور

प्रकाशक : नेपाल सरकार
शिक्षा, विज्ञान तथा प्रविधि मन्त्रालय
पाठ्यक्रम विकास केन्द्र
सानोठिमी, भक्तपुर

©सर्वाधिकार पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

यस पाठ्यपुस्तकसम्बन्धी सम्पूर्ण अधिकार पाठ्यक्रम विकास केन्द्र सानोठिमी, भक्तपुरमा निहित रहेको छ । पाठ्यक्रम विकास केन्द्रको लिखित स्वीकृतिबिना व्यापारिक प्रयोजनका लागि यसको पूरै वा आंशिक भाग हुबहु प्रकाशन गर्न, परिवर्तन गरेर प्रकाशन गर्न, कुनै विद्युतीय साधन वा अन्य प्रविधिबाट रेकर्ड गर्न र प्रतिलिपि निकाल्न पाइने छैन ।

प्रथम संस्करण :

मुद्रण :

मूल्य :

पाठ्यपुस्तकसम्बन्धी पाठकहरूका कुनै पनि प्रकारका सुझावहरू भएमा पाठ्यक्रम विकास केन्द्र, समन्वय तथा प्रकाशन शाखामा पठाइदिनुहुन अनुरोध छ । पाठकबाट आउने सुझावहरूलाई केन्द्र हार्दिक स्वागत गर्दछ ।

उर्दु भाषा

कक्षा १०

नेपाल सरकार

शिक्षा, विज्ञान तथा प्रविधि मन्त्रालय

पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

हाम्रो भनाइ

विद्यालय तहको शिक्षालाई उद्देश्यमूलक, व्यावहारिक, समसामयिक र रोजगारमूलक बनाउन विभिन्न समयमा पाठ्यक्रम, पाठ्यपुस्तक विकास, परिमार्जन तथा अनुकूलन गर्ने कार्यलाई निरन्तरता दिइँदै आइएको छ । विद्यार्थीमा राष्ट्र तथा राष्ट्रियताप्रति एकताको भावना उत्पन्न गराई नैतिकता, अनुशासन र स्वावलम्बन जस्ता सामाजिक एवम् चारित्रिक गुणको विकास गराइन्छ । आधारभूत भाषिक सिपको विकास गरी विज्ञान, सूचना प्रविधि, वातावरण र स्वास्थ्यसम्बन्धी आधारभूत ज्ञानको विकास गराइन्छ । जीवनोपयोगी सिपका माध्यमले कला तथा सौन्दर्यप्रति अभिरुचि जगाउनु, सिर्जनशील सिपको विकास गराउनु र विभिन्न जातजाति, लिङ्ग, धर्म, भाषा, संस्कृतिप्रति समभाव जगाई सामाजिक मूल्य मान्यताप्रतिको सहयोगात्मक र जिम्मेवारीपूर्ण आचरण विकास गर्नु आजको आवश्यकता बनेको छ । यसै सन्दर्भमा परम्परागत तथा धार्मिक शिक्षाले हाम्रो पहिचान, संस्कार र सामाजिक संरचनालाई जोगाउन सहयोग गर्छ । सांस्कृतिक र मौलिक पहिचानको संरक्षण नैतिक र चारित्रिक विकास, आध्यात्मिक शान्ति र मानसिक एकाग्रतामा यस प्रकारको शिक्षाले विशेष जोड दिएको हुन्छ । सामाजिक सद्भाव र एकता कायम गर्नुका साथै प्रकृति र मानवबिच एकाकार गराउँदै प्रकृति र पर्यावरणको संरक्षण गर्न पनि सिकाएको हुन्छ । यही आवश्यकता पूर्तिका लागि शिक्षासम्बन्धी विभिन्न आयोगका सुझाव, शिक्षक तथा अभिभावकलगायत शिक्षासँग सम्बद्ध विभिन्न व्यक्ति सम्मिलित गोष्ठी र अन्तरक्रियाका निष्कर्षबाट विकास गरिएको मदरसा शिक्षा पाठ्यक्रमको स्वीकृत संरचनाअनुसार यो पाठ्यपुस्तक मदरसा शिक्षातर्फकोकक्षा १० को उर्दु भाषा विषय विकास गरिएको छ ।

माध्यमिक तहअन्तर्गतका बालबालिका सीमित शब्द र छोटो वाक्य तथा पाठ बुझ्न र प्रयोग गर्न सक्छन् । उनीहरूका लागि स्थानीय परिवेशका प्रसङ्ग, चित्र, शब्द र वाक्य तथा पाठहरूले मनोरञ्जनात्मक सिकाइमा सहयोग गर्छन् । सिकाइमा अभ्यासको अत्यन्त ठुलो महत्त्व हुन्छ । मदरसा शिक्षातर्फको कक्षा १० को उर्दु भाषा विषयको पाठ्यपुस्तकको लेखन तथा परिमार्जन कार्यमा यिनै कुरालाई दृष्टिगत गरी पाठ्यवस्तु, अभ्यास र तिनको क्रम, चित्रको संयोजन र भाषिक सिपको उचित संयोजन गर्ने प्रयत्न गरिएको छ । यस पाठ्यपुस्तकको लेखन तथा सम्पादन खुर्सीद आलमबाट भएको हो । यसको विकास कार्यमा युवराज पौडेल, शेख अलि मञ्जर, अबुल कलाम, मुहम्मद सुलैमान, मन्जुर मन्सुरी, मो. रिज्वान, इरफान राजा, फरमुद मिया, अब्दुल सलाम खान शालिकराम भुसाल, पुरुषोत्तम घिमिरे, नारदप्रसाद धमला, कुलदिप जङ्गबहादुर गुरुङलगायतको विशेष योगदान रहेको छ । यस पुस्तकको लेआउट डिजाइन श्री खडोस सुनुवारबाट भएको हो । यो पाठ्यपुस्तकको विकासमा संलग्न सबैलाई पाठ्यक्रम विकास केन्द्र धन्यवाद प्रकट गर्छ ।

पाठ्यपुस्तकलाई शिक्षण सिकाइको महत्त्वपूर्ण साधनका रूपमा लिइन्छ । अनुभवी मौलनाहरू र जिज्ञासु विद्यार्थीले पाठ्यक्रमद्वारा लक्षित सिकाइ उपलब्धिलाई विविध स्रोत र साधनको प्रयोग गरी अध्ययन अध्यापन गर्न सकिन्छ । यस पाठ्यपुस्तकलाई सकेसम्म क्रियाकलापमुखी र रुचिकर बनाउने प्रयत्न गरिएको छ तथापि अझै भाषाशैली, विषयवस्तु तथा प्रस्तुति र चित्राङ्कनका दृष्टिले कमीकमजोरी रहेका हुन सक्छन् । तिनको सुधारका लागि मौलना, शिक्षक, विद्यार्थी, अभिभावक, बुद्धिजीवी एवम् सम्पूर्ण सरोकारवालाको समेत महत्त्वपूर्ण भूमिका रहने हुँदा सम्बद्ध सबैको रचनात्मक सुझावका लागि पाठ्यक्रम विकास केन्द्र हार्दिक अनुरोध गर्छ ।

वि.सं. २०८२ | पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

نام کتاب : ہماری اردو برائے درجہ دہم

مرتبین : خورشید عالم اصلاحی ایم اے، بی ایڈ، سراج احمد مسلمان، ایم اے

صفحات : 210

اشاعت : بکرم سمبت ۲۰۸۲

ناشر : حکومت نیپال، وزارت تعلیم،سائنس و ٹیکنالوجی

مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم ،سانو ٹھیمی، بھکت پور

حق طباعت : جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

پرنٹنگ :

قیمت :

عرض ناشر

حکومت نیپال نے تعلیم کو فروغ دینے، اسے عام کرنے اور سب کے لیے تعلیم کو یقینی بنانے کی پالیسی اور منصوبہ بندی کی ہے، اس کے تحت وزارت تعلیم کی نگرانی میں قائم مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم، سانوٹھیمی، بھکت پور نے مدارس اسلامیہ کے لیے درجہ ششم تا درجہ بارہویں کا نصاب تعلیم تیار کیا ہے۔ جس میں ہماری اردو زبان کو بھی جگہ دی گئی ہے تاکہ ابتدائی درجات کے طلبہ وطالبات کو دیگر مضامین کے ساتھ ہی اردو زبان اور اس کے بنیادی قواعد کی بھی ضروری معلومات بہم پہنچائی جاسکیں تاکہ طلبہ وطالبات اردو بول چال میں دقت نہ محسوس کریں بلکہ روانی کے ساتھ اردو زبان بول سکیں، سمجھ سکیں اور اپنا مافی ضمیر بھی بخوبی ادا کرسکیں۔ اس کتاب کو سرکاری اسکولوں میں بھی بحیثیت زبان پڑھایا جاسکتا ہے تاکہ عام طلبہ وطالبات بھی دنیا کی ایک معروف زبان سیکھ سکیں اور اس کی شیرینی کو محسوس کرسکیں۔

اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے اردو زبان کی کتاب" ہماری اردو" کا تیسرے مرحلہ میں درجہ نہم، دہم اور درجہ گیارہ اوردرجہ بارہ تک کا سیٹ تیار کیا جارہا ہے۔اس مرحلہ کی دوسری کتاب"ہماری اردو" برائے درجہ دہم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب کی خصوصیات:

۱۔ زبان نہایت سادہ، سلیس اور طرز بیان عام فہم اور دل نشیں ہے۔

۲۔ بچوں کی عمر،ان کی مقصد زندگی، ان کی ضرورت، ذوق، دل چسپی اور نفسیات کا پورا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۳۔ بچوں کو گردوپیش سے باخبر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ان کے ذوقِ جستجو اور فطری جبلت کو مہمیز لگایاجاسکے اور وہ زندگی کے گو ناگوں میدانوں سے بھی واقف ہوں۔

۴۔ ہر سبق کے آخر میں مشقیں دی گئی ہیں، جو زبان دانی، تحریر، املا اور موادِ سبق کو سمجھنے میں معاون ہوں گی، بلکہ طلبہ وطالبات میں غوروفکر اور انفرادی مطالعہ کی عادت کا بھی محرک ثابت

ہوں گی۔

۵۔ جہاں ضروری سمجھا گیا ہے وہاں الفاظ پر اعراب(زبر، زیر، پیش) لگادیا گیا ہے۔ بڑی حد تک الفاظ کا جدید املا اختیار کیا گیا ہے۔ مرکب الفاظ کو ملاکر لکھنے کے بجائے الگ الگ لکھا گیا ہے۔ جیسے دل کش، خوب صورت۔

کتاب کومزید بہتر اور مفید بنانے کے لیے تمام اہل علم سے آراء اور مشوروں کی ہم امید رکھتے ہیں۔کسی بھی قسم کا کوئی مشورہ ہو تو مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم کے دفتر میں ارسال فرمانے کی زحمت فرمائیں۔ طلبہ وطالبات، اساتذۂ کرام اور دیگر اہل علم کی جانب سے مشوروں کا مرکز بخوشی استقبال کرے گا۔

مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم
سانو ٹھیمی، بھکت پور

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون		صفحہ
	हाम्रो भनाइ		
	عرض ناشر		
۱	مناجات	نظم	1
۲	مذہبی رواداری	سماجیات	5
۳	سیاست میں امانت داری	اخلاقیات	17
۴	بال جبرئیل	اردوادب	26
۵	حضرت محمد ﷺ کی خصوصیات	مذہبی	34
۶	آئی ٹی کی اہمیت	سائنس	44
۷	لباس کے آداب	تہذیب	53
۸	ایڈز ایک مہلک بیماری	صحت	64
۹	(الف)جدید اردو نثر	اردوادب	71
	(ب) گزرا ہوا زمانہ	اردوادب	85
۱۰	خواتین کے حقوق	حقوق انسانی	93
۱۱	نیپال کے قومی اخبارات اور اردو صحافت	صحافت	103
۱۲	حج کا سفر	سیاحت	112
۱۳	پرتھوی نارائن شاہ کے بعد کا جدید نیپال	تاریخ	129
۱۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	سیرت	141
۱۵	نعت نبی ﷺ	نعت	149
۱۶	نکاح میں سادگی کی اہمیت	معاشرت	156

فہرست مضامین

۱۷	بعض مشہور ادباء کی سوانح حیات	اردو ادب	167
۱۸	بانگ درا	نظم	178
۱۹	ناول اور ناول نگار	اردوادب	187
۲۰	درخواست	خط نویسی	203
۲۱	میر تقی میر	شاعر	208
۲۲	(الف)ایک دل چسپ مکالمہ	مکالمہ	215
	(ب) دستور نیپال کی تاریخ اور دفعات	مکالمہ	221

سبق نمبر ۱

مناجات

ہونٹوں کو رمز، اشکِ رواں کو زبان دے
آنکھیں مری نماز پڑھیں، دل اذان دے

پہچان لیں مجھے سَرِ محشر مرے نبی
چہرے پہ تابناک وضو کے نشان دے

مانا مرے گناہ پہاڑوں سے ہو گئے
اپنی عنایتوں کی ردا سر پہ تان دے

پھولوں سے میری زندگی مہکی رہے سدا
کانٹوں سے میرے دامنِ دل کو امان دے

ایسا دماغ دے جو تجھے سوچتا رہے
تیرا ہی ذکر کرتی رہے وہ زبان دے

گلزار ہو کہ دشت، کہیں بھی سکوں نہیں
سکھ چین ہو جہاں، مجھے ایسا مکان دے

تو جیسا چاہتا ہے، اُسی رنگ میں رہوں
میرا وجود دین کی چھلنی سے چھان دے

مناجات

اب تک درِ جزا پہ نہ پہنچے مرے قدم
جسمِ جنوں کو مت ابھی اذنِ تکان دے

جب مصلحت ہو ضبط کی توفیق دے حلیم!
جب بولنا پڑے مجھے زورِ بیان دے

پیروں کو میرے چال صحابہؓ کی ہو عطا
ہاتھوں میں مجھ کو طرزِ نبی کی کمان دے

تیرے ہی در کی خاک میں لپٹی رہے جبیں
میرا سراپا اپنی محبت میں سان دے

دنیا کو بیچ کے عقبیٰ خرید لوں
تاجر بنا کچھ ایسا کچھ ایسی دکان دے

ہر بار تیرے بابِ اثر تک پہنچ سکیں
یا رب! مری دعاؤں کو ایسی اُڑان دے

میدانِ کارزار میں اترا ہے تیرا شادؔ
فاتح بنا اسے کہ شہیدوں کی شان دے

(عبدالکریم شادؔ)

مشق و ممارست:

حصہ اول:۔ درج ذیل الفاظ و معانی غور سے پڑھیں اور یاد کریں

لفظ / اصطلاح	معانی
مناجات	اللہ سے دل کی بات، دعا یا عاجزانہ درخواست
رمز	علامت، اشارہ یا پوشیدہ اظہار۔
اشکِ رواں	بہتا ہوا آنسو، غم یا محبت کا اظہار۔
تابناک	چمکتا ہوا، یعنی پاکیزگی اور روحانی صفت
عنایت	اللہ کی مہربانی یا کرم

پھولوں سے زندگی مہکنا	زندگی خوشیوں اور سکون سے بھر جانا
کانٹوں سے دامنِ دل کو امان دینا	مشکلات و رکاوٹوں سے دل کو محفوظ رکھنا
دشت	صحرا یا دشوار راستہ
چھلنی سے چھاننا	فلٹر کرنا یا ناپاکی سے خود کو پاک کرنا
اذنِ تکان	حرکت کرنے یا قدم بڑھانے کی اجازت
توفیق	کامیابی، اللہ کی ہدایت ملنا
طرزِ نبی کی کمان	نبی ﷺ کے طریقہ کار یا رہ نمائی کے مطابق عمل
بابِ اثر	دعا کی مقبولیت/ کامیابی تک پہنچنے کا دروازہ
کارزار	میدانِ جنگ، زندگی کی مشکلات یا آزمائشیں
شہیدوں کی شان	قربانی دینے والوں کی عظمت

حصہ دوم:۔ درج ذیل سوالوں کے مختصر جواب لکھیں۔

۱. مناجات کا عنوان کیا ہے اور اس کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

۲. مصرعے "ہونٹوں کو رمز، اشکِ رواں کو زبان دے" میں شاعر نے کس چیز کی دعا کی ہے؟

۳. شاعر نے اپنے گناہوں کے سلسلہ میں کیا دعا کی ہے؟

۴. مصرعے "پھولوں سے میری زندگی مہکی رہے سدا، کانٹوں سے میرے دامنِ دل کو امان دے" میں کون سا پیغام یا سبق چھپا ہے؟

۵. شاعر نے پیروں اور ہاتھوں کے لیے کس طرح کی رہ نمائی طلب کی ہے؟

حصہ سوم: صحیح / غلط کا نشان لگائیں۔(☑ /☒)

۱. شاعر نے اپنی مناجات میں صرف مادی خوشیوں کے لیے دعا کی ہے۔

۲. مناجات میں شاعر نے اللہ سے علم و فکر کے لیے دعا کی ہے۔

۳. "دنیا کو بیچ بیچ کے عقبیٰ خرید لوں" مصرعے میں شاعر نے دنیاوی دولت پر زور دیا ہے۔

۴. شاعر نے دعا کی کہ وہ میدانِ کارزار میں فتح یاب ہو اور شہیدوں کی شان حاصل کرے۔

۵. شاعر نے اپنے دل، زبان اور جسم کو اللہ کی رضا کے مطابق چلانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

حصہ چہارم: وضاحتی سوالات

ا. مصرعہ "آنکھیں مری نماز پڑھیں، دل اذان دے" کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کریں۔
۲. شاعر نے مناجات میں اپنے کردار و عمل کے لیے کون سی دعا کی ہے؟
۳. مصرعے "ایسا دماغ دے جو تجھے سوچتا رہے، تیرا ہی ذکر کرتی رہے وہ زبان دے" سے طلبہ کے لیے کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟
۴. شاعر نے اپنی زندگی کو کس طرح سے گلزار اور سکون بھری بنانے کی دعا کی ہے؟
۵. آخری مصرعے میں شاعر نے میدانِ کارزار میں فتح حاصل کرنے کی دعا کیسے کی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

حصہ پنجم:اردو قواعد:۔ درج ذیل الفاظ کو درست مخارج کے ساتھ پڑھئے
اشکِ رواں، رمز، سر مجسم، رِدا، درِ جزا، جسمِ جنوں، بابِ اثر

شاعر کا تعارف: عبدالکریم شاؔد

عبدالکریم شاؔد ایک مشہور اردو شاعر اور مناجات نویس ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے انسانیت، اخلاقیات اور تعلق باللہ نیز بندگیٔ رب کی دعوت دی ہے۔ ان کے اشعار میں عشقِ حقیقی، محبتِ رسول ﷺ اور روحانی بیداری کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے۔ شاؔد کی زبان سادہ اور دل کش ہے، جو عام قاری کے لیے آسانی سے سمجھ میں آتی ہے اور دلوں میں ایمان اور محبت کے جذبات پیدا کرتی ہے۔

ان کی تخلیقات میں مناجات، غزلیں اور طویل نظمیں شامل ہیں، جن میں نہ صرف اخلاقی اور دینی تعلیم ملتی ہے بلکہ معاشرتی شعور بھی اجاگر ہوتا ہے۔ شاؔد اپنے الفاظ کے سادہ مگر معنی خیز استعمال کے ذریعے طلبہ اور قاری کو فکر و عمل کی رہ نمائی فراہم کرتے ہیں۔ ان کی شاعری ادب کی دنیا میں نہ صرف قیمتی حیثیت رکھتی ہے بلکہ روحانی مطالعے کے لیے بھی ایک قیمتی ذریعہ ہے۔

سبق نمبر ۲

مذہبی رواداری

انسانی فطرت میں قدرت نے بے مثال تنوع رکھا ہے،ہر انسان کا مزاج و ذوق مختلف ہے،ہر ایک کا رہن سہن جداگانہ ہے،ہر ایک میں سوچنے، سمجھنے اور واقعات سے نتیجہ اَخذ کرنے کی صلاحیت الگ الگ ہے۔انسانوں میں جہاں محبت کرنے والے اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے والے افراد موجود ہیں،وہیں نفرت کرنے والوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ماضی میں جب کبھی فکر و نظر، رنگ و نسل اور تہذیب و تمدن اور مذہب کے اس اختلاف کو انگیز کیاگیا، معاشرہ امن و امان اور سلامتی و خوش حالی کا گہوارہ بن گیا۔لیکن جب نفرت کی آگ سلگائی گئی تو خرمن تو کجا، انسانی آبادی و شہر خاکستر ہو گئے اور ملک و وطن خانما برباد ہو ئے۔

مذہبی رواداری ایک ایسی عظیم انسانی قدر ہے جو معاشرے میں امن، محبت، باہمی احترام، عدل و مساوات اور انسانی ہمدردی کو فروغ دیتی ہے۔ ہمارے ملک نیپال میں اور دنیا کے مختلف حصوں میں بھی لوگ مختلف مذاہب، عقائد، تہذیب وثقافت ،رنگ و نسل اور مختلف معاشرت و معیشت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے مذہب اور ثقافت پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام کرے تو معاشرے میں امن و امان، خوش حالی اور سکون پیدا ہوجائے۔

مذہبی رواداری انسانیت کے باغ کا وہ خوشبودار پھول ہے جو مختلف رنگوں کے باوجود ایک ہی خوشبو بکھیرتا ہے۔ یہ ایسا درخت ہے جس کی جڑیں اخوت اور محبت میں پیوست ہیں اور جس کی شاخیں سب کے سروں پر سایہ فگن ہیں۔ اگر دنیا کو خوش گوار بنانا ہے تو ہمیں اس درخت کو پانی دینا ہوگا۔ اور اس کی حفاظت کرنی ہوگی۔

انسان کی مثال مختلف سازوں سے بجنے والے ایک آلۂ موسیقی کی سی ہے۔ جب ہر ساز اپنی آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے تو ایک دل کش نغمہ جنم لیتا ہے۔ اسی طرح مختلف مذاہب کے ماننے والے اگر محبت، احترام اور برداشت کے ساتھ رہیں تو زندگی ایک حسین نغمہ بن جاتی ہے۔ لیکن اگر ایک بھی ساز بے سر ہو جائے تو نغمہ بگڑ جاتا ہے، یہاں تعصب اور نفرت کے جھونکے معاشرتی فضا کو بگاڑ دیتے ہیں۔مذہبی رواداری روشنی کا وہ چراغ ہے جو اندھیروں میں انسانیت کا راستہ روشن کرتا ہے۔ یہ بارش کی ان بوندوں کی مانند ہے جو ہر پھول پر یکساں گرتی ہیں، چاہے وہ کسی بھی رنگ کا ہو۔ یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ دین اور عقیدے کے اختلاف کے باوجود انسانیت کی ڈور سب کو ایک لڑی میں پروتی ہے۔

ہمارے معاشرے کی خوب صورتی یہ ہے کہ ہم سارے مذاہب کے لوگ ہم سائے ایک ہی دھرتی کے سپوت ہیں۔ جیسے رنگ برنگے پھول مل کر باغ کو دل کش بناتے ہیں، اسی طرح مختلف مذاہب کے ماننے والے مل جل کر معاشرے کو خوب صورت اور طاقت ور بناتے ہیں۔لہٰذا مذہبی رواداری محض ایک نظریہ نہیں بلکہ انسانیت کے وجود کی بقا کا لازمی اصول ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسے اپنی زندگی میں شامل کریں تاکہ آنے والی نسلیں امن، محبت اور بھائی چارے کی چھاؤں میں سانس لے سکیں۔

مذہبی رواداری کی تعریف:۔ رواداری، عدم تحمل کی ضد ہے، یعنی یہ صبر و تحمل اور برداشت کرنے کا دوسرا نام ہے۔ مذہبی رواداری سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے دین اور مذہب کے ساتھ مخلص رہتے ہوئے دوسروں کے مذہبی عقائد اور عبادات کا احترام کریں، ان کا مذاق نہ اڑائیں، انہیں برا بھلا نہ کہیں، ان کے ساتھ فراخ دلی کا رویہ اپنائیں اور سب کو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی دیں۔

مذہبی رواداری کی اہمیت اور فوائد:۔ مذہبی رواداری برتنے سےامن و سکون کا قیام عمل میں آتا ہے۔

جب لوگ ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرتے ہیں تو معاشرے میں جھگڑے کم ہوتے ہیں۔لوگوں میں اتحاد و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ مختلف طبقوں کے درمیان بھائی چارہ مضبوط ہوتاہے۔ملک و معاشرہ میں ترقی و خوش حالی آتی ہے، پرامن ماحول میں تعلیم، تجارت اور فنون کو ترقی حاصل ہوتی ہے، یہ راواداری سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہے اور انسانیت کو ایک دوسرے سے قریب لاتی ہے۔گویا مذہبی رواداری ایسا چراغ ہے جو اندھیروں میں روشنی پھیلاتا ہے اور دلوں کے فاصلوں کو مٹا دیتا ہے۔ یہ صبر و برداشت کا وہ پھل ہے جو میٹھا ہوتا ہے اور معاشرے کو امن و سکون عطا کرتا ہے۔ رواداری اپنانے سے دشمنی کی آگ بجھتی ہے اور بھائی چارے کا دریا رواں رہتا ہے۔ یہ ہم آہنگی کا ایسا رنگ ہے جو معاشرتی زندگی کو قوس و قزح کی مانند دل کش بنا دیتا ہے۔سچ ہے کہ جہاں رواداری ہوتی ہے وہاں نفرت کی جڑیں خود بخود سوکھ جاتی ہیں۔مذہبی رواداری ایسی چھاؤں ہے جس میں سب مسافر چین اور سکون پاتے ہیں۔

عدم رواداری کے نقصانات:۔ کسی بھی ملک اور معاشرے میں اگر مذہبی روا داری نہ پائی جائے تودرج ذیل نقصانات ہوسکتے ہیں:

- ملک و معاشرہ میں بد امنی پھیل جاتی ہے، معاشرتی انتشار پیدا ہوتا ہے اور آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں، اس سے نفرت اور بداعتمادی کی فضا قائم ہوتی ہے، نتیجتاً ملک کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے۔
- مذہبی عدم رواداری ایک آگ ہے جو پہلے دوسروں کو جلاتی ہے، پھر خود جلانے والے کو بھی خاکستر کر دیتی ہے۔
- یہ ایسا زہر ہے جو آہستہ آہستہ پورے معاشرے کی رگوں میں سرایت کر کے اسے مفلوج کر دیتا ہے۔
- یہ معاشرتی باغ کا وہ کیڑا ہے جو نرم و نازک کلیوں (امن و سکون) کو چاٹ لیتا ہے۔
- مذہبی عدم رواداری دلوں کے درمیان کھڑی وہ دیوار ہے جو محبت کے تمام راستے مسدود کر دیتی ہے۔

اسلام میں مذہبی رواداری:۔ اسلام ہی دین حق ہے، ساری دنیا کی نجات صرف اسلام میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام نہ صرف مذہبی رواداری میں یقین رکھتا ہے، بلکہ اس کی شان دار مثال قائم کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو عدل و انصاف، محبت اور رواداری کا درس دیتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں مذہبی رواداری ایک روشن باب ہے۔ اسلام ایک ایسا عالم گیر دین ہے

جس میں انسانیت کے ساتھ حسن سلوک، انسانوں کی خدمت اور ان کی بھلائی سر فہرست ہے۔

اسلام میں رواداری کا مفہوم صرف اتنا نہیں ہے کہ دوسروں کوبرداشت کیا جائے بلکہ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دوسروں کے مذہبی عقائدو اقدار، جذبات، تہذیب و ثقافت کے سلسلے میں معاندانہ رویہ اختیار نہ کیاجائے کہ ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اس طرح مذہبی روادی، دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ معیاری انسانی برتاؤ اور حسن سلوک کا نام ہے۔ مذہبی رواداری کے حوالے سے قرآن وسنت میں صریح ہدایات موجود ہیں۔ اسلام عقیدہ توحید میں بے لچک موقف رکھتا ہے اوراس میں کسی سمجھوتے کا قائل نہیں، لیکن دوسروں کے معبودوں کو بھی برا بھلا کہنے سے روکتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ سامع کے مزاج میں اشتعال پیداہوتا ہے اور وہ جواب میں معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو بھی برا بھلا کہنے لگتا ہے ۔ اسلام میں غلط موقف کو اختیار کرنے یا ناحق بات کو برداشت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے البتہ اُس کو رد کرنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے، وہ خوب صورت اسلوب میں کی جانے والی بحث ہے۔جس میں ناحق بات کو مدلل انداز میں رد کیا جائے گا، اور ناحق کہنے والوں کے ساتھ کوئی سختی اور غیر اخلاقی سلوک نہیں کیا جائے گا۔

اسلام میں زبردستی نہیں ہے :۔ اسلام لوگوں کو مذہبی آزادی دیتا ہے اور کسی پر زبردستی اپنا دین نہیں تھوپتا۔قبول اسلام کے لیے کوئی زبردستی یا جبر نہیں ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ : دین میں کوئی جبر نہیں۔ (البقرہ:۲۵۶)۔ یہ انسان کی آزادیِ فکر و عقیدہ کا اعلان ہے۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی فکر و عقیدہ کو دوسروں پر جبراً مسلط کرنے کی کوشش کرے۔ ہر فرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس نظریے کو چاہے، اختیار کرے اور جسے چاہے رد کردے۔ اس کا محاسبہ کرنے والی ذات بس اللہ کی ذات ہے۔ دنیا میں مذہب اور عقیدہ کی بنیاد پرکسی شخص کے ساتھ غیر منصفانہ طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے بنیادی انسانی حقوق سے محروم کیا جاسکتا ہے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے :"اس لیے اے نبی! (ﷺ) تم اس دین کی طرف دعوت دو اور ثابت قدم رہوجیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور ان لوگو ں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور کہو کہ اللہ نے جو کتاب اتار ی ہے اس پر میں ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔اللہ ہی ہمار ااور تمہار ارب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے۔اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے"۔(الشوریٰ:۵۱)

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد "میثاقِ مدینہ" کے تحت مذہبی رواداری پر مبنی جو حقوق غیر مسلم فریقوں کو حاصل ہوئے ان میں سے تین یہ تھے :۔مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو بھی مذہبی و سیاسی سطح پر وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ دونوں فریق مل کر دشمنوں سے اس امت متحدہ کی حفاظت کریں گے۔ دونوں مل کر دفاعی اخراجات کی ذمہ داریاں اٹھائیں گے۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے گی۔عہدِ نبوی میں خود مختاری آبادی کے ہر گروہ کو مل گئی تھی۔ جس طرح مسلمان اپنے دین، عبادت،شرعی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے، اسی طرح دوسرے مذاہب و ملت کے لوگوں کو بھی کامل آزادی حاصل تھی۔

اسلامی تاریخ میں مذہبی رواداری کی قابلِ رشک مثالیں ملتی ہیں۔حضرت عمرؓ کا ایک رومی غلام حضرت عمرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہا۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کرلے تو وہ اسے کسی اہم عہدے پر فائز کردیں، لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا ،اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ نے اسے آزاد کردیا۔ انسانی رواداری کا ایک اہم نمونہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیر مسلم کے جنازے کے احترام میں بھی کھڑے ہوجاتے تھے۔ (بخاری)

دمشق کی مسجد کبیر کی توسیع کے لیےخلیفہ ولید بن عبدالملکؒ نے ایک چرچ کے کچھ حصے کو اس میں شامل کر لیا، جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے مسجد کے اس حصے کو توڑ کر چرچ کو واپس کردیا۔یہ مثالیں مذہبی رواداری کے تصور اور تلقین کے عین مطابق ہیں۔ قرآن میں کہا گیا ہے: "تمھیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا رویہ اختیار نہ کرو، انصاف کرو۔" (المائدہ :۸) مزید ارشاد ہے:"اگر اللہ تعالیٰ ایک گروہ کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتارہتا تو عبادت خانے ،گرجے ،مساجد اور یہودیوں کے معابد اور وہ مساجد بھی ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے"۔(سورہ حج:۴۰)

یہ امر واقعہ ہے کہ آج دنیا میں مساوات، امدادِ باہمی، علمی جدوجہد اور نوع انسانی کے ساتھ ہمدردی کی جو تحریکیں جاری ہیں ،وہ سب کی سب اسلام ہی سے مستعار لی گئی ہیں اور اسلامی تعلیمات کی نقالی ہیں۔ اسلام نے جلوہ گر ہوکر حکومتی نظاموں کا ڈھانچہ بدل دیا۔ دنیا کے اقتصادی نظام میں انقلاب برپا کردیا۔ اسلام نے ایک ایسا مکمل نظامِ حیات پیش کیا جو مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیاکے لیے رحمت ثابت ہوا۔ اسلام میں یہ ایسی خوبیاں ہیں جن کا اعتراف ہر انصاف پسندانسان کو کرنا چاہیے۔ قرآن کا ارشاد ہے : ''تم برائی کوبھلائی سے دفع کرو۔ جب تم ایسا کروگے تو تم دیکھوگےکہ تمہارا کٹّر دشمن بھی تمہارا گہرا دوست ہوگیا ہے۔'' (فصلت: ۴۳)۔ قرآن مجید میں رواداری، فراخ دلی اور انسان دوستی کی جو تعلیمات دی گئی ہیں، ان پر رسول اللہ حضرت محمد ﷺ نے عمل کر کے دکھایا،ارشاد باری ہے: ((اے محمد ﷺ) اللہ کی مہربانی سے تمہارا مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہواہے، اور اگر تم تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ [آل عمران: ۱۵۹]

نبی کریم ﷺ نے غیر مسلم ہم سایوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی اور مدینہ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ایک پرامن معاشرہ قائم کیا جو پوری دنیا کے لیے بے مثال نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔ اسلام کے دشمنوں کے مظالم سے تنگ آکر ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے اُن کے لیے بددعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا : ''میں لعنت اور بددعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

قرآن مجید کی متعدد آیتوں کے مطابق غیر مسلم رعایا کو نہ صرف اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے؛ بلکہ انہیں روزگار، تعلیم اور حصولِ انصاف میں برابر کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ اُن کے ساتھ حسن ِ سلوک کی تلقین کی گئی اور ان کی دل آزاری سے مکمل پرہیز کرنے کا حکم دیاگیا ہے۔ ارشاد باری ہے:''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔(الممتحنہ:۸)۔

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:" دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گم راہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے"۔ (البقرہ: ۲۵۶)۔ اسلام بنیادی طورپر رواداری کا درس دیتا ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کے مذہب کااحترام کرنا بھی سکھاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے فرض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہوئے ایسی رواداری اور فراخ دلی دکھائی جو انسانی تاریخ کی بہت روشن اور تابناک مثالیں ہیں۔

آج دنیا میں لسانی، مذہبی، سماجی بحران کی اصل وجہ یہی ہے کہ دنیا میں بسنے والی مختلف اقوام، قبیلوں نے ایک دوسرے کے مذہب وعقیدے کے خلاف نفرت آمیز رویہ اپنا رکھا ہے، حالاں کہ فی الوقت دنیا کو امن کی شدید ضرورت ہے اور آج اضطرابی دور میں مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مکالموں کودنیا کی سب سے بڑی ضرورت کے طور پر محسوس کیاجا رہا ہے۔ ہر مذہب کی اپنی زبان اور روایات ہوتی ہیں جو عوام کو بنیادی انسانی قدریں عطا کرتی ہیں ،جس سے انسانی معاشرہ بہتری کی طرف بڑھتا ہے اور یہ قدریں سوسائٹی کے نگراں کا کردار ادا کرتی ہیں۔اسی لیے اسلام نظریاتی و لسانی اختلاف کو قبول کرتا ہے۔برداشت، احترام اور محبت کی پالیسی کو تشکیل دیتا ہے، اچھے اور پر امن معاشرے کی تشکیل کے لیے اختلافات کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے،اختلافات کو سمجھنے کے بعد ہی دوسرے مذاہب اور عقائد کے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح مختلف مسالک اور مذاہب کے لوگوں کو قریب لایا جا سکتا ہے۔

.برداشت اور احترام کا رویہ اسلام کی تعلیمات کا جزء لا ینفک ہے،اسلام کی کامیابی کی بنیادی وجہ مکالمہ ہی تھا اور حضرت محمدﷺ کی پوری زندگی مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کی کوششوں سے عبارت ہے، ہمارے پیارے نبی حضرت محمدﷺ نے عیسائیوں اور یہودیوں سے مکالمہ کیا۔ مدینہ کی ایسی ریاست تشکیل دی جس میں تین بڑے مذاہب کے لوگ آباد تھے اور وہاں امن سلامتی اور باہمی احترام غالب تھا۔اسلامی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مکالمہ اور بات چیت کی نہ صرف اسلام کی طرف سے اجازت ہے بلکہ پیغمبر اسلام کی سنت ہے، مکالمے سے بڑھ کر معاہدہ بھی اہم ہے ، صلح حدیبیہ اسلامی تاریخ کا معروف ومشہور معاہدہ ہے، حضرت محمدﷺمدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت بنو نضیر،بنو قریظہ اور بنو قینقاع مشہوریہودی قبیلے آباد تھے،حضرت

محمد ﷺ نے ان سے بات چیت ہی نہیں معاہدہ بھی کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔

عملی مثالیں:۔ ہمارے نیپال میں معاشرتی ہم آہنگی کا ماحول پایا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی قدر کی جائے اور اسے فروغ دیا جائے۔

○ نیپال میں مختلف مذاہب کے لوگ صدیوں سے مل جل کر رہتے ہیں، اپنا اپنا تہوار مناتے ہیں، اپنے کلچر کے مطابق اپنی زندگی گذارتے ہیں اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھتے ہیں۔

○ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرتے ہیں اور ان کے ساتھ خوش گوار تعلقات رکھتے ہیں، کوئی کسی کو برا بھلا نہیں کہتا۔

○ ایک دوسرے سے علمی استفادہ کرتے ہیں، باہم لین دین اور ان کے ساتھ تجارت و کار و بار کرتے ہیں۔

○ کھانے پینے، لباس و رہن سہن میں ایک دوسرے کی نقل کرتے ہیں اور اس طرح تہذیب و ثقافت کو فروغ ملتا ہے۔

○ مختلف مذاہب کی زبانوں کو آپس میں سیکھتے ہیں اور زبان و ادب و مشترکہ ثقافت کو فروغ دیتے ہیں۔

○ خوشی کے مواقع پر ایک دوسرے کی دعوتیں کر کے انہیں خوشی میں شریک کرتے ہیں جس سے خوش گوار تعلقات، پائیدار ثقافت اور بقائے باہمی کا خوش نما منظر ملک میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

اس کے برعکس مذہبی عدم رواداری کی مثال ایسے ہے جیسے ایک ہی درخت کی شاخیں ایک دوسرے کو توڑنے لگیں، یہ ایسے ہے جیسے ایک کشتی میں بیٹھے لوگ ایک دوسرے کے پاؤں کاٹنا شروع کر دیں، یا کشتی میں سوراخ کرنے لگیں، جس کا لازمی نتیجہ سب کے ڈوبنے کی صورت میں نکلتا ہے۔ عدم رواداری کی مثال اس کانٹے کی سی ہے جو اگر پھول کی حفاظت کرے بھی تو خوشبو کو فنا کر دیتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے اندھیرا روشنی کو نگل لے اور سب کچھ سیاہی کے سمندر میں ڈوب کر فنا ہو جائے۔ اس کے بالمقابل مذہبی رواداری کی مثال بارش کی ان بوندوں جیسی ہے جو سب پھولوں پر یکساں برستی ہیں، چاہے وہ کسی بھی رنگ یا خوشبو کے ہوں۔ یہ سورج کی روشنی

کی مانند ہے جو سب گھروں پر یکساں چمکتی ہے، خواہ چھت کچی ہو یا پکی۔ مذہبی رواداری کی مثال ایک خوش ذائقہ باغیچے کی سی ہے، جہاں مختلف پھول اپنی خوشبو سے فضا کو معطر کرتے ہیں اور مجموعی طور پر باغ کو حسین بنا دیتے ہیں۔یہ کشتی کی مانند ہے جس میں سب سوار محفوظ رہتے ہیں، بشرطیکہ وہ مل جل کر توازن قائم رکھیں۔

یقیناً مذہبی رواداری ایک مہذب معاشرے کی پہچان ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے مذہب سے محبت کے ساتھ دوسروں کے مذہبی عقائد کا احترام کریں، تاکہ ایک پرامن، خوش حال اور محبت بھرا معاشرہ قائم ہو سکے اور ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔

مشق و سوالات:۔

مشکل الفاظ	:	معانی
رواداری	:	برداشت، صبر و تحمل
اخوت	:	بھائی چارہ
ہم آہنگی	:	میل جول، یکجہتی
تعصب	:	ضد، ہٹ دھرمی، عصبیت
معاشرہ	:	سماج، سوسائٹی
بنیاد	:	جڑ، اساس
ترقی	:	آگے بڑھنا، نشوونما
سایہ فگن	:	سایہ ڈالنے والا، ڈھانپنے والا
انسانیت	:	آدمیت، نوعِ بشر

سوال و جواب:۔

سوال ا: مذہبی رواداری کیا ہے؟

جواب: مذہبی رواداری کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے عقائد

اور عبادات کا احترام کریں اور باہم صبر و برداشت کے ساتھ زندگی گزاریں۔

سوال ۲: مذہبی رواداری کے کیا فوائد ہیں؟

جواب: مذہبی رواداری سے معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے، بھائی چارہ پروان چڑھتا ہے، نفرتیں ختم ہوتی ہیں اور ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔

سوال ۳: مذہبی عدم رواداری معاشرے کے لیے نقصان دہ کیوں ہے؟

جواب: مذہبی عدم رواداری دشمنی اور نفرت کو جنم دیتی ہے، معاشرتی امن و سکون برباد کرتی ہے اور ترقی کی راہیں مسدود کر دیتی ہے۔

سوال ۴: اسلام مذہبی رواداری کے بارے میں کیا تعلیم دیتا ہے؟

جواب: اسلام نے ہمیشہ مذہبی رواداری کی تعلیم دی ہے۔مذہب کی تفریق کے بغیر سب کے ساتھ عدل و انصاف اور انسانی حقوق کی پاسداری کی تعلیم دیتا ہے۔

سوال ۵: معاشرے میں مذہبی رواداری قائم رکھنے کے لیے کیا اقدامات ضروری ہیں؟

جواب: تعلیم، محبت، صبر، ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام اور اجتماعی تعاون مذہبی رواداری کے لیے ضروری ہیں۔

دیگر مشقیں:

(الف) خالی جگہ پر کریں:

۱. مذہبی رواداری معاشرے میں ____ قائم کرتی ہے۔

۲. مذہبی عدم رواداری ____ کو جنم دیتی ہے۔

۳. قرآن کہتا ہے: "دین میں کوئی ____ نہیں۔"

۴. رواداری معاشرتی زندگی کا ____ ہے۔

(ب) درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:۔

۱. مذہبی عدم رواداری سے کیا ہوتا ہے؟

۲. معاشرے میں بھائی چارہ قائم رکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

۳. اسلام میں مذہبی برداشت یا باہمی تعاون کا درس دیا گیا ہے۔ اس سے متعلق آیات اور کچھ مثالیں لکھ کر ایک مضمون تیار کریں۔

(ج) جوڑ ملائیں:۔

۱.	رواداری	ترقی میں رکاوٹ
۲.	تعصب	نفرت اور دشمنی
۳.	اسلام	برداشت اور محبت کی تعلیم
۴.	عدم رواداری	امن و سکون

کچھ اردو قواعد :۔

۱: "رواداری" کس لفظ سے بنا ہے اور اس کا صیغہ کیا ہے؟

یہ "روادار" سے بنا ہے اور مصدر کے ساتھ لاحقہ "ی" لگانے سے اسمِ کیفیت بنا ہے۔ ایسے دس الفاظ آپ بھی لکھیں۔

۲: درج ذیل الفاظ سے جملے بنائیں:۔

- رواداری
- اخوت
- ہم آہنگی
- تعصب
- سایہ فگن

۳: "محبت سب کے دلوں کو جوڑ دیتی ہے"۔ اس جملے میں "محبت" کس قسم کا اسم ہے؟

یہ اسمِ نکرہ ہے اور اسمِ کیفیت بھی ہے۔اسم نکرہ اور اسم کیفیت کی تین مثالیں آپ بھی لکھیں۔

۴: "برسنا، جلانا، چمکنا" یہ کون سا صیغہ ہے؟

یہ سب مصادر ہیں۔

۵: مضمون میں

مرکب: "مذہبی رواداری" محاورہ: "سایہ فگن ہونا" اسی طرح کے پانچ پانچ مرکب الفاظ و محاورے آپ بھی لکھیں۔

۶:۔اس سبق سے تمثیل و استعارے کے تین جملے ڈھونڈ کر لکھیں۔

پروجیکٹ:۔

اپنے مسلم اور غیر مسلم ساتھیوں سے مل کر بات چیت کریں اور آپس میں امن و محبت اور بھائی چارہ قائم رکھنے کے لیے کیا کیا کر سکتے ہیں، مشترکہ کام نوٹ کریں، خوب صورت چارٹ پیپر پر لکھیں اور اسے اپنے اسکول/مدرسہ، مسجد اور بازار کی نمایاں جگہوں پر آویزاں کریں۔

سبق نمبر ۳

سیاست میں امانت داری

سیاست کسی بھی ملک کی رہ نمائی اور ترقی کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ اس کے ذریعے عوام کی خدمت، انصاف کا قیام اور ترقی کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، ملک کے نظم و نسق کو درست کیا جاتا ہے اور پر امن ماحول قائم کیا جاتا ہے۔ اگر سیاست میں امانت داری نہ ہو تو یہ مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔

امانت داری کی تعریف:

امانت داری کا مطلب ہے سچ بولنا، دیانت داری سے کام کرنا، وعدوں کو پورا کرنا اور ذاتی فائدے کے بجائے عوامی بھلائی کو ترجیح دینا۔ سیاست میں ایمان دار قیادت ملک و قوم کے لیے خیر و برکت کا باعث بنتی ہے، اس سے ملک کی ترقی ہوتی ہے، امن و امان قائم ہوتا ہے اورملک میں خوش حالی آتی ہے۔

سیاست میں امانت داری کی ضرورت:

امانت دار سیاست دان قوم کا اعتماد جیت لیتا ہے، وہ فیصلے ذاتی مفاد کے بجائے قومی مفاد میں کرتا ہے، وہ رشوت، جھوٹ اور کرپشن سے دُور رہتا ہے اور شفاف نظام قائم کرتا ہے۔ اس سے عوام مطمئن رہتی ہے اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

سیاست میں امانت داری کیا ہے؟

سیاست میں امانت داری انتہائی اہم ہے جو کسی بھی جمہوری معاشرے کی ترقی اور استحکام کے لیے ضروری ہے۔ امانت داری کا مطلب ہے کہ سیاست دان اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو ایمان داری اور دیانت داری سے ادا کریں۔ امانت داری کا مطلب ہے کہ سیاست دان اپنے عہدے اور اختیار کو نیک نیتی اور دیانت داری سے استعمال کریں اور اپنے ذاتی مفادات کے بجائے عوام کی فلاح و بہبود کو ترجیح دیں۔ ان میں جھوٹ، دھوکہ دہی، بدعنوانی اور اقربا پروری نہ پائی جاتی ہو۔

امانت داری پر ایک مختصر کہانی پیش کی جاتی ہے۔شہر "نور نگر" اپنی خوب صورت گلیوں، پرانے قلعے، پرشکوہ عمارتوں اور پہاڑی جھرنوں اور ندیوں کی وجہ سے مشہور تھا۔لوگ اکثر و بیشتر خوش حال زندگی گذارتے تھے۔ مگر وہاں کے بے ایمان،و بد دیانت سیاست دانوں کی وجہ سے شہر کے لوگ پریشان تھے۔کچی سڑکیں، گندے ندی نالے، برائیوں کے اڈے اور غنڈہ گردی کا راج تھا، یہاں ہر طاقت ور سیاسی آڑ میں کم زوروں کو ستاتا اور یہ بے ایمان سیاسی رہنما عوام کو لڑاتے بھڑاتےاور اپنی سیاسی روٹی سینکتے رہتے۔ آپسی چپقلش تھی، رشوت و بے ایمانی کا دور دورہ تھا۔ غرض پورا شہر برائیوں کا اڈہ بنا ہوا تھا اور امن و امان غارت ہو چکا تھا۔

وہاں کے لوگ ایک عرصے سے ایک ہی دکھ میں مبتلا تھے اور وہ تھا سیاست دانوں کی بددیانتی۔ ہر انتخاب کے وقت وہی پرانے وعدے، وہی جھوٹے دعوے، جھوٹ سے بھری لمبی زبان،اور وہی پرانے خواب جنہیں کبھی حقیقت کا روپ نہ ملتا۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام کے دلوں میں سیاست کا نام سنتے ہی نفرت جاگ اٹھتی تھی۔سیاست دانوں سے انہیں گویا دشمنی کی حد تک نفرت تھی۔

ایسے ہی حالات میں نور نگر کا ایک تعلیم یافتہ نوجوان "سعید" سامنے آیا۔ وہ ایک نیک بخت اسم بامسمّٰی اور بالکل بانکا ذہین اور ہردل عزیز نوجوان تھا۔ اس کے والد ایک عام استاد تھے جنھوں نے بیٹے کو محنت، لگن، امانت و دیانت، ایمان داری اور خدمتِ خلق کا درس دیا تھا۔ اسی لیے سعید نے بچپن سے سچائی کو اپنی زندگی کا اصول بنایا، وہ عزم و حوصلہ کا مرد آہن تھا۔ مگر جب اُس نے سیاست میں آنے کا اعلان کیا تو پورے شہر میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لوگ ہنستے اور کہتے: "یہ کیسی نادانی ہے؟ سیاست میں ایمان داری و امانت داری کی کوئی جگہ نہیں۔ یہ کھیل ہے دولت اور طاقت والوں کا۔" ایسے شریف اور امانت دار نوجوان کو اپنی زندگی سیاسی گلیاروں میں لگا کر داغ دار نہیں کرنا چاہیے۔لیکن سعید نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عوام کے سامنے ایک نیا راستہ پیش کرے گا۔اس میں جوش اور جنون تھا، وہ اپنے نیک باپ کا تربیت یافتہ صالح نوجوان تھا،وہ مطلب کرتا تو بہت ہی نپے تلے الفاظ استعمال کرتا۔ وہ اپنی گفتگو میں فساد اور بدامنی کی جڑوں پر انگلی رکھتا۔وہ اُس نے اپنی انتخابی مہم میں کوئی بڑے نعرے نہیں لگائے۔ اُس نے بس کہا:"میں

وہی وعدہ کروں گا جو پورا کر سکوں، اور جو نہ کر سکوں، اس پر کبھی زبان نہیں کھولوں گا۔"

ابتدا میں لوگوں نے اسے سنجیدگی سے نہ لیا، مگر جیسے جیسے وہ دیکھتے کہ سعید دن رات گلیوں میں عوامی مسائل سنتا، بیماروں کے علاج کے لیے چندہ اکٹھا کرتا، یتیم بچوں کی تعلیم کے اخراجات اٹھاتا، اور ہر کام میں دیانت داری دکھاتا ہے، تو ان کے دل بدلنے لگے۔ اُس کی سچائی اور امانت داری نے لوگوں کے دلوں کو جیت لیا۔

انتخابات کا دن آیا۔ مقابلے میں بڑے سرمایہ دار اور پرانے سیاست دان کھڑے تھے جن کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ سعید کے پاس نہ پیسہ تھا، نہ کوئی بڑی پارٹی کا سہارا۔ مگر اُس کے پاس ایک طاقت تھی—ایمان داری، امانت داری اور عوام کی دعائیں۔ نتیجہ آیا تو سب حیران رہ گئے۔ سعید بھاری اکثریت سے کامیاب ہوگیا، اور یوں سیاسی افق پر ایک نیا ستارہ نمودار ہوا، سعید امانت دار، وعدہ کا پکا، انصاف پرور سعید۔

اقتدار سنبھالنے کے بعد سعید کے سامنے کئی آزمائشیں آئیں۔ پرانے سیاست دانوں نے اسے لالچ دیا کہ "ہمارے ساتھ چلیں، فائدہ اٹھائیں۔" مگر اُس نے جواب دیا: "میں سیاست کو جھوٹ، رشوت، بد دیانتی اور بے ایمانی کی کمائی کا ذریعہ نہیں، خدمت کا میدان سمجھتا ہوں۔"

آہستہ آہستہ اُس کی امانت داری نے شہر کا نقشہ بدل دیا۔ سڑکیں بنیں، اسکولوں میں تعلیم کا معیار بہتر ہوا، غریبوں کو انصاف ملا، اور سب سے بڑھ کر عوام کے دلوں میں سیاست پر اعتماد بحال ہوا۔ لوگ کہا کرتے تھے: "پہلے ہمیں لگتا تھا سیاست صرف جھوٹ اور فریب ہے، مگر سعید نے ثابت کر دیا کہ جب دل میں خوفِ خدا ہو تو سیاست عبادت بن جاتی ہے"۔ اب یہ شہر آپسی میل ملاپ اور بھائی چارہ کے لیے معروف ہو گیا۔ تمام مذاہب کے لوگ صبح و شام راستوں میں چلتے پھرتے ایک دوسرے کو سلام اور آداب بجا لانے لگے، عورتیں شرافت، عزت اور ممتا کی مثال بن گئیں۔ بزرگوں کا حد درجہ احترام کیا جانے لگا، اب راہ چلتے بچوں کو بڑی شفقت اور پیار سے لوگ دیکھتے تھے۔ شادی بیاہ میں ایک دوسرے کے یہاں آمد و رفت مانوپریم بھاؤ ناکی زندہ مثالیں بن گئیں۔ شادی کی دھاپ، دکھ کے موقعہ پر ایک ساتھ ایک دوسرے کا بوجھ سہار لینے کا چلن، مان آدر، سمان، سنسکار، پیار و شفقت، ادب و احترام،

عید ملن، کوی سمیلن، مشاعرے اور کھیلوں کے اکھاڑے، خوش گپیاں، اور بچوں کی کلکاریاں، تیوہاروں میں جھولے پر سارے بچوں کی بھیڑ اور بزرگوں کی جانب سے اظہار مسرت اور ان کی شاباشی، اب یہ سب کچھ تھا وہاں، اب یہ شہر حقیقی معنوں میں امن و سکون کا گہوارہ بن گیا

نور نگر آج بھی سعید کی ایمان داری کی مثال دیتا ہے۔ آج کے پر فتن دور میں گرچہ بددیانتی نے سیاست کو داغ دار کر دیا ہے، مگر سچائی اور دیانت سے یہ داغ دھل سکتا ہے۔ سعید کی کہانی سے یہ درس ملتا ہے کہ اصل طاقت دولت میں نہیں بلکہ سچائی میں ہے، اور سیاست میں ایمان داری ہی وہ روشنی ہے جو اندھیروں کو دور کر سکتی ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیاست میں کامیابی صرف دولت اور طاقت کی وجہ سے نہیں بلکہ ایمان داری اور خدمتِ خلق کی بنیاد پر بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر سیاست دان اپنی نیت صاف رکھیں اور عوامی خدمت کو مقصد بنائیں تو ہمارا ملک جنت نشان بن سکتا ہے۔

سیاست میں امانت داری کے بے شمار فوائد ہیں:

- عوام کا اعتماد:۔ جب سیاست دان ایمان دار ہوتے ہیں تو عوام ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کی قیادت پر یقین رکھتے ہیں۔
- جمہوری اقدار:۔امانت داری جمہوری اقدار جیسے انصاف، آزاد صحافت،مساوات اور شفافیت کو فروغ دیتی ہے۔
- معاشی ترقی:۔ جب سیاست دان ایمان دار ہوتے ہیں تو بدعنوانی کم ہوتی ہے اور ملک کی معیشت ترقی کرتی ہے۔
- سماجی ہم آہنگی:۔ امانت داری معاشرے میں اعتماد اور ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔
- قانونی حکم رانی:۔ جب سیاست دان ایمان دار ہوتے ہیں تو قانون کی حکم رانی قائم ہوتی ہے اور امن و امان قائم ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اگر سیاست دان ایمان دار نہ ہوں تو سماج ان سارے اقدار سے محروم ہوجاتا ہے اور پورا معاشرہ عدم تحفظ اور عدم استحکام کا شکار ہوجاتا ہے۔ ترقی کے بجائے تنزلی اور

اختلاف و انتشار کا دور دورہ ہوتا ہے۔ سماج کے کم زور طبقات حق اور انصاف سے دھیرے دھیرے محروم کردیے جاتے ہیں۔

سیاست کے میدان میں امانت داری کو فروغ دینے کے لیے درج ذیل اقدامات کی جانی چاہیے: حکومت کے فیصلوں اور کارروائیوں میں شفافیت ہونی چاہیے۔عدالت کے فیصلوں میں تیزی اور شفافیت لانی چاہیے۔سیاست دانوں کو اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہونا چاہیے۔عوام کو ایمان داری اور دیانت داری کی اہمیت کے بارے میں تعلیم دی جانی چاہیے۔بدعنوان سیاست دانوں کو سخت سزائیں ملنی چاہئیں۔ اچھے اور ایمان دار سیاست دانوں کو مثال کے طور پر پیش کیا جانا چاہیے۔

ذیل میں امانت دار سیاست دانوں کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس کے کتنے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ :

اموی خلافت کے مشہور اور عادل حکمراں خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ان کی امانت داری کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ ایک مرتبہ رات کے وقت وہ بیت المال کے امور پر کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ایک خادم نے عرض کیا "امیرالمؤمنین! ایک شخص باہر سے آیا ہے اور آپ سے ذاتی ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

خلیفہ نے جو چراغ روشن کر رکھا تھا، فوراً بجھا دیا اور دوسرا چراغ جلایا۔ خادم نے حیران ہو کر پوچھا: "یہ چراغ کیوں بجھایا؟"

عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا، " پہلا چراغ بیت المال کا ہے، جو سرکاری امور کے لیے جلایا جا رہا تھا۔ اب جب کہ ہم ذاتی بات کرنے والے ہیں تو بیت المال کا چراغ استعمال کرنا خیانت ہوگا۔ اس لیے میں نے اپنا ذاتی چراغ جلا لیا۔" یہ سن کر خادم حیرت اور عقیدت سے خاموش ہو گیا۔

امانت داری اور معاشی ترقی:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصری حکومت کا اہم شعبہ یعنی مالیات کی ذمہ داری سونپی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کامیابی کی اہم وجہ ان کی امانت داری اور ایمان داری کے وصف

کو قرار دیا۔ ان کے حسن انتظام اور امانت داری کی وجہ سے مصر جو معاشی بد حالی کا شکار تھا، عوام قحط سالی سے انتہائی پریشان تھی، انہیں خوش حالی نصیب ہوئی اور قحط کے زمانے میں فاقہ سے عوام کو نجات ملی۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۷۶ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۷۶﴾ "معاشی معاملات میں امانت داری کا رویہ اختیار کرنا تقویٰ کی بہترین مثال ہے"۔ کامیاب اور ترقی یافتہ معاشرے کے لیے عوام اور حکومت دونوں کا معاشی معاملات میں امانت داری کا مظاہرہ کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ معاشی معاملات میں خیانت اور بے ایمانی معاشرے میں بدعنوانی اور رشوت خوری کو جنم دیتی ہے جو بالآخر سماج کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ ارشاد ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ "تو جو کوئی امین بنایا گیا اس کو چاہئے کہ اپنی امانت کا حق ادا کرے اور اسے چاہئے کہ وہ اپنے اللہ سے ڈرے" (بقرۃ: ۲۸۳)

ایک اور جگہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ "اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچا دیا کرو اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو" (النساء۔ ۵۸)۔

امانت داری اور سنت نبویﷺ:

رسول اللہ ﷺ کی سنت سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ آپﷺ نے امانت داری کی بہت تاکید کی ہے اور امانت میں خیانت کی ممانعت فرمائی ہے۔ رسول اکرمﷺ نے امانت داری کو ایمان کی علامت اور پہچان قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔"لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له"" جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں"۔ (سنن بیہقی۔۱۲۶۹۰)۔ آپﷺ نے امانت داری کو فرد اور سماج دونوں کے لیے کامیابی کی ضمانت قرار دیا ہے۔ ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اللہ کی طرف سے نبوت عطا کرنے سے پہلے بھی آپﷺ کو لوگ امین (امانت دار، قابل اعتماد) اور صادق کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک حدیث میں آپﷺ نے امانت داری کو ایک

سچے مومن کی علامت بتاکر فرمایا ہے کہ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاَثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ "ایک منافق کی تین نشانیاں ہوتی ہیں- اول : جھوٹ بولنا، دوم :وعدہ خلافی کرنا اور سوم: امانت میں خیانت کرنا " (ترمذی-۲۶۳۱)۔

قوم کا سردار قوم کاخادم ہوتا ہے، سیاست میں خدمتِ وطن و ملت انتہائی ضروری ہے، ہم میں سے جس کسی کو بھی قیادت اور حکومت کے فرائض انجام دینے کا موقع ملے، اسے چاہئے کہ امانت داری، عدل و انصاف اور دیانت داری کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت کرے۔

مشق و سوالات:

☆ کہانی "سیاست میں ایمان داری" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

☆ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیں:

۱۔ نور نگر کے لوگ سیاست سے کیوں بدظن تھے؟

۲۔ سعید نے اپنی انتخابی مہم میں کیا وعدہ کیا؟

۳۔ سعید نے عوام کے دل کیسے جیتے؟

۴۔ اقتدار میں آنے کے بعد سعید کو کن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا؟

☆ ذیل کے جملوں کو اپنے الفاظ میں دوبارہ لکھیں تاکہ معنی ذہن نشین ہوجائے:

۱. "میں سیاست کو کمائی کا ذریعہ نہیں بلکہ خدمت کا میدان سمجھتا ہوں۔"

۲. "ایمان داری ہی وہ روشنی ہے جو اندھیروں کو دور کر سکتی ہے۔"

☆ درج ذیل میں سے کسی ایک موضوع پر دو صفحات پر مشتمل ایک مضمون لکھیں:

تعلیم کی اہمیت   وقت کی قدر   باہمی رواداری

☆ کسی ایک موضوع پر کہانی لکھیے جس کے آخر میں کوئی سبق اور نصیحت ہو:

سچائی کا انعام   لالچ بری بلا ہے   ایک نیک دوست

سیاست میں امانت داری

☆ درج میں دو الگ الگ اشعار درج ہیں ان کی تشریح کریں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے
نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

☆ مندرجہ ذیل فقروں کا مفہوم لکھیں:

"ایمان دار سیاست دان عوام کی خدمت کرتا ہے۔"

" سردار قوم کا خادم ہوتا ہے"

"وہ نیک بخت سعید اسم بامسمّیٰ تھا"

☆ درج ذیل الفاظ سے جملے بنائیں:

سیاست	خدمت	سچائی	دولت	کامیابی

☆ ذیل میں امانت داری کی چند مثالیں مختصر کہانیوں کی شکل میں لکھی جا رہی ہیں، انہیں غور سے پڑھیں۔

☆ اسکول کی فیس :۔ سلیم کے والد بمشکل محنت مزدوری کر کے فیس جمع کرتے تھے۔ ایک دن اسکول کے کلرک نے غلطی سے اسے دو بار فیس جمع ہونے کی رسید دے دی۔ سلیم کے پاس فیس کا ایک اضافی مہینہ مفت ہو سکتا تھا، لیکن اس نے فوراً پرنسپل کو اطلاع دی۔ پرنسپل نے کہا: "بیٹا! تم نے چھوٹے میں بڑی امانت داری دکھائی، یہی تمہیں بڑا انسان بنائے گی۔"

☆ راستے کی گھڑی :۔ منصور کو اسکول جاتے ہوئے ایک قیمتی گھڑی ملی۔ وہ چاہتا تو بیچ کر کتابیں خرید سکتا تھا، بازار میں وہ پیسے اڑا سکتا تھا، مگر اس نے اسکول کے دفتر میں جمع کرا دی۔ دو دن بعد ایک استاد نے آ کر کہا: "یہ میری گھڑی تھی، تم نے مجھے ایمان داری کا بہترین سبق دے دیا۔" استاد کے جواب سے منصور کا دل فخر سے بھر گیا۔

☆ بیمار دوست کا قرض :۔ کامران کا دوست بیمار ہو گیا اور اپنا چھوٹا سا بیگ اس کے پاس

امانت رکھوا گیا۔ کچھ دن بعد کامران کو پتا چلا کہ بیگ میں بہت بڑی رقم ہے۔اسی درمیان اس کے بیمار دوست کا انتقال ہو گیا۔ بیمار دوست کی وفات کے بعد سب نے کہا: "یہ اب تمہارا ہے۔"لیکن کامران نے اس رقم کو دوست کے وارثوں کے حوالے کر دیا۔ اس کے ضمیر کو سکون ملا کہ اس نے اپنی دوستی کو امانت داری سے نبھایا۔

☆ امتحان کا پرچہ :- امتحان سے ایک دن پہلے علی کو سوالنامہ مل گیا۔ وہ چاہتا تو آسانی سے اعلیٰ نمبر لے سکتا تھا، مگر اس نے پرچہ اسکول کے پرنسپل کو دے دیا۔ نتیجے میں پرچہ بدلا گیا، اور علی نے محنت سے کامیابی حاصل کی۔ اس کی عزت اور اعتماد سب کے دل میں بڑھ گیا۔

☆ گاڑی کا نقصان:- احمد نے بازار میں غلطی سے ایک کھڑی گاڑی کو ٹکر مار دی۔ ارد گرد کوئی گواہ نہ تھا۔ وہ چاہتا تو خاموشی سے نکل سکتا تھا، مگر اس نے کاغذ پر اپنا نمبر لکھ کر گاڑی کے شیشے پر رکھ دیا۔ مالک نے بعد میں فون کر کے شکریہ ادا کیا اور کہا:- "تمہاری امانت داری نے میرا یقین بحال کر دیا۔"

☆ انعام کا انکار:- زینب کو ایک قیمتی ہار ملا، دو دن بعد معلوم ہواکہ ہار محلے کی ایک خاتون کا تھا۔ اس نے فوراً وہ ہار اسے واپس کر دیا۔ خاتون نے انعام دینے کی کوشش کی، مگر زینب نے کہا: "انعام اللہ سے چاہتی ہوں، انسان سے نہیں۔" یہ بات سن کر خاتون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ہوم ورک:- ایسی ہی دو چھوٹی کہانیاں آپ بھی لکھیں جو نصیحت آمیز ہوں۔

بال جبرئیل (وہی میری کم نصیبی)

وہی میری کم نصیبی ، وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے ، یہ مکاں کہ لامکاں ہے؟
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوزو ساز رومی ، کبھی پیچ و تاب رازی

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے؟ رہ و رسم شاہ بازی

نہ زباں کوئی غزل کی ، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دلکشا صدا ہو ، عجمی ہو یا کہ تازی

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی ، وہ نگہ کی تیغ بازی

کوئی کارواں سے ٹوٹا ، کوئی بدگماں حرم سے
کہ میر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

تشریح: یہ نظم علامہ محمد اقبالؒ کی فکری شاعری کا ایک جامع نمونہ ہے جس میں انسان، خدا، خودی، عشق، عقل اور امتِ مسلمہ کے زوال جیسے بڑے موضوعات سمٹ آئے ہیں۔ پہلے حصے میں شاعر اپنی کم نصیبی اور محبوبِ حقیقی (خدا) کی بے نیازی کا شکوہ کرتا ہے، مگر یہ شکوہ دراصل انسان کی اپنی کمزوری کی طرف اشارہ ہے۔علامہ اقبالؒ واضح کرتے ہیں کہ انسان محدود (مکاں) میں ہے جب کہ خدا لامحدود (لامکاں) ہے، اور یہ پوری کائنات اسی کی تخلیقی قدرت کا مظہر ہے۔ انسان اگر اپنی حیثیت کو پہچان لے تو اس کا شکوہ اس کے شکر میں بدل سکتا ہے، مگر غفلت اسے احساسِ محرومی میں مبتلا رکھتی ہے۔

نظم کے درمیانی حصے میں اقبال اپنی فکری زندگی کی کشمکش بیان کرتے ہیں جو عشق اور عقل کے درمیان جاری رہی۔ مولانا رومیؒ عشق، سوز اور روحانی جذبے کی علامت ہیں جب کہ امام رازیؒ عقل، منطق اور فلسفے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اقبالؒ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ محض عقل انسان کو منزل تک نہیں پہنچا سکتی، اس کے لیے عشق کی حرارت بھی ضروری ہے۔ اسی تناظر میں شاہین کی مثال دی گئی ہے جو اگر کرگسوں میں پل جائے تو اپنی اصل فطرت، آزادی اور بلندی کو بھول جاتا ہے۔ یہ دراصل مسلمانوں پر طنز ہے جو غلامی اور نقالی میں اپنی عظمت اور خودی سے غافل ہو چکے ہیں۔

نظم کے آخری حصے میں علامہ اقبالؒ فقر و سلطنت، زبان و بیان اور قیادت کے موضوعات کو سمیٹتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل فرق ظاہری طاقت یا عہدے میں نہیں بلکہ باطنی قوت میں ہے؛ ایک تلوار سے جنگ کرتا ہے اور دوسرا اپنی نگاہ، کردار اور یقین سے۔ شاعر کے نزدیک اصل قدر دل کی سچی آواز کی ہے، چاہے وہ کسی بھی زبان میں ہو۔ آخر میں امت کے انتشار اور نااہل قیادت پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ جب رہنما میں دل نوازی اور خلوص نہ ہو تو قافلہ بکھر جاتا ہے۔ یوں یہ نظم مجموعی طور پر خودی کی بیداری، صحیح رہنمائی اور روحانی قوت کی ضرورت پر ایک گہرا اور جامع پیغام دیتی ہے۔

مشق اور سوالات:

(الف) درج ذیل الفاظ ومعانی کو یادکرلیں۔

الفاظ	معانی
کم نصیبی	بدقسمتی
بے نیازی	لاپرواہی، بے توجہی
نوازی	عطا کرنا، بخشش
مکاں	جگہ، دنیا
لامکاں	بے جگہ، خدا کی دنیا (ماورائی)
کرشمہ سازی	حیرت انگیز تخلیق
کشمکش	جدوجہد، تکرار
سوز و ساز	محبت کی تڑپ اور ہم آہنگی
پیچ و تاب	الجھن، پیچیدگی
رومی	مولانا جلال الدین رومیؒ
رازی	امام فخرالدین رازیؒ
فریب خوردہ	دھوکہ کھایا ہوا
شاہیں	عقاب (بلند ہمتی کی علامت)
کرگس	گدھ (کم ہمتی کی علامت)
رہ و رسم شاہبازی	شاہین جیسا طرزِ زندگی
غزل کی زباں	شاعرانہ زبان
دلکشا	دل کو لبھانے والی
عجمی	غیر عربی
تازی	عربی
تیغ بازی	تلوار چلانے کا ہنر

نگہ	نظر
بدگماں	بدظن
حرم	مقدس جگہ
خوئے دل نوازی	محبت و شفقت کی عادت

(ب) درج ذیل سوالات کا مختصر جواب دیں۔

سوال نمبر ا: نظم میں شاعر کس کم نصیبی اور بے نیازی کا ذکر کرتا ہے؟
سوال نمبر ۲: "مکاں" اور "لامکاں" سے شاعر کیا مراد لیتا ہے؟
سوال نمبر ۳: رومی اور رازی کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟
سوال نمبر ۴: "فریب خوردہ شاہیں" سے شاعر کیا پیغام دیتا ہے؟
سوال نمبر ۵: شاہیں اور کرگس کی مثال کیوں دی گئی ہے؟
سوال نمبر ۶: شاعر زبان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟
سوال نمبر ۷: فقر اور سلطنت میں کیا فرق بیان کیا گیا ہے؟
سوال نمبر ۸: آخری شعر میں شاعر کس خامی کی طرف اشارہ کرتا ہے؟

(ج) نظم کی خوبیاں

ا۔ علامت نگاری اس نظم میں شاہیں، کرگس، مکاں اور لامکاں جیسی علامتیں استعمال کی گئی ہیں جو بلند ہمتی، پستی اور روحانی بلندی کی نمائندگی کرتی ہیں۔

۲۔ فکری گہرائی نظم میں خودی، عقل و عشق، فقر و سلطنت جیسے گہرے فلسفیانہ خیالات نہایت مؤثر انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔ سادہ مگر پراثر زبان نظم کی زبان سادہ، بامحاورہ اور دل کو متاثر کرنے والی ہے جس سے خیال کی ترسیل آسان ہو جاتی ہے۔

مرد مسلمان (ضرب کلیم)

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہم سایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں، وہ طوفان
فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن
بنتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

(علامہ اقبال)

مردِ مسلمان (ضربِ کلیم)

تشریح: نظم میں اقبال نے مؤمن کی شان، کردار اور اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔مؤمن چار عناصر (قہاری، غفاری، قدوسی، جبروت) کا حامل ہوتا ہے جو اس کی شناخت اور طاقت کو ظاہر کرتے ہیں۔شاعر مؤمن کو قدرت اور فطرت کے مظاہر کے ساتھ جوڑ کر دکھاتا ہے، تاکہ یہ واضح ہو کہ مؤمن کا اثر ہر جگہ محسوس ہوتا ہے۔مصرعے "قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن" سے مراد ہے کہ مؤمن کی زندگی حقیقت میں علم اوراس کا اخلاق قرآن کے مطابق ہوتا ہے۔اختتامی مصرعے میں شاعر طلبہ کو یہ سبق دیتا ہے کہ ہر انسان کو اپنے مقدر اور صلاحیتوں کو پہچاننا چاہیے اور اپنی فطری قوتوں کو بروئے کار لانا چاہیے۔

مشق اور سوالات:

(الف) درج ذیل الفاظ ومعانی کو یادکرلیں۔

الفاظ	**معانی**
برہان	دلیل، ثبوت یا واضح نشان
قہاری	طاقت ور، سخت گیر، قادر مطلق
غفاری	بخشنے والا، رحم کرنے والا
قدوسی	پاک، روحانی صفات والا
جبروت	طاقت، اقتدار، اللہ کی عظمت کی ایک صفت
ہمسایۂ جبریل	اللہ کے فرشتے جبریل کا پڑوسی، یعنی مومن کی فضیلت
بندۂ خاکی	مٹی کا بنا ہوا انسان
بخارا / بدخشان	تاریخی علاقوں کے نام (بخارا وسطی ایشیا میں اور بدخشان افغانستان میں)
قاری	قرآن پڑھنے والا یا جس پر قرآن کی صفات ظاہر ہوں
جگرِ لالہ	دل یا دل کی گہرائی (شاعرانہ تعبیر)

مرد مسلمان (ضرب کلیم)

شبنم	صبح کی ٹھنڈی بوند، سکون اور تازگی کی علامت
دریاؤں کے دل	دریا کے پانی کی شدت یا گہرائی، شاعر نے اثر کی طاقت ظاہر کرنے کے لیے کہا
سرودِ ازلی	ازلی یا قدیم موسیقی یا نغمہ، قدرت کی مستقل ہم آہنگی
یکتا صفت	منفرد خصوصیت
کارگہ فکر	ذہنی محنت یا تخلیقی کام کا مرکز، دماغ کا فکری کارخانہ
انجم	ستارے، کائنات کے روشن اجسام
مقدر کے ستارے	نصیب یا قسمت کے فیصلے اور مواقع

(ب) درج ذیل سوالات کا مختصر جواب دیں۔

ا۔ نظم کا عنوان کیا ہے اور یہ کس موضوع پر ہے؟

۲۔ مصرعے "ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن" میں شاعر نے مومن کی کون سی صفت بیان کی ہے؟

۳۔ نظم میں چار عناصر کا ذکر ہے جو مومن کی شناخت بناتے ہیں، وہ کون کون سے ہیں؟

۴۔ مصرعے "دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان" سے شاعر کا کیا مقصد ہے؟

(ج) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے نشان بھی لگائیں:۔ (☑ / ☒)

ا۔ شاعر کے مطابق مومن کی شخصیت صرف ظاہر میں قرآن کی مانند ہے۔

۲۔ نظم میں مومن کے کردار کو قدرت کے مقاصد سے جوڑا گیا ہے۔

۳۔ "جس سے ہو جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم" شاعر نے مومن کے اثرات کی مثال دی ہے۔

۴۔ نظم میں مومن کی خصوصیات کو صرف روحانی پہلو سے بیان کیا گیا ہے۔

۵. شاعر کے مطابق مومن کی ذات قدرت کے ہنگاموں اور دنیا کے تقاضوں میں بھی برابر کی اہمیت رکھتی ہے۔

(د)درج ذیل سوالات کی وضاحت کریں۔

۱. نظم کے ابتدائی مصرعے میں مومن کی شان اور آن کو کیسے بیان کیا گیا ہے؟
۲. شاعر نے مومن کو چار عناصر سے جوڑا ہے۔ ان عناصر کی وضاحت کریں۔
۳. مصرعے "قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن" کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کریں۔
۴. شاعر نے فطرت کے مظاہر اور مومن کے اثرات کو کیسے جوڑا ہے؟
۵. نظم کے آخری مصرعے "لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان" سے کیا سبق ملتاہے؟

سبق نمبر ۵

حضرت محمد ﷺ کی خصوصیات

انسانی تاریخ میں متعدد نامور اور عبقری شخصیات گزری ہیں۔ ان میں کوئی فلسفی اور استاذ رہا، کوئی فاتح اور شہنشاہ، کوئی مفکر اور اسکالر تو کوئی مصلح اور مبلغ۔ لیکن ان بڑے اور نامور لوگوں میں بہت ہی محترم اور معزز نام ہے انبیائے کرام علیہم السلام کا جنہوں نے اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم کے سامنے دین حق کو پیش کیا۔ ان میں آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا نام سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔اگر کائنات کی ساری ہستیوں کو یکجا کیا جائے تو بھی وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر سکتیں جو اللہ کے آخری رسول، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ کی ذات ایک ایسی کامل و جامع شخصیت ہے جس میں علم بھی ہے اور عمل بھی، قیادت بھی ہے اور بندگی بھی، عدل بھی ہے اور رحمت بھی۔اخلاق بھی اور شجاعت بھی۔ آپ ﷺ کی سیرت ہر دور اور ہر طبقۂ انسانی کے لیے ایک زندہ اور ابدی مثال ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: "اور آپ ﷺ یقینا اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔" (القلم: ۴)

اس سبق میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی چند نمایاں خصوصیات پر مدلل اور

جامع روشنی ڈالی گئی ہے۔

ا۔ اُمّی ہونے کے باوجود سرچشمۂ علم:

رسول اکرم ﷺ کا بچپن مکہ میں گزرا ہے جہاں اس وقت تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ آپ ﷺ کو کسی مکتب، مدرسہ، مسجد، خانقاہ یا اسکول نہیں گئے اور نہ ہی کسی استاد یا معلم کے پاس گئے۔ گھر یا خاندان میں بھی کسی بزرگ یا جانکار سے پڑھنے لکھنے کا امکان نہ تھا ،اس لیے کہ پورے مکہ میں خواندہ اشخاص ناپید تھے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے آپ ﷺ کو "النبی الُامی" کہا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے انسانیت کو ایسی اعلیٰ تعلیم دی اور ساتھ ہی ایسی جامع اور عملی رہ نمائی کی کہ عرب کا ایک جاہل ترین، گنوار اور اجڈ معاشرہ دنیا کی سب سے مہذب اور بااخلاق قوم بن گیا۔

قرآنِ مجید کی شکل میں مسلسل وحی کا سلسلہ جاری تھا ،آپ ﷺ کا علم بشری نہیں بلکہ ربانی تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے مسلمان علماء و دانش ور ہی نہیں بڑے بڑے مفکرین، اسکالرس اور مؤرخین آپ ﷺ کو تاریخ انسانی کا سب سے بڑا معلم اور مصلح مانتے ہیں۔

۲۔ صدق و امانت:

بعثت سے قبل ہی باشندگان مکہ اور گھر خاندان کے لوگ آپ ﷺ کو "الصادق" (سچے) اور "الامین" (امانت دار) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔جہاں آپ ﷺ پیدا ہوئے، پرورش پائی، بچپن اور جوانی گزری، جن کے گھر آنگن میں آپ جوان ہوئے ،وہ سب آپ کی صداقت اور امانت کے شاہد ہیں۔ آپ ﷺ نے تجارت میں کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا، وعدہ خلافی نہیں کی اور نہ ہی کسی کی امانت میں خیانت کی۔آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ ﷺ کے تجارتی سفر کی خبر سنی تو گواہی دی:"ہم نے آپ ﷺ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا"۔

آپ ﷺ کی صداقت و امانت کا مکہ اور اس کے گردو نواح میں خوب خوب شہرہ تھا۔ آپ ﷺ کی یہی شہرت نبوت کی تبلیغ کا سب سے مضبوط سہارا بنی۔ کیا دوست واحباب، کیا گھر

کیا باہر، سب بول پڑے جو شخص دنیا کے معاملات میں کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا گیا، وہ اللہ کے بارے میں جھوٹ کیسے بول سکتا ہے؟ اس طرح رفتہ رفتہ لوگ حلقہ ٔ ایمان میں آتے گئے۔ کفار نے بھی آپ ﷺ کے کلام کو توجھٹلایا مگر آپ ﷺ کی صداقت اور امانت پر اعتراض کی جرات نہ کر سکے۔

۳۔ پوری انسانیت کے لیے رحمت اور شفقت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ "ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (الانبیاء: ۱۰۷)۔ یہ رحمت صرف مسلمانوں کے لیے نہ تھی بلکہ مسلم، غیر مسلم ،مشرک اورمنکرین حق وملحدین، حیوانات و نباتات، پرندوں اور سمندری جانوروں حتی کہ بے جان مخلوقات اور جمادات تک کے لیے تھی۔ایک مرتبہ آپ ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک ڈھیر جلتے دیکھا تو فرمایا: "کسی کو حق نہیں کہ اللہ کی مخلوق کو آگ سے جلائے۔"ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "جو گوریا کے گھونسلے سے بچہ لے گیا ہےوہ فوراً واپس کردے، اس کی ماں کا دل دکھایا گیا ہے۔"بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکا، خواتین ،بچوں، مظلوموں اور معذوروں کو حقوق دیے، کالے گورے، آقا اور غلام، عرب وعجم کی تفریق ختم کی، قصاص اور عدل کا نظام دیا۔یہ واقعات آپ ﷺ کی ہمہ گیر رحمت کے روشن نمونے ہیں۔آپ ﷺ کی عطاکردہ شریعت میں کوئی ایک بھی تعلیم ایسی نہیں ہے جس سے دوسروں پر ناروا ظلم ہوتا ہو۔ رسول اکرم ﷺ ہمیشہ انسانیت کی بھلائی کے لیے فکر مند رہتے۔یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھتے، ان کی کفالت فرماتے۔بیواؤں کی داد رسی کرتے،غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔آپ ﷺ نے غلاموں کے حقوق کا اعلان فرمایا: "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔"آپ ﷺ نے رنگ، نسل اور نسب کے فرق کو مٹا دیا اور انسانیت کو اخوت و مساوات کا درس دیا۔

۴۔ اخلاقِ حسنہ:

آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو اخلاق کی بلندی ہے۔آپ ﷺ کی عظمت اور پوری انسانیت کے یہاں مقبولیت کا راز آپ ﷺ کے بلند ترین اخلاق اور نیک ترین سلوک

میں پنہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق مجھے بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ میں اخلاقِ حسنہ کو کامل کر دوں۔

آپ ﷺ کی سیرت میں یہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں: نرم گفتاری یعنی آپ ﷺ کبھی سخت زبان استعمال نہ کرتے۔ حلم و بردباری یعنی دشمن کی گستاخی پر بھی صبر کرتے۔ عفو و درگزر یعنی عام معافی اور قدرت کے باوجود انتقام سے احتراز، طائف والوں نے پتھر مارے مگر آپ ﷺ نے بددعا نہ دی۔ سخاوت یعنی جو کچھ ہاتھ میں ہوتا فوراً دے دیتے۔ جب نوازنے پر آتے تو تیز ہوا کی طرح خرچ کرتے اور اپنے گھر والوں کی بنیادی ضرورت کی بھی فکر نہ کرتے۔ شجاعت یعنی کسی بھی مشکل وقت پر گھبراتے نہیں بلکہ پیش قدمی کا حکم فرماتے اور قیادت کے لیے خود ہی میدان میں حاضر ہوتے۔ صرف دس سال کی مدنی زندگی میں متعدد غزوات میں سپہ سالار اعظم کا کردار پیش کیا۔ اقربا پروری، بزدلی و بے حسی، مال وزر کی محبت اور موت سے خوف، عیش و عشرت اور آرام طلبی غرض اس قسم کی تمام خصلتوں سے کوسوں دور تھے۔ آپ ﷺ انتہائی نیک سیرت اور بہت خوب صورت بھی تھے، نیز جملہ اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ علم واخلاق کی دنیا میں آپ ﷺ گویا کوہ ہمالیہ کے مکین تھے۔

۵۔ قیادت و بصیرت:

رسول اللہ ﷺ کی قیادت کی بدولت ایک پس ماندہ اور جاہل ترین قوم دنیا کی استاد بن گئی۔ مکہ کے مشکل ترین ماحول میں اہل ایمان کو محفوظ رکھنا، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا، ایام حج میں مکہ تشریف لانے والے قبائل کے سرداروں سے ملاقاتیں کرنا، شعب ابی طالب میں تین سال پوری جرأت اور حوصلہ کے ساتھ گزارنا، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کی راہیں نکالنا، یہ سب حضرت محمد ﷺ کی اعلیٰ ترین قیادت اور بصیرت کے نمونے ہیں۔ غزوۂ بدر میں آپ ﷺ نے حکمت عملی سے کم زور لشکر کو فتح دلائی۔ غزوۂ خندق میں دشمن کے مقابلے کے لیے جدید تدبیر (خندق کھودنے) کو اپنایا۔ صلح حدیبیہ میں دوراندیشی سے وقتی مصلحت قبول کر کے اسلام کی طاقت کو بڑھایا۔ بڑی تدبیروں اور مسلسل استقامت کے ذریعہ خیبر کے مضبوط قلعوں کو فتح کیا۔ غزوہ حنین میں انتہائی مشکل حالات سے اپنے جانثاروں کو محفوظ مقام تک پہنچایا۔ اور جب اموال

غنیمت تقسیم کیا گیا اور محروم ہو جانے کے سبب کچھ انصار کی دل شکنی ہوئی تو بڑی حکمت سے ان کا دل جیت لیا اور ان کے ساتھ مدینہ کو روانہ ہوئے۔ غزوہ تبوک میں ایک ماہ کی مسافت طے کر کے پیش قدمی کی اور دنیا کی سپر پاور طاقت کو حیران وششدر کر دیا۔ فتح مکہ کی کارروائی، پوری خاموشی سے مدینہ سے مکہ کے دروازے تک کا سفر اور یکبارگی مکہ میں داخلہ اور فتح کا اعلان، یہ سب آپ ﷺ کی بصیرت و حکمت کے جیتے جاگتے نمونے ہیں۔

۶۔ عفو و درگزر:

فتح مکہ کا منظر تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف میں محفوظ ہے۔ مکہ کے وہ لوگ جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو روکا، ایمان لانے والوں پر مظالم ڈھائے اور ان کو وطن بدر کیا، جنھوں نے آپ ﷺ پر ظلم کیے، آپ ﷺ کے دشمن بنے رہے، نعوذ باللہ آپ ﷺ کے قتل کا اجتماعی فیصلہ کیا اور اس کے لیے اپنی حد تک اقدام کر ڈالے، ان سب کے لیے آپ ﷺ نے اعلان کیا: جاؤ! تم سب آزاد ہو۔ یہ عفو و درگزر انسانیت کے لیے وہ سبق ہے جس کی مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کو آزاد کر دیا، خیبر والوں کو وطن چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کا موقع دیا، کئی بڑے بڑے دشمنوں کو یوں ہی چھوڑ دیا اور معاف کر دیا۔ ابوسفیان، عمیر بن وہب، ثمامہ بن اثال، عدی بن حاتم، عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر متعدد بڑے بڑے دشمنوں کو معاف کر کے ان کا دل جیت لیا۔ یہ سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم

۷۔ سادہ زندگی:

آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے حکمران تھے لیکن آپ ﷺ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ کئی کئی دن آپ ﷺ کے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ بستر کھجور کی پتیوں یا چمڑے کا ہوتا۔ سامان خورد و نوش بہت معمولی تھا۔ خوراک میں اکثر روٹی اور گوشت ایک ساتھ میسر نہ آتے۔ گھر اور ازواج مطہرات کے حجرے بہت تنگ تھے، گھر میں ضرورت کے سامان بس گنتی کے تھے۔ بیٹیاں اور ازواج مطہرات خود ہی کھانا بناتی تھیں، کپڑے دھوتی تھیں، چکی چلاتی تھیں، کپڑے، بستر اور دیگر سامان بہت کفایتی تھے اور قیمتی کپڑوں سے آپ ﷺ دور رہے۔ کبھی قیمتی

سامان کہیں سے ہدیہ ملا تو آپ ﷺ نے بھی کسی صحابی کو اسے ہدیہ ہی کردیا۔ آپ عیش وعشرت کو پسند فرماتے تو اس کے مواقع خوب تھے، لیکن نہیں، آپ ﷺ حد درجہ کفایت شعار تھے اور سادہ زندگی کو پسند فرماتے تھے۔ یہ سادگی ہمیں درس دیتی ہے کہ عزت و عظمت کا معیار دولت اور شان و شوکت نہیں بلکہ تقویٰ اور اخلاص ہے۔

۸۔ عبادت و بندگی

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ معصوم عن الخطا ہیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی اللہ کی بندگی میں گزاری ہے۔ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس امتیازی شان کو آپ ﷺ نے ہمیشہ برقرار رکھا۔ نماز بہت اطمینان سے اداکرتے، لمبی لمبی تلاوت کرتے، تلاوت کے دوران کلام الٰہی پر غور کرتے، استغفار والی آیات پر ٹھہر کر استغفار کرتے، دعا ومناجات رو رو کر کرتے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی داڑھی کے بال تر ہوجاتے، تلاوت و اذکار اور سجدے کی حالت میں دیر تک رہتے ،صبح نیند سے بیدار ہونے سے لے کر رات سونے تک ایک ایک پل کی دعاؤں اور اذکار کی آپ ﷺ پابندی کرتے۔ آپ ﷺ پر امت کی قیادت اور تبلیغ کا بوجھ تھا، مگر آپ ﷺ کی راتیں اللہ کی عبادت میں گزرتیں۔ قرآن نے فرمایا: قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا "رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو مگر تھوڑا سا۔" (المزمل: ۲)ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "دیر تک نماز میں کھڑے رہنے سے آپ ﷺ کے پاؤں سوج جاتے مگر پھر بھی آپ ﷺ عبادت میں مشغول رہتے۔" نماز کی طرح دیگر عبادات کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ رمضان کے علاوہ بکثرت نفلی روزے رکھتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع سے حج کا ایک ایک عمل بڑی وضاحت کے ساتھ صحابہ کو سکھایا اور بتایا۔ عبادات کی تفصیلات کو صاف صاف الفاظ میں بیان کیا۔ جن سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۹۔ اسوہ حسنہ اور اسوہ کاملہ :

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہم مسلمانوں کے لیے ہی نہیں پوری انسانی دنیا کے لیے اسوہ حسنہ ہے اور اسوہ کاملہ بھی۔ آپ ﷺ ہر پہلو سے دنیا کے ہر انسان اور ہرطبقہ کے لیے مکمل نمونہ ہیں۔نبی اور رسول کی حیثیت سے اللہ کے آخری پیغمبر،استاد کی حیثیت سے

بہترین معلم اور مربی، شوہر اور باپ کی حیثیت سے انتہائی شفیق و مہربان، حاکم اور سپہ سالار کی حیثیت سے عادل اور دوراندیش قائد، سماجی کارکن کی حیثیت سے بہترین مصلح اور خادم قوم وملت، معیشت کے میدان میں کامیاب تاجر اور امین۔ اسی لیے قرآن نے فرمایا: لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ "یقیناً رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔" (الاحزاب: ۲۱)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو ہم انسانوں کے لیے نمونہ ہے، عبادات اور اخلاق بھی، معاملات اور لین دین بھی، دعوت واصلاح بھی، اندرون خانہ زندگی بھی اور بیرون خانہ زندگی بھی، صلح بھی اور جنگ بھی۔

اسوہ حسنہ کا تعلق عمومی پہلو سے ہے، یعنی نبی ﷺ کی زندگی کو دیکھ کر ہر شخص اپنی زندگی میں راہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔ اسوہ کاملہ کا مطلب ہے مکمل، جامع، ہر پہلو کو سمیٹے ہوئے۔ نبی ﷺ کی زندگی صرف چند شعبوں تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہ نمائی دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت میں ایک انسان کو ہر حالت میں اور ہر کردار کے لیے عملی نمونہ ملتا ہے:

- بحیثیت نبی و داعی
- بحیثیت حاکم و قاضی
- بحیثیت شوہر و والد
- بحیثت امام اور قائد
- بحیثیت معلم ومدرس
- بحیثیت سپہ سالار و رہنما
- بحیثیت تاجر اور رفیق کار
- بحیثیت دوست، پڑوسی

اس پہلو سے آپ ﷺ کی زندگی "اسوہ کاملہ" ہے، یعنی ایک ایسا کامل اور جامع نمونہ جو کسی بھی زمانے اور کسی بھی طبقے کے انسان کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

۱۰۔ تمام نبیوں سے افضل :

ایک مشہور حدیث میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے:
"مجھے چھ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں:

ا. مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا ہے۔ یعنی چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں کہنے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔

۲. ایک مہینہ کی مسافت کے برابر تک کے دشمنوں پر میرا رعب ڈال دیا گیا ہے۔
۳. میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک (نماز کے قابل) بنا دی گئی، پس میری امت کا جو شخص جہاں نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ سکتا ہے۔
۴. میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھا۔
۵. مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔
۶. میری نبوت آخری نبوت ہے۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۳۵، صحیح مسلم، حدیث: ۵۲۱)

۱۱۔ اصلی کارنامہ :

آپ ﷺ نے انسانیت کو جاہلیت کے اندھیروں سے نکال کر توحید، ایمان اور اخلاق کی روشنی عطا کی۔ آپ ﷺ نے عرب کی منتشر اور جنگجو قوم کو ایک اُمت بنایا، ایک مشن اور نصب العین دیا، ایک واضح شریعت کا پابند بنایا،عدل و مساوات کی بنیاد رکھی، غلاموں، یتیموں اور عورتوں کے حقوق بحال کیے، اور ایک ایسی شریعت دی جو قیامت تک انسانوں کی رہ نمائی کرے گی۔ آپ ﷺ نے دین اسلام کی صورت میں انسانیت کے لیے ایک کامل ضابطۂ حیات چھوڑا، جو روحانی سکون، سماجی انصاف اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے اصلی کارنامہ کو درج ذیل الفاظ میں بھی سمجھ سکتے ہیں:

○ آپ ﷺ کا کارنامہ محض ایک قوم یا زمانے تک محدود نہیں بلکہ عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود کا جامع منصوبہ ہے، یعنی آپ ﷺ نے جو اصول پیش کیے وہ ہر دور اور ہر معاشرے کے لیے رہنما بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

○ حضرت محمد ﷺ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے "دین کو بطور نظام زندگی" پیش کیا، یعنی دینِ اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کیا جو صرف عقائد اور عبادات تک محدود نہیں بلکہ معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت، اخلاق اور قانون سمیت پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔آپ ﷺ کی سیرت اور مجموعہ ہائے حدیث میں پوری انسانی زندگی کے لیے روشن

ہدایات ہیں۔

خلاصہ: حضرت محمد ﷺ کی ذات انسانیت کے لیے سراپا رحمت، عدل، اخلاق اور علم کا سرچشمہ ہے۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ ان خصوصیات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو سکیں۔اس سبق میں رسول اکرم ﷺ کی نمایاں خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ آپ ﷺ کی شخصیت تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ آپ اُمّی ہونے کے باوجود علم و حکمت کے سرچشمہ ہیں۔ آپ کی سچائی اور امانت داری آپ کے بدترین دشمنوں پر بھی واضح تھی۔ آپ کی ذات سراپا رحمت تھی، جو صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام مخلوقات کے لیے تھی۔آپ ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ عفو و درگزر کا سلوک کر کے دنیا کو معاف کرنے کا درس دیا۔آپ کی سادہ زندگی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ حقیقی کامیابی دنیاوی سازوسامان میں نہیں بلکہ تقویٰ اور اخلاص میں ہے۔الغرض آپ کی سیرت جامع اور ہمہ گیر ہے۔ اسی لیے قرآن نے آپ کو انسانیت کے لیے کامل نمونہ قرار دیا ہے۔

مشق و سوالات:

(الف) مشکل الفاظ اور معانی:

اُمّی	:	جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہ کی ہو۔
الصادق	:	سچا
الامین	:	امانت دار۔
رحمت للعالمین	:	تمام جہانوں کے لیے رحمت۔
بصیرت	:	گہری سمجھ بوجھ۔
عفو و درگزر	:	معاف کرنا۔
تقویٰ	:	اللہ کا خوف اور پرہیزگاری۔
اسوۂ حسنہ	:	بہترین نمونہ۔

(ب) سوالات:

حضرت محمد ﷺ کی خصوصیات

۱. اخلاق حسنہ میں آپ ﷺ کی کون سی خصوصیات شامل ہیں؟

۲. قیادت و بصیرت کے حوالے سے غزوہ بدر اور خندق میں آپ ﷺ نے کس حکمت عملی کو اپنایا؟

۳. فتح مکہ میں آپ ﷺ کے عفو و درگزر کی عملی مثال کیا ہے؟

۴. آپ ﷺ کی سادہ زندگی ہمیں کون سا سبق دیتی ہے؟

۵. عبادت و بندگی میں آپ ﷺ کی کون سی خصوصیات نمایاں ہیں؟

(ج) مشق وسوالات

۱۔ درج ذیل الفاظ کے معنی لکھ کر انہیں اپنے جملوں میں استعمال کریں: بصیرت، عفو، تقویٰ، اُمّی۔

۲۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کا ترجمہ اور مفہوم بیان کریں۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ کی قیادت کے دو واقعات لکھیں۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اپنے لیے تین عملی اسباق اخذ کریں۔

(د) اردو قواعد

فصاحت کی تعریف:۔

لفظ یا کلام کا عیبوں سے پاک، صاف اور درست ہونا فصاحت کہلاتا ہے۔

یعنی الفاظ آسان، رواں، واضح، بے تکلف اور قواعد کے مطابق ہوں۔

بلاغت کی تعریف:۔

اسلوب اور اندازِ بیان کا موقع و محل کے مطابق، اثر پیدا کرنے والا ہونا بلاغت کہلاتا ہے۔

یعنی بات یہ ہو کہ سننے والے کے دل میں اتر جائے اور مطلوبہ معنی پوری طرح واضح ہو جائیں۔

فصاحت الفاظ کی خوبی ہے

بلاغت معنی کی تاثیر ہے

اس سبق سے آپ بھی فصاحت و بلاغت کی چند مثالیں لکھیں۔

آئی ٹی کی اہمیت

(جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی —— ایک داستان)

رات کا وقت تھا، ستارے آسمان پر یوں جگمگا رہے تھے جیسے کسی عظیم ڈیجیٹل بورڈ کے بٹن روشن ہوں۔ نوجوان نوید اپنے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ اچانک اس کے کمپیوٹر کی چھوٹی سی اسکرین لرز اٹھی اور وہ ایک جادوئی بستی میں جا پہنچا —— یہ بستی تھی انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بستی۔ بستی کیا تھی، یہ ایک دنیا تھی جو نہ صرف اس کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی بلکہ اس کے ذہن و دماغ کے در و بام کو بھی اپنے بس میں کرکے خود اُسے بے بس کر رہی تھی۔

ترقی کا سفر:- نوید نے دیکھا کہ یہ بستی پہلے کبھی چھوٹی تھی، جہاں صرف بڑے بڑے کمپیوٹر کے پہاڑ کھڑے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ بستی بدلتی گئی اور پوری کائنات پر محیط ہو گئی، اس نے دیکھا کہ :

- بھاری مشینیں چھوٹے لیپ ٹاپ اور مٹھیوں میں دبے موبائل میں سمٹ گئیں،
- بڑی بڑی لائبریریاں اور لاکھوں کتابیں ڈیجیٹل ڈیٹابیس میں قید ہو گئیں،
- اور لاکھوں میل کے فاصلے سمٹ کر ویڈیو کالز اور ای میلز کے ذریعے ختم ہو گئے اور پوری دنیا نگاہوں کے سامنے سمٹ گئی۔

جی ہاں! نوید کے سمجھ میں آ گئی کہ آئی ٹی (Information Technology) آج کے دور کا سب سے اہم اور تیزی سے ترقی کرنے والا شعبہ ہے۔ دنیا کے ہر میدان میں آئی ٹی کا کردار بنیادی

حیثیت اختیار کر چکا ہے، اور نئی نسل کے لیے اس کی اہمیت بڑھتی چلی گئی ہے۔آج آئی ٹی نہ صرف روزگار اور تعلیم کے نئے مواقع فراہم کرتی ہے بلکہ یہ دنیا کو ایک گلوبل ولیج (Global Village) یعنی عالمی گاؤں میں تبدیل کر چکی ہے۔ گویا آئی ٹی نے زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کر دیا ہے، چاہے وہ تعلیم ہو، صحت ہو، تجارت ہویا تفریح یا پھر حکومتی سطح کی شہری خدمات۔ نئی نسل کے لیے آئی ٹی نہ صرف ایک تعلیمی ہتھیار ہے بلکہ مستقبل میں کامیابی کی کنجی بھی ہے۔

نوید کے ذہن کے اسکرین پر یہ باتیں گردش کرنے لگیں۔پھر نوید نے ان چیزوں کو سلیقے سے اپنے ذہن میں نقش کیا اور اپنے ساتھیوں تک ان معلومات کو فراہم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو لیجیے نوید کی زبانی آئی ٹی کی یہ کہانی سنئے۔

آئی ٹی کی تعریف اور دائرہ کار:۔ آئی ٹی کیا ہے؟ نوید کی معلومات کے مطابق آئی ٹی یعنی "انفارمیشن ٹیکنالوجی" وہ شعبہ ہے جو کمپیوٹر سسٹمز، سافٹ ویئر، نیٹ ورکس، ڈیٹا اسٹوریج، مواصلات اور متعلقہ ٹیکنالوجیوں کا استعمال کر کے معلومات کو اکٹھا کرتا ہے، انہیں جمع و محفوظ کرتا ہے، منظّم کرتا ہے، اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ ارسال کرتا ہے، دوسری جگہوں سےانہی معلومات کو حاصل کرتا ہے اور ان تمام معلومات کو استعمال کرتا ہے۔

آئی ٹی کے مقاصد و کردار:۔ نوید کی معلومات کے مطابق آئی ٹی نے صنعت و حرفت، دینی و عصری معلومات، تعلیم و تدریس، بحث و تحقیق اور کار و بار کی دنیا پر قبضہ کر لیا ہے، انسانوں کے ذہن و دماغ کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے، سوچ و فکر کے زاویے کو مشینوں پر مرتکز کر دیا ہے۔انگلی کے ایک اشارے پر آپ دنیا بھر کی معلومات حاصل کر سکتے اور انہیں جمع کر سکتے ہیں، اور یہ معلومات کسی ایک شعبہ پر منحصر نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ نوید نے آئی ٹی کے کن کن شعبوں میں آپ کے لیے معلومات فراہم کی ہے۔

ا۔ تعلیم میں آئی ٹی کا کردار:۔ آئی ٹی کی بدولت تعلیمی نظام میں انقلابی تبدیلی آئی ہے۔ آن لائن کلاسز، لیکچرز، ای-لرننگ پلیٹ فارم، ای-لائبریریز، گوگل، یوٹیوب، آن لائن کورسز اور تعلیمی ویڈیوزکے ذریعہ طلبہ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ ان وسائل نے دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھے طالب علم کے لیے تعلیم کو آسان بنا دیا ہے، اور ڈیجیٹل لائبریریز نے دنیا کے بہترین

تعلیمی وسائل تک رسائی آسان بنا دی ہے۔ اب طلبہ گھر بیٹھے دنیا کے کسی بھی ماہر استاد سے پڑھ سکتے ہیں۔

مثال: کورونا وبا کے دوران لاکھوں طلبہ نے آن لائن ایپلی کیشنز جیسے Zoom، Google Classroom اور Microsoft Teams کے ذریعے تعلیم جاری رکھی اور گھر بیٹھے دنیا کی مختلف لائبریریوں سے استفادہ کیا۔ جس سے لاکھوں طلبہ کا وقت ضائع ہونے سے بچ گیا۔

۲۔ روزگار کے مواقع:۔ آئی ٹی کے میدان میں مہارت رکھنے والے نوجوان عالمی منڈی میں اپنی خدمات فراہم کر سکتے ہیں۔ فری لانسنگ، سافٹ ویئر ڈویلپمنٹ، ویب ڈیزائننگ، اور ڈیجیٹل مارکیٹنگ جیسے شعبے روزگار کے وسیع مواقع پیدا کر رہے ہیں۔

مثال: نیپال اور دیگر ممالک کے ہزاروں نوجوان Fiverr اور Upwork جیسے پلیٹ فارمز پر کام کر کے روز گار حاصل کر رہے اور اس کے ذریعہ اچھی آمدنی حاصل کر رہے ہیں۔ اس شعبے میں مہارت رکھنے والے نوجوان آسانی سے ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹ میں نوکری حاصل کر رہے ہیں۔ ویب ڈویلپمنٹ، گرافک ڈیزائن، ڈیجیٹل مارکیٹنگ، اور ایپ ڈویلپمنٹ جیسے شعبے نئی نسل کو باعزت پیشہ فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ ان کی معیشت کو مستحکم بنا سکتے ہیں۔

۳۔ رابطے اور مواصلات میں آسانی:۔ آئی ٹی نے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک رابطہ آسان بنا دیا ہے۔ سوشل میڈیا، ای میل، اور ویڈیو کانفرنسنگ نے رشتوں کو جوڑے رکھنے اور کاروباری روابط کو بڑھانے میں مدد دی ہے۔

مثال:۔ WhatsApp اور Messenger، Facebook کی بدولت بیرونِ ملک مقیم والدین اور بچے ہمہ وقت رابطے میں رہ سکتے ہیں۔ ملک نیپال میں جدید "جین زیڈ " نوجوانوں کا عظیم مظاہرہ(۲۳، ۲۴بھادو ۲۰۸۲ بمطابق۸، ۹ ستمبر ۲۰۲۵)، اس کے ذریعہ لاکھوں نوجوانوں کو گھنٹوں میں سڑک پر لا کھڑا کرنا اور ملک میں انقلاب برپا کر دینا، اس کی ایک زندہ مثال ہے۔

۴۔ تحقیق و اختراع:۔ آئی ٹی نے تحقیق اور نئی ایجادات کے دروازے کھول دیے ہیں۔ مختلف سافٹ ویئرز اور ڈیٹا اینالیسز ٹولز نے سائنسی و سماجی تحقیقات کو تیز اور مؤثر بنا دیا ہے۔اب لوگوں کے لیے تحقیق و ریسرچ کا کام آسان ہو گیا ہے، لاکھوں کتابیں اور مضامین تک طلبہ کی

رسائی ممکن ہو گئی ہے۔ آن لائن معروف لائبریریز، اساتذہ اور اسکالرس سے رائے لینا اور علمی معلومات حاصل کرنا ، ممکن ہو گیا ہے۔اسی طرح آئی ٹی نوجوانوں کو اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع دیتی ہے۔ یوٹیوب چینل، بلاگنگ، یا آن لائن پروجیکٹ شیئرنگ پلیٹ فارمز سے نوجوان اپنے آئیڈیاز دنیا تک پہنچاتے نظر آتے ہیں۔

مثال: مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) اور روبوٹکس میں ہونے والی ترقی آئی ٹی کی بدولت ممکن ہوئی ہےاور طلبہ و نوجوان اپنی سوچ اور اپنی فکر دور دراز تک پہنچانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

۵۔ زندگی کے معیار میں بہتری:۔ آئی ٹی نے تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ، بینکنگ، اور تفریح سمیت زندگی کے ہر شعبے کو بہتر بنایا ہے۔ آن لائن بینکنگ، ای۔ہیلتھ سروسز، اور سمارٹ ایپس نے وقت اور محنت کی بچت کر دی ہے۔

مثال:۔ اس کے ذریعہ آج حکومتی سطح کی خدمات مثلاً پاسپورٹ، شہریت کارڈ اور دیگر امور کے لیے آن لائن فارم بھرنا، آسان ہو گیا ہے، اب آپ اپنا بجلی بل، موبائل کے ذریعہ خریداری کی ادائیگی اور مختلف خدمات آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔

گویا اب نوید کی اس بستی میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے مجسمے گھومتے تھے، جو انسانوں کو سہولیات فراہم کرتے تھے۔ آسمان پر کلاؤڈ کمپیوٹنگ کے بادل تیرتے تھے، جو ہر وقت علم اور ڈیٹا کی بارش برسا سکتے تھے، اور زمین پر جدید کمپیوٹنگ کے درخت اُگے تھے، جو ہر سوال کا جواب لمحوں میں دیتے تھے۔

نوید کو سمجھ آ گئی کہ یہ ترقی صرف مشینوں کی نہیں بلکہ انسانی ذہانت کی فتح ہے، جس نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں میں بدل دیا ہے۔

طلبہ کے لیے فوائد:۔ نوید نے اب ایک بڑے اسکول کے دروازے پر قدم رکھا۔ اندر طلبہ اپنی کتابیں اورکاپیاں نہیں بلکہ ٹیبلٹس اور لیپ ٹاپس لئے ہوئے پر بیٹھے تھے۔

- کوئی آن لائن لیکچر سن رہا تھا،
- کوئی ڈیجیٹل لائبریری سے ریسرچ کر رہا تھا،

○ اور کوئی دور دراز ملک کے استاد سے ورچوئل کلاس روم میں سبق پڑھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ ایک کم عمر طالب علم بھی اپنے ہوم ورک کی تیاری میں منہمک نظر آ رہا تھا۔

نوید کو اس نئی اور مسحور کن دنیا کے اساتذہ نے بتایا کہ:۔

۱. آئی ٹی نے تعلیم کو آسان اور تیز رفتار بنا دیا ہے۔

۲. طلبہ کے لیے دنیا بھر کی معلومات تک فوری رسائی ممکن ہو گئی ہے۔

۳. آن لائن کورسز اور ای لرننگ نے دور دراز علاقوں کے بچوں کے لیے بھی علم کے دروازے کھول دیے ہیں۔

۴. جدید ایپلی کیشنز اور سافٹ ویئرز نے سائنس، ریاضی کی تعلیم اور زبانوں کو دل چسپ بنا دیا ہے۔

نوید کو یوں لگا جیسے آئی ٹی نے علم کو پر لگا دئے ہیں اور ہر طالب علم اب پرواز کر سکتا ہے۔

نقصانات اور خطرات:۔ لیکن جیسے ہر بستی میں روشنی کے ساتھ اندھیرے بھی ہوتے ہیں، ویسے ہی آئی ٹی کی بستی میں کچھ اندھیروں کے سائے بھی تھے جنھیں نوید نے دیکھا:۔

○ کچھ طلبہ پڑھائی کے بجائے سوشل میڈیا اور گیمز میں گم تھے۔

○ کچھ بچے غیر ضروری معلومات، غلط مواد اور فحش ویڈیوز میں کھو کر اپنی راہ بھول رہے تھے۔

○ آنکھوں پر مسلسل اسکرین کی روشنی ان کی صحت کو نقصان پہنچا رہی تھی اور وہ اپنا قیمتی وقت بھی برباد کر رہے تھے۔

○ سب سے بڑھ کر یہ کہ طلبہ میں یادداشت اور تخلیقی سوچ کم ہونے لگی تھی کیونکہ ہر جواب محض سرچ انجن سے مل جاتا تھا،اور غور و فکر کرنے کی اب گویا ضرورت باقی نہیں رہی۔

نوید انھی سوچوں میں غلطاں و پیچاں تھا کہ اس کے استاد نے نوید کو خبردار کیا:"بیٹا! آئی ٹی ایک تیز دھار تلوار ہے۔ اگر اسے علم، تحقیق اور ترقی کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ نعمت ہے، لیکن اس میں غوطہ زن ہو کر اگر وقت ضائع کرنے یا غلط راستوں پر لگ جانے کی کوشش کی جائے تو یہ وبال جان بھی بن سکتی ہے۔"

نوید جب واپس اپنی کرسی پر آ کر جاگا تو اس کے دل پر یہ پیغام نقش ہو چکا تھا:

- آئی ٹی نے دنیا کو ترقی کی راہوں پر ڈال دیا ہے،
- طلبہ کے لیے یہ روشنی کا چراغ ہے،
- لیکن اس چراغ کو سنبھال کر جلانا ہوگا تاکہ یہ روشنی علم کے سفر کو روشن کرے، نہ کہ آنکھوں کو چندھیا دے۔

یوں نوید نے محسوس کیا کہ جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی ایک جادوئی بستی ہے — جہاں فائدہ اور نقصان دونوں چھپے ہیں، فیصلہ انسان کے ہاتھ میں ہے۔ کیوں کہ آئی ٹی نئی نسل کے لیے کامیابی کا زینہ ہے۔ اگر نوجوان اس کا مثبت اور درست استعمال کریں تو نہ صرف وہ خود ترقی کر سکتے ہیں بلکہ اپنے ملک کے معاشی اور سائنسی مستقبل کو بھی روشن بنا سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ نئی نسل کو آئی ٹی کی تعلیم اور مہارتوں سے لیس کیا جائے تاکہ وہ جدید دنیا کے چیلنجز کا مقابلہ کر سکیں۔ جو نوجوان اس شعبے میں مہارت حاصل کریں گے، وہ نہ صرف اپنے ملک بلکہ دنیا بھر میں نمایاں مقام حاصل کر سکتے ہیں اور آنے والے وقت میں ایک مضبوط اور روشن مستقبل کے معمار بن سکتے ہیں۔

مشق وسوالات:

درج ذیل الفاظ کے معانی یاد کریں:۔

الفاظ	:	معانی
ڈیجیٹل بورڈ	:	کمپیوٹر کا اسکرین
لرزنا	:	کانپنا
خیرہ کرنا	:	حیرت میں ڈال دینا
معمار	:	بنانے والا
لیس	:	بھرا ہوا
چوندھیا دینا	:	نگاہوں کو تعجب میں ڈال دینا

آئی ٹی کی اہمیت

غوطہ زن	:	پانی کے اندر تیرنا، غور و فکر کرنا
رسائی	:	پہنچ
کلاؤڈ کمپیوٹنگ	:	جدید معلومات کا مرکز
مسحور کن	:	جادوئی طریقہ
ایج کمپیوٹنگ	:	نئی معلومات سے بھرا کمپیوٹر
اختراع	:	نئی ایجاد
عالمی منڈی	:	دنیا کا بازار
در و بام	:	دروازہ و گھر، مکمل گھر، پوری معلومات
بس میں کرنا	:	قابو میں کر لینا
وبال جان	:	زندگی کے لیے مصیبت

(ب) درج ذیل سوالات کے جواب لکھیں:

۱. نوید کو آئی ٹی کی بستی میں سب سے پہلے کیا دکھائی دیا؟

۲. کلاؤڈ کمپیوٹنگ کو افسانے میں کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟

۳. طلبہ کے لیے آئی ٹی کے تین فوائد لکھیں۔

۴. طلبہ آئی ٹی کا غلط استعمال کن دو طریقوں سے کرتے ہیں؟

۵. اس کہانی کا مرکزی پیغام کیا ہے؟

(ج) درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں:

۱. آئی ٹی کی ترقی کے مختلف مراحل کو بیان کریں۔

۲. طلبہ کی تعلیم میں آئی ٹی کے مثبت اثرات پر مضمون لکھیں۔

۳. آئی ٹی کے نقصانات کو مثالوں کے ساتھ واضح کریں۔

۴. افسانے کے مطابق آئی ٹی کو "تیز دھار تلوار" کیوں کہا گیا ہے؟
۵. آئی ٹی کی پانچ اصطلاحات لکھ کر اس کی وضاحت کریں۔

(د) مزید مشقیں

۱. طلبہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں آئی ٹی کے استعمال کے پانچ طریقے لکھیں۔
۲. ایک پیراگراف لکھیں: "اگر آئی ٹی نہ ہوتی تو آج ہماری دنیا کیسی ہوتی؟"
۳. آئی ٹی کے بارے میں ایک پوسٹر یا ڈائی گرام (نقشہ و چارٹ) تیار کریں جس میں اس کے فوائد اور نقصانات دکھائے جائیں۔

(ھ) قواعد:۔ درج ذیل الفاظ کو بغور پڑھیں:

غوطہ زن (گہرائی میں تیرنے والا/ غورو فکر کرنے والا)،خیمہ زن (خیمہ میں رہنے والا)،بد زن (بری سوچ والا)،رہ زن (راستے کا چور /اچکا)

اس طرح کسی لفظ کے آگے "زن"لگا کر مرکب بنایا جاتا ہے۔ آپ بھی ایسے پانچ مرکب بنائیں۔

(و) ادبی مشق:

درج ذیل مرکب الفاظ کو غور سے پڑھیں اور آپ بھی ایسے ہی با معنی مرکب الفاظ لکھیں:

ترقی کی کنجی، کامیابی کا زینہ، دور جدید کا بانی، مستقبل کا معمار، راہ عمل کا راہ رو، کامیابی کا راز، روز مرہ کی زندگی، نئی نسل کی تعمیر

تحقیق و اختراع:۔ آئی ٹی نے تحقیق اور نئی ایجادات کے دروازے کھول دیے ہیں۔ مختلف سافٹ ویئرز اور ڈیٹا اینالیسز ٹولز نے سائنسی و سماجی تحقیقات کو تیز اور مؤثر بنا دیا ہے۔اب لوگوں کے لیے تحقیق و ریسرچ کا کام آسان ہو گیا ہے، لاکھوں کتابیں اور مضامین تک طلبہ کی رسائی ممکن ہو گئی ہے۔ آن لائن معروف لائبریریز، اساتذہ اور اسکالرس سے رائے لینا اور علمی معلومات حاصل کرنا ، ممکن ہو گیا ہے۔اسی طرح آئی ٹی نوجوانوں کو اپنی صلاحیتوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع دیتی ہے۔ یوٹیوب چینل، بلاگنگ، یا آن لائن پروجیکٹ شیئرنگ پلیٹ فارمز سے

آئی ٹی کی اہمیت

نوجوان اپنے آئیڈیاز دنیا تک پہنچاتے نظر آتے ہیں۔

مثال: آج کی جدید دنیا میں ہونے والی ترقی آئی ٹی کی بدولت ممکن ہوئی ہے، دنیا بھر کی معلومات اب ہماری دسترس میں ہیں، طلبہ و نوجوان اپنی سوچ اور اپنی فکر دور دراز تک پہنچانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

درج بالا پیرا گراف کو بغور پڑھیں اور آئی ٹی کسے کہتے ہیں، اس کی اہمیت نیز اس سے آپ کیا کیا فائدے حاصل کر سکتے ہیں، اس پر ایک پروجیکٹ تیار کریں اور اسے پروگرام ہال میں طلبہ کو بیٹھا کر سمجھائیں۔

سبق نمبر ۷

لباس کے آداب

لباس کا مقصد زینت و آرائش اور موسمی اثرات سے حفاظت بھی ہے، لیکن اولین مقصد قابل شرم حصوں کی ستر پوشی ہے۔ اللہ نے شرم و حیا انسان کی فطرت میں پیدا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام سے جنت کا لباس فاخرہ اتر والیا گیا تو وہ جنت کے درختوں کے پتّوں سے اپنے جسم کو ڈھانپنے لگے۔ اس لیے لباس میں اس مقصد کو سب سے مقدم سمجھئے اور ایسا لباس منتخب کیجیے، جس سے ستر پوشی کا مقصد بہ خوبی پورا ہو سکے۔ ساتھ ہی اس کا بھی اہتمام رہے کہ لباس موسمی اثرات سے جسم کی حفاظت کرنے والا بھی ہو اور ایسا سلیقے کا لباس ہو، جو زینت و جمال اور تہذیب کا بھی ذریعہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اسے پہن کر آپ کوئی عجوبہ یا کھلونا بن جائیں اور لوگوں کے لیے ہنسی اور دل لگی کا موضوع مہیا ہو جائے۔

لباس پہنتے وقت یہ سوچئے کہ یہ وہ نعمت ہے، جس سے اللہ نے صرف انسان کو نوازا ہے۔ دوسری مخلوقات اس سے محروم ہیں۔ اس امتیازی بخشش و انعام پر اللہ کا شکر ادا کیجیے اور اس امتیازی انعام سے سرفراز ہو کر کبھی اللہ کی ناشکری اور نافرمانی کا عمل نہ کیجیے۔ لباس اللہ کی ایک زبر دست نشانی ہے۔ اس احساس کو تازہ کیجیے اور جذبات شکر کا اظہار اس دعا کے الفاظ میں

کیجیے، جو نبی نے مومنوں کو سکھائی ہے۔

لباس ایسا پہنیے جو شرم و حیا، غیرت و شرافت اور جسم کی ستر پوشی اور حفاظت کے تقاضوں کو پورا کرے اور جس سے تہذیب وسلیقہ اور زینت و جمال کا اظہار ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمھارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمھارے لیے زینت اور حفاظت کا ذریعہ بھی ہو۔(الاعراف: ۲۲)، ریش در اصل پرندے کے پروں کو کہتے ہیں۔ پرندوں کے پر اُن کے لیے حسن و جمال کا بھی ذریعہ ہیں اور جسم کی حفاظت کا بھی۔ عام استعمال میں ریش کا لفظ جمال وزینت اور عمدہ لباس کے لیے بولا جاتا ہے۔

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ تقویٰ کے لباس سے باطنی پاکیزگی بھی مراد ہے اور ظاہری پرہیز گاری کا لباس بھی۔ یعنی ایسا لباس پہنیے، جو شریعت کی نظر میں پرہیز گاروں کا لباس ہو، جس سے کبر و غرور کا اظہار نہ ہو، جو نہ عورتوں کے لیے مردوں سے مشابہت کا ذریعہ ہو اور نہ مردوں کے لیے عورتوں سے مشابہت کا۔ ایسا لباس پہنے، جس کو دیکھ کر محسوس ہو سکے کہ لباس پہننے والا کوئی خدا ترس اور بھلا انسان ہے ۔ عورتیں لباس میں اُن حدود کا لحاظ کریں، جو شریعت نے اُن کے لیے مقرر کی ہیں اور مرد اُن حدود کا لحاظ کریں، جو شریعت نے اُن کے لیے مقرر کی ہیں۔

نیا لباس پہنیں تو کپڑے کا نام لے کر خوشی کا اظہار کیجیے کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے یہ کپڑا عنایت فرمایا۔ اور شکر کے جذبات سے سرشار ہو کر نیا لباس پہننے کی وہ دعا پڑھیے، جو نبی ﷺ پڑھا کرتے تھے۔حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا، عمامہ، کرتا یاچادر پہنتے تو اس کا نام لے کر فرماتے:اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنتَ كَسَوْتَنِيْهِ، اَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَ خَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ. (ابوداؤد) " اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے یہ لباس پہنایا۔ میں تجھ سے اس کے خیر کا خواہاں ہوں اور میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں، اس لباس کی برائی سے اور اس کے اس برے پہلو سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔"

دعا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرا بخشا ہوا لباس انھی مقاصد

کے لیے استعمال کروں، جو تیرے نزدیک پاکیز ہ مقاصد ہیں۔ مجھے توفیق دے کہ میں اس سےاپنی ستر پوشی کر سکوں اور بے شرمی، بے حیائی کی باتوں سے اپنے ظاہر و باطن کو محفوظ رکھ سکوں اور شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے میں اس کے ذریعے اپنے جسم کی حفاظت کر سکوں اور اس کو زینت و جمال کا ذریعہ بناسکوں، کپڑے پہن کر نہ تو دوسروں پر اپنی بڑائی جتاؤں، نہ غرور اور تکبر کروں اور نہ اس نعمت کو استعمال کرنے میں شریعت کی ان حدود کو توڑوں، جو تو نے اپنے بندوں اور بندیوں کے لیے مقرر فرمائی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو نئے کپڑے پہنے، اگر وہ گنجائش رکھتا ہوتو اپنے پرانے کپڑے کسی غریب کوخیرات میں دے دےاور نئے کپڑے پہنتے وقت یہ دعا پڑھے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَ أَتَجَمَّلُ بِهِ في حياتي۔ساری تعریف اور حمد اس اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے یہ کپڑے پہنائے، جس سے میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں اور جو اس زندگی میں میرے لیے حسن و جمال کا بھی ذریعہ ہے۔"جو شخص بھی نیا لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اپنی حفاظت اور نگرانی میں رکھے گا۔(ترمذی)

کپڑے پہنتے وقت سیدھی جانب کا خیال رکھیے، کرتا، شیروانی، شرٹ اور کوٹ وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھی آستین اور اسی طرح پانجامہ وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھے پائینچہ میں پیر ڈالیے۔ نبی اکرمﷺ جب قمیص پہنتے تو پہلے سیدھا ہاتھ سیدھی آستین میں ڈالتے اور پھر الٹا ہاتھ الٹی آستین میں ڈالتے۔ اسی طرح جب آپﷺ جوتا پہنتے تو پہلے دایاں پاؤں دائیں جوتے میں ڈالتے پھر بایاں پاؤں بائیں جوتے میں ڈالتے اور جوتا اتارتے وقت پہلے الٹا پاؤں جوتے سے نکالتے پھر سیدھا پاؤں نکالتے۔

کپڑے پہننے سے پہلے ضرور جھاڑ لیجیے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی موذی جانور ہو اور خدانخواستہ کوئی ایذا پہنچائے۔ نبی ﷺ ایک بار کسی جنگل میں اپنے موزے پہن رہے تھے۔پہلا موز ہ پہننے کے بعد جب آپﷺ نے دوسرا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا تو ایک کوّا جھپٹا اور وہ موزہ اٹھا کر اڑ گیا اور کافی او پر لے جا کر اسے چھوڑ دیا۔ موزہ جب اونچائی سے نیچے گرا تو گرنے کی

چوٹ سے اس میں سے ایک سانپ دور جا پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ارشاد فرمایا: ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔(طبرانی)

لباس سفید پہنئے، سفید لباس مردوں کے لیے پسندیدہ ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ سفید کپڑے پہنا کرو۔ یہ بہترین لباس ہے۔ سفید کپڑا ہی زندگی میں پہننا چاہیے اور سفید ہی کپڑے میں مُردوں کو دفن کرنا چاہیے۔(ترمذی)

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ سفید لباس پہنا کرتے تھے یعنی آپ ﷺ نے خود بھی سفیدلباس پسند کیا اور امت کے مردوں کو بھی اس کے پہننے کی ترغیب دی۔

پائجامہ اور لنگی وغیرہ کو ٹخنوں سے اونچا رکھیے۔ جولوگ غرور و تکبر میں اپنا پائجامہ اور لنگی وغیرہ لٹکا لیتے ہیں، نبی ﷺ کی نظر میں وہ نا کام اور نامراد لوگ ہیں اور سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو اُن سے بات کرے گا نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک وصاف کر کے جنت میں داخل کرے گا بلکہ اُن کو انتہائی درد ناک عذاب دے گا، حضرت ابوذر غفاریؓ نے پوچھا کہ اے رسول اللہ ! (ﷺ) یہ نا کام و نامراد لوگ کون ہیں؟ ارشاد فرمایا:ایک وہ جو غرور اور تکبر میں اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکا تا ہے۔دوسرا وہ شخص جو احسان جتاتا ہے۔اور تیسرا وہ شخص ہے، جو جھوٹی قسموں کے سہارے اپنی تجارت کو چمکانا چاہتا ہے۔(مسلم)

حضرت سعید بن خالدؓ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ میں ایک بار مدینہ منورہ میں جارہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے یہ کہتے سنا کہ اپنا تہبند او پر اٹھا لو کہ اس سے آدمی ظاہری نجاست سے بھی محفوظ رہتا ہے اور باطنی نجاست سے بھی۔ میں نے گردن پھیر کر جو دیکھا تو نبی کریم ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ ! یہ تو ایک معمولی سی چادر ہے۔ بھلا اس میں کیا کبر اور غرور ہوسکتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشادفرمایا: کیا تمھارے لیے میری اتباع ضروری نہیں ہے۔ میں نے نبی ﷺ کے الفاظ سنے تو فوراً میری نگاہ آپ ﷺ کے تہبند پر پڑی، میں نے دیکھا کہ آپ کا تہبند نصف پنڈلی تک اونچا ہے۔

لباس کے آداب

نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ ٹخنوں سے اونچا پانجامہ اور لنگی وغیرہ رکھنے سے آدمی ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نجاستوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ بڑا ہی معنی خیز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کپڑا نیچے لٹکے گا تو راستے کی گندگی سے میلا اور خراب ہوگا۔ پاک صاف نہ رہ سکے گا۔ اور یہ بات ذوق طہارت و نظافت پر نہایت گراں ہے۔ پھر ایسا کرنا کبروغرور کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبر و غرور باطنی گندگی ہے اور اگر یہ مصلحتیں نہ بھی ہوں تو مؤمن کے لیے تو یہ فرمان ہی سب کچھ ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)

ابو داؤد کی حدیث میں تو آپ نے اس کی بڑی لرزہ خیز سزا بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کا تہمد آدھی پنڈلی تک ہونا چاہیے اور اس کے نیچے ٹخنوں تک ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن تہمد کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہے وہ آگ میں جلے گا۔ اور جو شخص غرور اور گھمنڈ میں اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکائے گا، قیامت کے دن اللہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔

ریشمی کپڑا نہ پہنئے، یہ عورتوں کا لباس ہے اور نبی ﷺ نے مردوں کو عورتوں کا سا لباس پہننے اور ان کی سی شکل وصورت بنانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:ریشمی لباس نہ پہنو کہ جو اس کو دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں اِس کو نہ پہن سکے گا۔(بخاری، مسلم)

ایک بار نبی ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا :اس ریشمی کپڑے کو پھاڑ کر اور اس کے دوپٹے بنا کر ان کو خواتین میں تقسیم کر دو۔" (مسلم)۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین کے لیے ریشمی کپڑا پہننا پسندیدہ ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ خواتین کے دوپٹے بنا دو،ور نہ کپڑا تو دوسرے کاموں میں بھی آسکتا ہے۔

عورتیں ایسے باریک کپڑے نہ پہنیں، جس سے بدن جھلکے اور نہ ایسا چست لباس پہنیں، جس سے بدن کی ساخت اور زیادہ پرکشش ہو کر نمایاں ہو اور وہ کپڑے پہن کر بھی ننگی نظر آئیں۔ نبی ﷺ نے ایسی آبرو باختہ عورتوں کو عبرت ناک انجام کی خبر دی ہے۔

وہ عورتیں بھی جہنمی ہیں، جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں، دوسروں کو رجھاتی ہیں

اور خود دوسروں پر بری نظر رکھتی ہیں۔ ان کے سر اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ٹیڑھے ہیں، وہ عورتیں نہ جنت میں جائیں گی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی، درآں حالاں کہ جنت کی خوشبو بہت دور سے آتی ہے۔(ریاض الصالحین)

ایک بار حضرت اسماء باریک کپڑے پہنے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔وہ سامنے آئیں تو آپ ﷺ نے فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا: اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ منھ اور ہاتھ کے علاوہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔

تہمد اور پائجامہ وغیرہ پہننے کے بعد بھی ایسے انداز سے لیٹنے اور بیٹھنے سے بچیں جس میں بدن کھل جانے یا نمایاں ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ ایک جوتا پہن کر نہ چلا کرو۔ اور تہبند میں ایک زانو اٹھا کر اکڑوں نہ بیٹھو اور بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ اور چادر پورے بدن پر اس انداز سے نہ لپیٹو کہ کام کاج کرنے یا نماز وغیرہ پڑھنے میں ہاتھ نہ نکل سکیں اور نہ چت لیٹ کر ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھو کہ اس طرح بھی ستر پوشی میں بے احتیاطی کا اندیشہ ہے۔

لباس میں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کا سا رنگ ڈھنگ نہ اختیار کریں۔نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے، جو عورتوں کا سا رنگ ڈھنگ اختیار کریں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے، جو مردوں کا سارنگ ڈھنگ اختیار کریں۔(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے، جو عورتوں کا سالباس پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا سالباس پہنے۔ (ابوداؤد)

ایک بار حضرت عائشہؓ سے کسی نے ذکر کیا کہ ایک عورت ہے، جو مردوں کے سے جوتے پہنتی ہے تو انھوں نے فرمایا " رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، جو مرد بننے کی کوشش کرتی ہیں"۔

خواتین دوپٹہ اوڑھے رہنے کا اہتمام رکھیں اور اس سے اپنے سر اور سینے کو چھپائے رکھیں۔ دوپٹہ ایسا باریک نہ اوڑھیں جس سے سر کے بال نظر آئیں۔ دوپٹے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس سے زینت کو چھپایا جائے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔: اپنے سینوں پر اپنے

دوپٹوں کے آنچل ڈالے رہیں۔(النور:۳۱)

ایک بار نبی ﷺ کے پاس مصر کی بنی ہوئی باریک ململ آئی۔ آپ نے اس میں سے کچھ حصہ پھاڑ کر دحیہ کلبیؓ کو دیا اور فرمایا اس میں سے ایک حصہ پھاڑ کر تم اپنا کرتا بنا لو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دو پٹہ بنانے کے لیے دے دو۔ مگر ان سے کہہ دینا کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگالیں تاکہ جسم کی ساخت اندر سے نہ جھلکے۔(ابوداؤد)

کتاب وسنت کی اس صریح ہدایت کو پیش نظر رکھ کر احکام الٰہی کے مقصد کو پورا کیجیے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کے دوپٹے بنائے۔(ابوداؤد)

لباس ہمیشہ اپنی وسعت اور حیثیت کے مطابق پہنئے۔ نہ ایسا لباس، جس سے فخر و نمائش کا اظہار ہو اور آپ دوسروں کو حقیر سمجھ کر اترائیں اور اپنی دولت مندی کی بے جا نمائش کریں اور نہ ایسا لباس پہنیے، جو آپ کی وسعت سے زیادہ قیمتی ہو اور آپ فضول خرچی کے گناہ میں مبتلا ہوں اور نہ ایسے شکستہ حال بنے رہیں کہ ہر وقت آپ کی صورت سوالی بنی رہے اور سب کچھ ہونے کے باوجود آپ محروم نظر آئیں۔ بلکہ ہمیشہ اپنی وسعت و حیثیت کے لحاظ سے موزوں، با سلیقہ اور صاف ستھرے کپڑے پہنیے۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کہا ،اے رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میرا الباس نہایت عمدہ ہو۔ سر میں تیل لگا ہوا ہو۔ جوتے بھی نفیس ہوں، اسی طرح اس نے بہت سی چیزوں کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ اس نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ میرا کوڑا بھی نہایت عمدہ ہو۔ نبی کریم ﷺ اس کی گفتگو سنتے رہے پھر فرمایا: یہ ساری ہی باتیں پسندیدہ ہیں اور اللہ اس لطیف ذوق کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔(مستدرک حاکم)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔اے رسول اللہ! کیا یہ تکبر و غرور ہے کہ میں نفیس اور عمدہ کپڑے پہنوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں،بلکہ یہ تو خوب صورتی ہے اور اللہ اس خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے۔(ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا " نماز میں دونوں کپڑے پہن لیا کرو (یعنی پورے لباس سے آراستہ ہو جایا کرو) اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کے حضور میں آدمی اچھی طرح بن سنور کر جائے۔ (مشکوۃ)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے عمدہ ہوں، اس کے جوتے عمدہ ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا " اللہ خود صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے (یعنی عمدہ اور نفیس پہنناواغرور نہیں ہے) غرور تو دراصل یہ ہے کہ آدمی حق سے بے نیازی برتے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھے۔(مسلم)

پہننے اوڑھنے اور بناؤ سنگار کرنے میں بھی ذوق اور سلیقے کا پورا پورا خیال رکھیے۔ گریبان کھولے کھولے پھرنا، اُلٹے سیدھے بٹن لگانا۔ ایک پائینچے چڑھانا اور ایک نیچا رکھنا۔ اور ایک جوتا پہنے پہنے چلنا یا اُلجھے ہوئے بال رکھنا، یہ سب ہی باتیں ذوق اور سلیقے کے خلاف ہیں۔

ایک دن نبی ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں ایک شخص مسجد میں آیا، جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جا کر اپنے سر کے بال اور داڑھی کو سنوارو۔ چناں چہ وہ شخص گیا اور بالوں کو بنا سنوار کر آیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا " کیا یہ زینت و آرائش اس سے بہتر نہیں ہے کہ آدمی کے بال الجھے ہوئے ہوں اور ایسا معلوم ہو کہ گویا وہ شیطان ہے۔"
(مشکوۃ)

ہمیشہ سادہ، باوقار اور مہذب لباس پہنئے اور لباس پر ہمیشہ اعتدال کے ساتھ خرچ کیجیے۔ لباس میں عیش پسندی اور ضرورت سے زیادہ نزاکت سے پرہیز کیجیے۔ نبی ﷺ کاارشاد ہے: عیش پسندی سے دور رہو، اس لیے کہ اللہ کے پیارے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔"(مشکوۃ)

اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے ان ناداروں کو بھی پہنایئے، جن کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے کچھ نہ ہو۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:" جو شخص کسی مسلمان کو کپڑے پہنا کر اس کی تن پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جنت کا سبز لباس پہنا کر اس کی تن پوشی

فرمائے گا۔(ابوداؤد) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کو کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے پہننے والے کے بدن پر رہیں گے ،پہنانے والے کو اللہ اپنی نگرانی اور حفاظت میں رکھے گا۔ (ترمذی)

اپنے ان نوکروں اور خادموں کو بھی اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس پہنائیں، جو شب و روز آپ کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔نبی ﷺ نے فرمایا :لونڈی اور غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے قبضے میں دے رکھا ہے۔ پس تم میں سے، جس کسی کے قبضہ و تصرف میں اللہ نے کسی کو دے رکھا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کو وہی کھلائے، جو وہ خود کھاتا ہے اور اسے ویسا ہی لباس پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور اس پر کام کا اتنا ہی بوجھ ڈالے، جو اس کے سہار سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہ اس کام کو نہ کر پارہا ہو تو خود اس کام میں اس کی مدد کرے۔" (بخاری، مسلم)

لباس کا اصل مقصد—جسم کی ستر پوشی، تہذیب و وقار اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنا— اکثرلوگ بھول جاتے ہیں۔ نوجوان اگر ان آداب پر عمل کریں تو وہ نہ صرف اپنے ظاہری لباس میں سادگی اور وقار پیدا کر سکتے ہیں بلکہ اس کے ذریعے اپنی شخصیت میں اخلاقی بلندی اور روحانی پاکیزگی بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ جدید دور میں فیشن اور ثقافت کے دباؤ کے باوجود، لباس کو صرف غرور، یا نمائش کے بجائے اپنی عزت و شرافت اور مذہبی شناخت کی علامت سمجھنا ضروری ہے۔

عصر حاضر میں نوجوانوں کے لیے یہ سبق عملی رہ نمائی بھی فراہم کرتا ہے کہ لباس صرف سلیقے اور ذوق کا مظہر نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور روحانی آئینہ بھی ہے۔ اگر نوجوان لباس کے انتخاب میں تقویٰ، شریعت کی حدود اور سادگی کو مدنظر رکھیں، تو وہ نہ صرف خود کو جسمانی اور اخلاقی طور پر محفوظ رکھ سکتے ہیں بلکہ معاشرے میں ایک مثبت مثال بھی قائم کر سکتے ہیں۔ نئے لباس کی خریداری میں اللہ کا شکر ادا کرنا، دوسروں کو اپنی وسعت کے مطابق اچھا لباس فراہم کرنا اور فضول نمائش سے گریز کرنا، نوجوانوں کو خود پسندی اور غرور سے بچانے کے ساتھ ساتھ ان میں انسانیت، عاجزی اور سماجی شعور پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

مشق وسوالات:

الفاظ		معانی
ستر پوشی	:	قابل شرم اعضاء کو کپڑوں سے ڈھانکنا
ریش	:	پرندے کا پر، حسن وجمال، عمدہ لباس
لباس فاخرہ	:	ایسے قیمتی کپڑے جنہیں فخر جتانے کے لیے پہنا جائے۔
عجوبہ	:	ایک دم الگ تھلگ، ایسی چیز جو سب کو عجیب لگے، باعث مذاق چیز یا کام
عمامہ	:	سر پر لگانے والی بڑی سی پگڑی
پائینچہ	:	پاجامہ کا ایک حصہ جس میں ایک پیر ڈالا جاتا ہے۔
تہبند	:	تہبند یا تہد لنگی کو کہتے ہیں۔
گراں	:	بھاری، بوجھل
مضائقہ	:	حرج، زحمت
رجھانا	:	اپنی جانب مائل کرنا
شکستہ حال	:	پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس
تن پوشی	:	بدن کو چھپانا
تصرف	:	اختیار، عمل

☆ تفہیمی سوالات

(۱) قرآن میں لباس کے کون سے دو اہم مقاصد بیان ہوئے ہیں؟

(۲) حضرت آدم اور حضرت حوّا کے لباس سے لباس کے مقاصد کی کیا وضاحت ہوتی ہے؟

(۳) لباس کے انتخاب میں تقویٰ اور شریعت کی حدود کو کس طرح مدنظر رکھنا چاہیے؟

☆ وضاحتی سوالات

(۴) سفید لباس کی اہمیت اور افادیت کو اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(۵) نبی ﷺ کے نئے لباس پہننے کے آداب اور دعا کے مفہوم کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔
(۶) کیا اسلام نے خوب صورت لباس پہننے، سرمہ اور خوشبو لگانے سے منع کیا ہے؟

☆ فنی اور تجزیاتی سوالات

(۷) سبق میں لباس کے فطری اور سماجی اثرات کو کیسے بیان کیا گیا ہے؟ چند مثالیں دیں۔
(۸) لباس کے ذریعے غرور، تکبر یا نمائش سے بچنے کے لیے کون سی ادبی اور عملی ہدایات دی گئی ہیں؟

☆ عملی مشق:

۱۔ ”ہمیشہ سادہ، باوقار اور مہذب لباس پہنیے اور لباس پر ہمیشہ اعتدال کے ساتھ خرچ کیجیے۔ لباس میں عیش پسندی اور ضرورت سے زیادہ نزاکت سے پرہیز کیجیے۔“ اس جملہ کی وضاحت مع مثال اپنے الفاظ میں کیجیے۔
۲۔ اس سبق کی روشنی میں مردوں اور خواتین کے پانچ پانچ ایسے کپڑوں کی نشان دہی کیجیے جن کو شریعت اسلامیہ میں منع کیا گیا ہے۔
۳۔ لباس کے آداب پر ایک چھوٹی سی تقریر یاد کیجیے اور اپنے گاؤں کی مسجد میں بعد نماز عشاء لوگوں کے سامنے پیش کیجیے۔

☆ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

مہذب لباس، تن پوشی، ستر پوشی، تصرف، پوشاک، مضحکہ خیز، گردوغبار، شکستہ حال، جسم کی ساخت، بختی اونٹ کا کوہان، ٹخنوں، لباس فاخرہ۔

ایڈز ایک مہلک بیماری

ایڈز عصرِ حاضر کی ایک خطرناک اور مہلک بیماری ہے جس نے دنیا بھر میں کروڑوں انسانوں کو متاثر کیا ہے۔ ایڈز دراصل ایچ آئی وی وائرس (HIV Virus) سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ وائرس انسان کے جسم کے اندر دفاعی نظام (Immune System) کو تباہ کر دیتا ہے، جس کے بعد جسم میں بیماریوں سے لڑنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً معمولی بیماری بھی جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔

ایڈز (AIDS) کا مطلب ہے ایکوائرڈ امیون ڈیفیشینسی سنڈروم، یعنی ایسا مرض جو انسان کے جسم کے قدرتی دفاعی نظام (امیون سسٹم) کو کم زور کر دیتا ہے۔ یہ بیماری ایک وائرس ایچ آئی وی (HIV) کے ذریعے پھیلتی ہے۔ ایچ آئی وی خون میں موجود سفید خلیوں (جو بیماریوں سے لڑتے ہیں) کو تباہ کر دیتا ہے، جس سے جسم معمولی بیماریوں سے بھی بچاؤ کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ ایڈز کا پھیلاؤ زیادہ تر غیر محفوظ اور ناجائز جنسی تعلقات، متاثرہ خون کے انتقال، نشہ آور انجکشن کے مشترکہ استعمال اور ماں سے بچے کو پیدائش کے وقت یا دودھ پلانے وجہ سے منتقل ہو سکتا ہے۔ یہ بیماری چھونے، ساتھ میں کھانے یا بات کرنے سے نہیں پھیلتی، لیکن لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ایڈز کے مریض معاشرتی امتیاز، چھوت

چھات اور نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب یہ بیماری بڑھ جاتی ہے تو مریض کو خطرناک انفیکشنز اور کینسر جیسے امراض کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

ایڈز کا پتہ کیسے لگا:۔ ۱۹۸۰ کی دہائی میں، ڈاکٹروں نے ہم جنس پرست مردوں میں غیر معمولی انفیکشن اور کینسر کے شواہد و آثار دیکھے۔ ان مردوں کو غیر معمولی نمونیا ہوا جو Pneumocystis carinii اور Kaposi جیسے کینسر کی وجہ سے ہوا۔ ان مریضوں کے جسم کے مدافعتی قوت میں شدید کمی کی وجہ سے ان کی موت ہو گئی۔ ستمبر ۱۹۸۲ میں اس حالت کو ایڈز کا نام دیا گیا۔ پھر ان کے جسم سے دفاعی قوت کی کمی کا سنڈروم حاصل کیا گیا اور تجویز پیش کی گئی کہ یہ جسم کے خلیے کی قوت مدافعت میں خرابی کا باعث بنتی ہے۔ ۱۹۸۴ میں، سائنس دانوں (Luc Montagnier اور رابرٹ گیلو)کی طرف سے انسانی امیونو وائرس کو ایڈز کی اہم وجہ کے طور پر دریافت کیا گیا تھا۔

ایڈز کے مراحل:۔ طبّی لحاظ سے، ایچ آئی وی انفیکشن ۳ مراحل سے گزرتا ہے، یعنی

۱)شدید بنیادی انفیکشن، ۲) طبّی تاخیر کا مرحلہ اور ۳) ایڈز۔

ان تمام مراحل کے دوران، فرد کی قوت مدافعت آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے، ساتھ ہی موجود مدافعتی خلیوں کی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔

جب ایچ آئی وی سے متاثرہ فرد کی قوتِ مدافعت انتہائی کم زور ہو جاتی ہے، تو اس کے جسم میں مخصوص مدافعتی خلیے جنھیں CD4 خلیات کہتے ہیں۔ ۲۰۰ خلیات ۳ (تین)ایم ایم سے کم ہوتے ہیں اور وہ ایڈز پیدا کرتے ہیں۔ ایڈز ایچ آئی وی انفیکشن کا سب سے سنگین مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں، مریض ایڈز کی علامات کا شکار ہوتا ہے جیسے شدید، جان لیوا انفیکشن، کینسر اور ایڈز کی اعصابی پیچیدگیاں۔

ایچ آئی وی انفیکشن کی تشخیص مریض کے خون میں ایچ آئی وی کے خلاف اینٹی باڈیز کی جانچ کے ذریعے کی جاتی ہے۔ چند ٹیسٹ جو وائرل DNA اور CD4 سیل کی تعداد کی موجودگی کا پتا لگاتے ہیں، ایڈز کے علاج کی رہ نمائی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے شائع کردہ اعدادوشمار کے مطابق ۲۰۱۶ کے آخر تک تقریباً ۳۶ء۷ ملین (تین کروڑ سڑسٹھ لاکھ) افراد ایچ آئی وی سے متاثر ہوئے۔ مزید برآں ایڈز سے متعلق اسباب سے ۱۶/ لاکھ اموات ہوئیں۔ اسی وجہ سے اب ایڈز کو ایک وبائی بیماری کے طور پر شمار کیا جاتا ہے۔ ایک ایسی بیماری جو تمام براعظموں میں پھیل چکی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں لوگ اس بیماری سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، یہاں تپ دق اور ایڈز سے متعلقہ پیچیدگیوں کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

ایڈز کے پھیلنے کے اسباب:۔ ایڈز درج ذیل طریقوں سے پھیل سکتا ہے:

متاثرہ شخص کے ساتھ غیر محفوظ جنسی تعلق سے۔

ایچ آئی وی سے آلودہ انجکشن یا سوئی کے استعمال سے۔

متاثرہ خون یا خون کی مصنوعات کے ذریعے سے۔

دورانِ حمل ایڈز سے متاثرہ ماں سے بچے کی پیدائش یا دودھ پلانے سے۔

علامات:۔ تحقیق یہ بتاتی ہے کہ ایڈز کی ابتدائی علامات عام نزلہ یا بخار جیسی ہو سکتی ہیں، جیسے: بخار، وزن میں کمی، تھکن، لمف گلینڈز میں سوجن، پسینہ آنا (خصوصاً رات کو)۔

علاج:۔ ایڈز کا ابھی تک مکمل علاج موجود نہیں، لیکن جدید دوائیں جیسے اینٹی ریٹرو وائرل تھراپی (ART) وائرس کی رفتار کو کم کر کے مریض کی زندگی کو کسی قدر بہتر اور طویل بنا سکتی ہیں۔البتہ درج ذیل احتیاطی اقدامات کیے جاسکتے ہیں:

- غیر محفوظ جنسی تعلقات سے پرہیز۔
- زنا و بدکاری، ہم جنس پرستی اور ناجائز جنسی تعلقات کا خاتمہ۔
- ایک ہی انجکشن یا سوئی کو دوبارہ استعمال نہ کرنا۔
- خون لگوانے سے پہلے اس کا ایچ آئی وی ٹیسٹ کروانا۔
- متاثرہ ماں کا علاج تاکہ بچے میں وائرس منتقل نہ ہو۔
- صفائی ستھرائی کا بڑے پیمانے پر نظام اور عوامی بیداری

ایڈز سے بچاؤ کے لیے سب سے اہم چیز آگاہی اور تعلیم ہے۔ نوجوانوں کو اس بارے میں درست معلومات فراہم کی جائیں تاکہ وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔ صاف ستھری اور ذمہ دارانہ زندگی زنا و بدکاری سے دوری، غیر ضروری انجکشن کے استعمال سے پرہیز، طبّی جانچ کرنے کے بعد ہی استعمال کرنا اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اس بیماری سے بچاؤ کے اہم ذرائع ہیں۔

ایڈز سے متاثرہ افراد کو ہمدردی اور تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کہ نفرت یا حقارت کی۔ اگر ہم سب مل کر آگاہی پھیلائیں اور احتیاطی تدابیر اپنائیں تو معاشرے کو اس موذی مرض سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔یا د رکھیں ایڈز ایک مہلک بیماری ہے جو لاعلمی، لاپرواہی اور غیر ذمہ دارانہ رویوں سے تیزی سے پھیل سکتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے آگاہی، احتیاط اور محفوظ عادات اپنانا نہایت ضروری ہے۔ اگر ہمارا معاشرہ متحد ہو کر اس کے بارے میں شعور پیدا کرے تو ہم اس بیماری کے پھیلاؤ کو روک سکتے ہیں۔

دینِ اسلام نے انسانوں کو زندگی گذارنے کا طریقہ بتایا ہے وہ انسانوں کے خالق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ کون سی چیزیں انسان کے لیے نفع بخش اور کیا چیزیں نقصان دہ ہیں۔ انسانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، تاکہ انسان ان چیزوں میں ملوث ہو کر اپنا نقصان نہ کر لے۔ایڈز کی مہلک بیماری کی بنیادی وجہ جنسی بے راہ روی ہے، مختلف ناجائز طریقوں سے جنسی شہوت کی تکمیل کرنا، ہم جنس پرستی، اور بغیر شادی بیاہ کے جنسی تعلقات قائم کرنا اور منشیات کی سوئیاں لگواناوغیرہ اس مہلک بیماری کی جڑیں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العالمین کا فرمان ہے : (زنا کے قریب بھی مت جاؤ یہ حد درجہ کی بے حیائی اور انتہائی برا راستہ ہے)۔ زنا نہ صرف بے حیائی ہے بلکہ یہ انسانی زندگی کے لیے مہلک بھی ہے، اسی لیےاسے برا راستہ سے تعبیر کیا گیاہے۔ اس مہلک بیماری سے بچنے کا سیدھا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے اصولوں پر عمل کیا جائے اور بے حیائی و برائی کا خاتمہ کیا جائے ورنہ پوری دنیا تباہی سے دو چار ہو سکتی ہے۔

مشق وسوالات:

(الف) درج ذیل الفاظ کے معانی یاد کریں۔:

مہلک	:	جان لینے والی (بیماری)
عصر حاضر	:	موجودہ نیا زمانہ
مدافعتی نظام	:	جسم کے اندر بیماریوں سے لڑنے والی طاقت (حفاظتی سسٹم)
معاشرتی امتیاز	:	سماجی بھید بھاؤ اور چھوٹے بڑے کا فرق کرنا
شواہد و آثار	:	دلیل، ثبوت
دفاع	:	حفاظت کرنا
سنڈروم	:	علامت، نشانیاں
جان لیوا	:	جان لینے والی
تشخیص	:	پہچان کرنا
مزید بر آں	:	اس کے علاوہ کوئی اور چیز

(ب) درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیں۔

سوال ۱: ایڈز کس وائرس کی وجہ سے ہوتا ہے؟

سوال ۲: ایڈز کے پھیلنے کے تین بڑے ذرائع بیان کریں۔

سوال ۳: کیا ایڈز چھونے یا ساتھ کھانے پینے سے پھیلتا ہے؟

سوال ۴: ایڈز سے بچنے کے لیے کون سی احتیاطی تدابیر ضروری ہیں؟

سوال ۵: ایڈز کے مریضوں کے ساتھ ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

(ج) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے صحیح ☑ /یا غلط☒ کا نشان بھی لگائیں:۔

۱. ایڈز ایک جراثیمی بیماری ہے جو چھونے سے پھیلتی ہے۔ ( )

۲۔ ایچ آئی وی وائرس مدافعتی نظام کو کم زور کرتا ہے۔ ( )
۳۔ ایڈز سے بچاؤ کے لیے تعلیم اور آگاہی بہت ضروری ہے۔ ( )
۴۔ ایڈز کا علاج بالکل آسان اور فوری ہے۔ ( )

(د) خالی جگہیں پُر کریں:۔

۱۔ ایڈز ___ وائرس کی وجہ سے ہوتا ہے۔
۲۔ ایڈز زیادہ تر ___، خون کے انتقال اور انجکشن کے مشترکہ استعمال سے پھیلتا ہے۔
۳۔ ایڈز کے مریضوں کو ___ اور ___ کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ہ) مختصر نوٹ لکھیں:

۱۔ ایڈز سے بچاؤ کے طریقے
۲۔ ایڈز کے مریضوں کے ساتھ معاشرتی رویہ

(و) درج ذیل الفاظ کی ضد لکھیں:

مہلک اختیاری آگاہی معلومات محفوظ

(ز) درج ذیل الفاظ کو غور سے پڑھیں اور ان ہی جیسے پانچ(۵)مرکب الفاظ آپ بھی لکھیں:

عصرِ حاضر، لا علمی، قوتِ مدافعت، جان لیوا، دفاعی نظام، غیر محفوظ،

قواعد:۔ "ایڈز کے مرض نے دنیا بھر میں کروڑوں انسانوں کو متاثر کیا ہے" (یہ فعل ماضی ہے، یعنی ایسا کام جو گذشتہ دنوں میں ہو چکا ہے، اسے فعل ماضی کہتے ہیں)۔ ایسے پانچ جملے آپ بھی بنائیں جس سے فعل ماضی کی آگاہی ہو۔

پروجیکٹ الف :۔ اصلاح معاشرہ کے موضوع پر ایک پروجیکٹ بنائیں، جس میں آپ کے معاشرہ میں موجود معاشرتی اور جسمانی بیماریوں میں سے کوئی ایک بڑی بیماری، اس کے اسباب، بچنے کی تدابیر لکھ کرآخر میں قرآنی احکام کی روشنی میں تذکیری کلمات لکھیں۔

پروجیکٹ ب:۔ اپنےدوستوں کی مدد سے محلے میں ایک روز صفائی مہم چلائیں اور اپنے محلے کو مستقل صاف ستھرا رکھنے کی منصوبہ بندی کریں۔

سبق نمبر ۹

(الف)جدید اردو نثر

اردو زبان و ادب کی تاریخ میں نثر کا ارتقا نہایت اہم اور دل چسپ ہے۔ ابتدائی دور میں اردو نثر زیادہ تر دینی، اخلاقی اور تاریخی موضوعات پر لکھی جاتی تھی اور اس میں سادگی کم اور تصنع و تکلّف زیادہ پایا جاتا تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اردو نثر نے جدّت، سلاست اور اثر انگیزی حاصل کی۔ جدید اردو نثر سے مراد وہ نثری ادب ہے جو ۱۹ویں صدی کے وسط سے لے کر اب تک لکھا گیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) نے نثر کے ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا۔ یہاں میر امن دہلوی کی ''باغ و بہار''، رجب علی بیگ سرور کی ''فسانۂ عجائب'' اور دیگر تصانیف نے نثر کو نئے رنگ عطا کیے۔ اس دور میں اردو نثر میں کئی اہم تبدیلیاں اور ترقیاں پیدا ہوئیں، جن میں سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں کا اہم کردار رہا۔ انہوں نے اردو نثر کو ایک نئی سمت دی اور اسے عام فہم اور جدید بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

جدید اردو نثر کی خصوصیات

۱. سادگی و سلاست: مشکل تراکیب کی جگہ آسان اور عام فہم زبان استعمال کی جانے لگی۔

۲. موضوعات کی وسعت: مذہب و اخلاق کے علاوہ سماجیات، سیاست، تعلیم، سائنس اور افسانوی ادب شامل ہوا۔

۳. حقائق نگاری: سچائی، مشاہدہ اور تحقیق پر زور دیا جانے لگا۔

۴. اصناف کی ترقی: جدید اردو نثر نے افسانہ، ناول، ڈرامہ، انشائیہ، سوانح عمری، سفرنامہ، تنقید اور صحافت جیسی اہم اصناف کو جنم دیا۔زبان کی لطافت و ظرافت اور مقصدیت کو فروغ دیا۔

جدید اردو نثر کی تاریخ اور ارتقا:

جدید اردو نثر کا آغاز سرسید احمد خان اور ان کے ساتھیوں کی تحریک سے ہوتا ہے۔ اس تحریک کا مقصد اردو زبان اور ادب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ سرسید نے اصلاحی اور سائنسی مضامین لکھے، انہوں نے عام فہم زبان استعمال کی اور اردو نثر کو ایک نئی جہت دی، جس میں

سلاست و روانی ہوتی تھی اور پڑھنے والا بآسانی سمجھ سکتا تھا۔سر سید احمد خان کے ساتھ ان کے چار اور ساتھیوں کو "عناصر خمسہ" کہا جاتا ہے، جن میں ڈپٹی نذیر احمد، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حالی اور محمد حسین آزاد شامل ہیں۔ ان شخصیات نے اردو نثر کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا اور مختلف اصناف میں لکھا، جیسے ناول، سوانح عمری، تنقید، مضمون نگاری اور خطوط۔ ان شخصیات نے اردو نثر کو ایک نئی پہچان دی اور اسے ایک ادبی زبان کے طور پر خوب ترقی دی۔

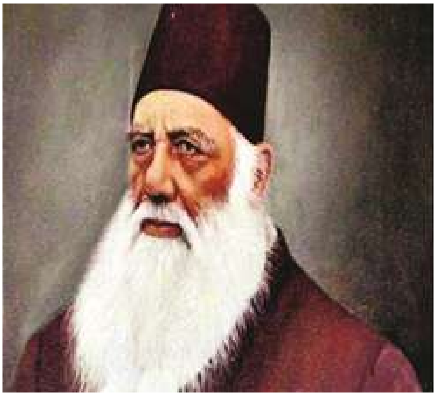

سر سید احمد خان: (۱۸۱۷–۱۸۹۸ء)جدید اردو نثر کے بانی اور مصلح، علی گڑھ تحریک کے بانی، اردو کے عناصرِ خمسہ کی پہلی شخصیت، سر سید قوم کی اصلاح کے لیے مسلسل لکھ رہے تھے۔ اپنے خیالات تقریر و تحریر کے ذریعے عوام تک پہنچارہے تھے۔ انھوں نے سادہ نثر کو فروغ دیا۔ اردو نثر کو استدلال سے روشناس کروایا اور عقلی دلائل کو بنیاد بنایا۔ ان کے دلائل مضبوط اور زوردار ہوتے ہیں۔انھوں نے اپنے سادہ اور عام فہم اسلوب سے ہر خاص و عام تک اپنی بات پہنچائی۔ آثار الصنادید ان کی مشہور کتاب ہے۔اسی طرح تہذیب الاخلاق کے نام سے اردو رسالہ انھوں نے جاری کیا جو آج کی ادبی، فنی اور معلوماتی دنیا میں معروف و مشہور ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد: (۱۸۳۱–۱۹۱۲ء) اردو کے پہلے ناول نگاراور اس دور کی عظیم شخصیت ڈپٹی نذیر احمد کی ہے جو اپنی بچیوں کے لیے کہانیاں لکھتے تھے۔نذیر احمد نے پہلی بار افسانوی ادب کو معاشرتی مسائل اور متوسط خاندانوں کی زندگی کا ترجمان بنایا۔ان کے ناول "مراۃ العروس"،"توبتہ النصوح"،"فسانۂ مبتلا" اور" ابن الوقت" آج بھی دل چسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔وہ بہترین مقرر بھی تھے۔نذیر احمد نے پہلی بار اپنی کتابوں میں ظرافت کی چاشنی سے کام لیا۔ان کا مشہور کردار"ظاہر دار بیگ"

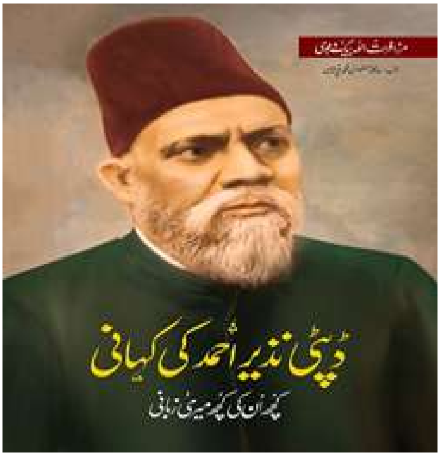

اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ نذیر احمد نے پہلی بار دہلی کی لطیف و شیریں زبان کو رواج دیا۔

مولانا الطاف حسین حالی: (۱۸۳۷-۱۹۱۴ء) اس دور کی تیسری شخصیت حالی کی ہے جنھوں نے اردو ادب کو سوانح نگاری کے ذریعہ اردو تحقیق سے آشنا کیا۔ سوانح نگاری میں ان کی تین سوانح عمریاں "حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب اور حیاتِ جاوید" اپنا منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ان کا "مقدمہ شعروشاعری" جدید اردو تنقید کا پہلا عظیم کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ "مجالس النساء" لکھ کر بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے انہوں نے ایک اور کارنامہ سر انجام دیا۔

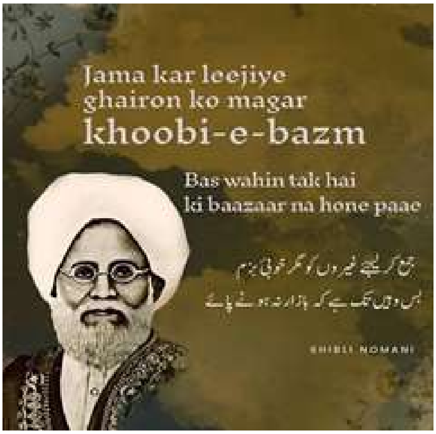

مولانا شبلی نعمانی : (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) اردو کے عناصرِ خمسہ میں چوتھی شخصیت مؤرخ اور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی کی ہے۔ شبلی ایک ہمہ گیر طبیعت کے مالک تھے، لیکن ان کے مزاج پر تاریخی رنگ زیادہ گہرا ہے۔وہ اردو کے پہلے عظیم مؤرخ ہیں جنہوں نے اردو ادب کو تاریخی سوانح عمریاں عطا کیں۔ مثلاً "المامون"، "الفاردق"، "الغزالی"، "سوانح مولانا روم"، "اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر" اور " سیرت النبی ﷺ" ادبی تحقیق و تنقید میں "شعر العجم" اور "موازنہ انیس ودبیر" بھی ان کے دو شاہکار ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے مقالات بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔شبلی کے علمی مشاغل کے بہت سے پہلو ہیں، وہ مورخ بھی ہیں اور فلسفی بھی،نقاد بھی اور شاعر بھی۔ غرض یہ کہ وہ اپنی ذات میں ایک دبستان تھے۔

محمد حسین آزاد: (۱۸۳۰-۱۹۱۰ء) محمد حسین آزاد جو اس دور کے ایک بے مثال ادیب ہیں، اردو ادب کے عناصرِ خمسہ کی آخری کڑی ہیں۔انھوں نے انگریزی زبان کی تقلید کرتے ہوئے پہلی بار اردو میں تمثیلی مضامین لکھے جو بعد میں نیرنگِ

خیال کے نام سے شائع ہوئے۔اردو ادب میں آزاد کی حقیقی شہرت ان کی "آبِ حیات" کی وجہ سے ہے، یہ اردو شاعری کی تاریخ بھی ہے اور تنقید بھی۔ آزاد ایک مؤرخ بھی ہیں اور محقق بھی،ایک نقاد اور ادیب بھی، اور ایک صاحبِ طرز انشاء پرداز بھی۔ ان کی اہم تصانیف میں"آبِ حیات" اردو شاعری کی تاریخ پر پہلی منظّم اور معیاری کتاب، "نیرنگِ خیال" انشائیہ نگاری اور نثر کا بہترین نمونہ، "قصصِ ہند" دل چسپ اور سبق آموز حکایات پر مشتمل مجموعہ، "دربارِ اکبری"مغل بادشاہ اکبر کے دور کی تاریخی اور تہذیبی تصویر، شہرہ آفاق کتابیں ہیں۔

اردو کے یہ پانچ بڑے نام ہیں جنہوں نے اردو ادب میں انقلاب برپا کر دیا۔ اردو ادب میں نئی اصناف کا اضافہ کیا، زبان و بیان میں سادگی اپنائی۔ گویا یہ ایک تحریک ہے اور اس تحریک نے اردو ادب کو نئی ڈگر پر چلنے کے قابل بنایا۔اردو ادب و نثر کو فروغ دینے میں ان کے علاوہ بھی کچھ اہم شخصیات ہیں جن کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔مثلاً

منشی پریم چند: (۱۸۸۰–۱۹۳۶ء) جنہوں نے افسانہ اور ناول کے ذریعے معاشرتی مسائل کو اجاگر کیا۔پریم چند اردو اور ہندی کے سب سے بڑے حقیقت نگار کہلائے۔ ان کے افسانے اور ناول عام انسان کی زندگی کے دکھ سکھ اور سماجی مسائل کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ان کے ادبی شاہ کارمیں"گئودان"سب سے عظیم ناول، جس میں کسان کی زندگی اور جاگیردارانہ ظلم کی عکاسی کی گئی ہے۔"نرملا" جہیز کی لعنت اور عورت کی مظلومیت پر مبنی ناول،"کفن"افسانہ جس میں غربت اور انسانی رویے کا المیہ بیان کیا گیا ہے اور"پوس کی رات" کسان کی حالتِ زار اور سماجی حقیقت نگاری کی گئی ہے، کافی مشہور و معروف ہیں۔ بالخصوص گئودان ان کی مقبول ترین ناول ہے۔

سعادت حسن منٹو: (۱۹۱۲–۱۹۵۵ء) منٹو اردو کے سب سے جرأت مند افسانہ نگار مانے جاتے ہیں۔ ان کے افسانے حقیقت کو برہنہ صورت میں پیش کرتے ہیں، خاص کر تقسیمِ ہند اور انسانی نفسیات کے موضوعات پر ان کی تحریر لا زوال ہے۔ان کے ادبی شاہ کار میں "ٹھنڈا گوشت"فسادات اور انسان کی درندگی کا نقشہ،"ٹوبہ ٹیک سنگھ" تقسیمِ ہند کی الم ناک حقیقت،"کھول دو" مہاجر عورتوں کے المیے کی تصویر،"نیا قانون"عام آدمی کی سوچ اور سیاسی شعور کا عکاس،اور "سیاہ حاشیے"تقسیم کے پس منظر میں مختصر افسانوں کا شاہ کار مجموعہ کافی معروف و مقبول ہیں۔

(الف)جدید اردو نثر

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ـــ۱۹۵۸ء): مولانا آزاد اردو نثر کے جادوگر اور ایک بلند پایہ خطیب و مفسر تھے۔ ان کی تحریروں میں شگفتگی، روانی اور علمی گہرائی ملتی ہے۔ ان کے ادبی شاہ کار میں"الغربیات" مغربی فلسفے اور تہذیب پر تنقیدی مضامین، "غبارِ خاطر" قلعہ احمد نگر کی اسیری کے دوران لکھے گئے خطوط، نثر اردو ادب کا شاہ کار، "تذکرہ"صوفیانہ افکار و احوال پر مبنی کتاب، الہلال اور البلاغ کے اداریےاور"ترجمان القرآن" قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ اور علمی تفسیر، اردو میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اردو نثر کی ترویج و فروغ میں بہت سے ادبی عناصر کی حصہ داری ہے ۔ مثلاً انشائیہ، مضمون و مقالہ،افسانہ و ناول، تنقید، سوانح و خود نوشت خاکہ، ڈرامہ وغیرہ جن کا مختصرتعارف ذیل میں کیا جاتا ہے۔

انشائیہ:۔ نثری ادب کی ایک مقبول اور پسندیدہ صنف "انشائیہ" ہے۔ انشائیہ تحریر کی ایک منفرد صورت ہے اور نثری ادب میں اس کا ایک الگ صنفی مقام ہے۔ انشائیہ نگار کے الفاظ گلہائے رنگا رنگ سے سجے ہوتے ہیں، وہ کاغذ کے چمنستان کو مختلف خیالات، تاثرات، مشاہدات، محاورات اور مزاحیہ استعارات کے رنگ برنگے پھول بوٹوں سے بھردیتا ہے، تنقیدی لہجہ انشائیہ نگار کی خوبی ہے، انشائیہ لکھنے والے کی نگاہ کسی ایک واقعے، قصے یا حادثے پر نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ ایسا اچھوتا انداز اختیار کرتا ہے جس میں قاری کی دل چسپی کو اپنا مقصد بناتا ہے، اس کی تحریر میں نہ سنجیدہ پن ہوتا ہے اور نہ رنج و غم کا اظہار۔ خیالات کی بے ترتیبی انشائیہ کا حسن ہے۔

مضمون یا مقالہ:۔ ادب کی وہ صنف جو سنجیدگی، متانت، علم کی رونق اور صداقت و دیانت کے دائرے میں لکھی جائے۔ مقالہ میں کسی سنجیدہ موضوع پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اس میں حکمت و فلسفہ اور علم و دانش کے مطابق کسی ایک عنوان پر قلم کار کے مثبت اور عمدہ خیالات ہوتے ہیں، صاحب قلم کو کسی مضمون یا مقالے میں علمی و سائنسی یا عالمانہ وفاضلانہ امور کو اجاگر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مقالہ ہمیں وقت اور زمانہ، زمانے کی رفتاراور معاشرہ و ماحول سے روشناس کراتا ہے۔ آسمان، خلا، فضا، نظام شمسی، ہوا، بادل، بارش، موسم وغیرہ کے متعلق ہم غور کرتے ہیں، کتنے ہی سوالات ہمارے ذہن کی سطح پر ابھرتے ہیں۔ ایسے موقع پر ایک علمی و

تحقیقی مقالہ ہماری آسودگی کا سبب بن جاتا ہے، کسی بھی موضوع پر ایک تحقیقی اور معلوماتی مقالہ ہمارے ذہنوں کے بند دریچوں کو کھول دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ مقالہ کے لیے زبان و بیان کا واضح اور صاف ستھرا ہونا ضروری ہے، ادبی رنگ اور دل کش اسلوب مقالے کے حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ ہمیں اخبارات و رسائل میں مختلف موضوعات پر مقالے پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ادبی، علمی و فقہی سیمناروں میں کسی خاص موضوع پر مقالے پیش کیے جاتے ہیں۔

داستان:۔ یہ صنف ناول، افسانہ اور ڈرامے کی اخوات میں شمار ہوتی ہیں۔ لیکن اس کا اسلوب اور انداز قدرے مختلف ہے، داستانوں میں عجیب و غریب خیالی واقعات کو دل چسپ انداز میں بیان کیا جاتا ہے، داستانی تحریریں پڑھنے اور سننے والے کو اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہیں۔ داستانیں ماضی کی روایت رہی ہیں۔ داستان میں واقعات کا الجھاؤ، پیچیدگی، بیان کی طوالت اور کرداروں کی کثرت ہوتی، لیکن اس کے باوجود اس کا حسن باقی رہتا ہےاور اس کی دل کشی برقرار رہتی ہے۔ پڑھنے یا سننے والا داستان کے انجام تک پہنچنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔

افسانہ :۔ ایک مختصر داستان یا مختصر کہانی جس میں کسی ایک خیال یا واقعے کو بیان کیا جاتا ہے، کو افسانہ کہتے ہیں۔بیسویں صدی میں اردو نثر میں افسانہ نگاری کا آغاز ہوا۔ ناول کی طرح افسانہ کے موضوعات کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ افسانوں میں سماجی مسائل اور انسانوں کی ذہنی و جذباتی الجھنوں کی ترجمانی ہوتی ہے۔ افسانہ نگار اپنی تحریر میں زندگی کے پیچ و خم، نا آسودگی، رنج و غم، طبقاتی کشمکش، عدم رواداری، رنگ و نسل کی تفریق، غربت و افلاس، ظلم و ستم اور نا انصافی جیسے مسائل کا رونا روتا ہے۔ افسانے میں واقعات کو تفصیل کے بجائے اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔ پلاٹ، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور کردار نگاری وغیرہ اس کے اجزائے ترکیبی ہیں، افسانے اور ناول کے تشکیلی عناصر میں کئی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس صنف میں پریم چند، منٹو، اور دیگر لکھنے والوں نے اہم کام کیا۔

ناول :۔ ایک طویل داستان جس میں کرداروں اور واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ ناول انگلش لفظNovel سے ماخوذ ہے، جس کے معنی انوکھے اور عجیب و غریب کے ہیں، ناول اصل میں زندگی کی تصویر کشی اور زمانے کی منظر کشی کا ایک تحریری فن ہے، اس میں

انسانی احساسات و جذبات اور حیات کی حقیقتوں کو نرالے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مناسب الفاظ و تراکیب اس انوکھے پن کی کیفیت پیدا کرتے ہیں، ناول میں کردار کے ہر پہلو پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ پلاٹ، کردار نگاری، منظر نگاری، جزئیات نگاری اور مکالمہ نگاری وغیرہ ناول کے بنیادی عناصر ہیں۔ جدید اردو نثر میں ناول نگاری کا آغاز بھی اسی دور میں ہوا۔ ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ناولوں میں معاشرتی مسائل اور اصلاحی پیغامات ملتے ہیں۔

تنقید:۔ تنقید یعنی ادب یا کسی دوسرے موضوع پر رائے زنی کرنا۔جدید اردو نثر میں تنقید کا آغاز بھی سرسید تحریک کے دوران ہوا۔ مولانا حالی نے پہلی بار اپنی کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" میں اردو شاعری پر با قاعدہ تنقید کی اور اسے ایک نیا معیار دیا۔

سوانح :۔ کسی شخص کی زندگی کے حالات پر لکھی گئی کتاب کو سوانح کہا جاتا ہے۔ اس میں کسی شخصیت کی (پیدائش سے لے کر موت تک) حالات زندگی کو بالتفصیل پیش کیا جاتا ہے، سوانح کے مطالعے سے نہ صرف کسی شخصیت کے احوال زندگی، تعلیم و تربیت اور عادت و اطوار کا علم ہوتا ہے، بلکہ اس عہد کی تاریخی، تہذیبی، سیاسی اور ادبی حالات و رجحانات سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ سوانح کسی بھی علمی، ادبی، سیاسی یا معروف شخصیت کی زندگی سے متعلق لکھی جا سکتی ہے۔ واقعات کی صداقت اور حالات کی صحیح عکاسی سوانح نگار کے لیے ضروری ہے۔

خودنوشت:۔ خود نوشت بھی کسی شخصیت کی داستان حیات ہوتی ہے، لیکن اس کو کوئی دوسرا نہیں، بلکہ وہ خودہی لکھتا ہے، اسے "خود نوشت سوانح" بھی کہتے ہیں۔ خود نوشت لکھنے والا اپنی حالات زندگی اور تجربات و مشاہدات کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے، کبھی گردش ایام کی ستم کاریوں کا تذکرہ کرتا ہے تو کبھی زندگی کے چمنستان میں فصل بہار کی آمد و رفت کا۔ خود نوشت کو "آپ بیتی" بھی کہتے ہیں، جس میں لکھنے والا اپنی روداد زندگی کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ آپ بیتی " جگ بیتی" بن جاتی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ ،مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ زکریا کاندھلویؒ، قدرت اللہ شہاب کی آپ بیتیاں پڑھنے لائق ہیں۔

خاکہ:۔ خاکہ غیرافسانوی نثری صنف ہے۔ اسے مرقع یا قلمی تصویر بھی کہتے ہیں۔ اس

میں کسی شخصیت کے ظاہری اور باطنی اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔ اس میں شخصیت کی خوبیوں یا خامیوں کا بیان اس طرح کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے اس شخصیت کی ایک قلمی تصویر اُبھر آئے۔ اردوادب میں خاکہ نگاری ایک منفرد، مقبول اور ترقی یافتہ صنف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ابتدائی نقوش اردو کے قدیم تذکروں میں ملتے ہیں۔ محمد حسین آزاد کی 'آب حیات' میں خاکہ نگاری کے بعض عمدہ نمونے موجود ہیں۔ مگر باضابطہ اس صنف کا آغاز بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں مرزافرحت اللہ بیگ کی تحریروں سے ہوا۔ بقول پروفیسر شمیم حنفی: "اصطلاحی معنوں میں اردوخاکہ نگاری کا آغاز مرزا فرحت اللہ بیگ سے ہوتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی وحیدالدین سلیم کی جیسی بے مثال تصویریں فرحت اللہ بیگ نے لفظوں میں اتاری ہیں۔ انہیں آج بھی اردوخاکہ نگاری کی روایت کا روشن ترین نقش کہا جاسکتا ہے۔"

خطوط:۔ کسی کو لکھے گئے تحریری پیغام کو خط کہا جاتا ہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب جنہوں نے اس فن کے فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ غبار خاطر، بہت معروف ہے۔ خطوط نگاری میں درج ذیل ادیب مشہور ہیں۔ سید سلیمان ندوی، شبلی نعمانی، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی۔

سفر نامہ:۔ سفر نامے میں چشم دید واقعات اور سیروسیاحت کی داستان قلم بند کی جاتی ہے۔ سفر نامے کو پڑھ کر کسی ملک و قوم کی خوش حالی، ترقی، تہذیب و ثقافت اور جغرافیائی حدود کا علم ہوتا ہے۔ سفر نامہ لکھنے والا واقعات و حادثات کا خود شاہد ہوتا ہے اور کسی سہارے کے بغیر اپنی داستان سفر رقم کرتا ہے۔ مشہور سفر نامے درج ذیل ہیں۔ سفر نامہ یورپ از شبلی، سفر نامہ ارض القرآن از سید سلیمان ندوی، سفر نامہ ابن بطوطہ۔

ڈرامہ:۔ ڈرامہ ادب کی اہم ترین اصناف میں شمار ہوتا ہے۔ڈرامہ کی تعریف سب سے پہلے یونان کے مشہور فلسفی اور نقاد ارسطو نے اپنی مشہور کتاب "بوطیقا" میں کی ہے۔جس میں انہوں نے ڈرامے کو انسانی اعمال کی نقل قرار دیا ہے۔یہ دراصل اپنے مخصوص معنی میں زندگی کی عکاسی کا نام ہے۔ڈرامہ خود زندگی نہیں بلکہ انسانی زندگی کو پیش کرنے کا ذریعہ ہے۔ ڈرامہ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ بہترین الفاظ کو گفتار اور کردار کے عمل سے پیش کرنا اور

اسے زندگی کی جیتی جاگتی حقیقت کے طور پر پیش کرنا ہوتا ہے۔ڈرامہ ادب کی ایک ایسی صنف ہے جس میں زندگی کے حقائق اور مظاہر کو اشخاص اور مکالموں کے وسیلے سے عملاً پیش کیا جاتا ہے۔ڈرامہ نگاری میں اسٹیج، اداکار اور تماشائی کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

منتخب اقتباسات:

ڈپٹی نذیر احمد کے چند اہم ناولوں سے سادہ مگر مؤثر ترین اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

مراۃ العروس سے:۔ "تعلیم عورتوں کے لیے ایسی ہی ضروری ہے جیسے مردوں کے لیے۔ عورت اگر جاہل ہو گی تو نسل جاہل ہو گی، اور اگر تعلیم یافتہ ہو گی تو نسل تعلیم یافتہ ہو گی۔"

توبۃ النصوح سے:۔ "آدمی کو چاہیے کہ اپنی زندگی پر نظر رکھے۔ جو وقت دنیا کی فضول باتوں میں ضائع ہوتا ہے، وہی وقت اگر اللہ کی رضا کے مطابق خرچ کیا جائے تو یہ دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔"

ابن الوقت سے:۔ "تہذیب کی اصل روح نقالی نہیں، بلکہ اپنی حالت اور ضرورت کو دیکھ کر اچھی باتوں کو اپنانا اور برائیوں سے بچنا ہے۔"

فسانۂ مبتلا سے:۔ "غلط صحبت آدمی کو برباد کر دیتی ہے، چاہے وہ کتنا ہی عقل مند اور شریف کیوں نہ ہو۔"

محمد حسین آزاد کے اسلوب میں انشائیوں کے کچھ نمونے:

"الف" صبح کا وقت تھا، مشرق کے کنارے سے سورج اپنی سنہری کرنوں کا جھانسا دے رہا تھا۔ ہوا میں ایسی ٹھنڈک گھلی ہوئی تھی جو بدن کو نہیں بلکہ روح کو تازگی بخشتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ساری کائنات نے شب کی تھکن کو اتار پھینکا ہو اور نئی زندگی کے استقبال کے لیے تیار ہو گئی ہو۔ پرندے اپنی ننھی ننھی چونچوں میں کائنات کی موسیقی بھر کر نغمہ سرا تھے۔ کبھی کوئل کی کوکو دل کو چونکا دیتی اور کبھی گوریا کی چہچہاہٹ مسکراہٹ بکھیر دیتی۔ ہوا کے نرم جھونکے جب سبز پتوں کو چھوتے تو وہ یوں لہراتے جیسے کوئی سازندہ اپنی انگلیوں سے ستار کی تاروں کو چھیڑ رہا ہو۔

ندی کے کنارے جا کر دیکھا تو پانی کے ریلے پر صبح کی کرنیں موتیوں کی طرح جھلملا

رہی تھیں۔ ہر بوند اپنی جگہ سورج کی ایک چھوٹی کرن کو قید کیے بیٹھی تھی، جیسے ہزاروں آئینے ایک ہی وقت میں روشنی کی خیرات بانٹ رہے ہوں۔

کھیتوں میں ہریالی کا سمندر موجزن تھا۔ شبنم کے قطرے گھاس کے تنکوں پر یاقوت و مرجان کی مانند چمک رہے تھے۔ گویا قدرت نے اپنی تجوری کے سب قیمتی جواہر زمین پر لٹا دیے ہوں۔ کسان ہل ہاتھ میں لیے اپنے دن کے سفر کا آغاز کر رہا تھا اور زمین اس کے قدموں کو دعائیں دیتی معلوم ہوتی تھی۔

"ب" "چاندنی اپنی نورانی چادر زمین پر اس طرح ڈالے بیٹھی ہے جیسے کوئی دلہن سفید ریشمی جوڑا پہن کر سنگھار کیے تخت پر بیٹھی ہو۔ درختوں کے سائے نرم و نازک پردوں کی مانند جھول رہے ہیں اور ہوا کا ہر جھونکا جیسے ان پردوں کو آہستہ سے ہلا رہا ہو۔"

"صبح کی ہوا میں ایک ایسا لطف ہے کہ اس کا مزہ لینے کے بعد دن بھر کی گرمی اور تھکن سہل معلوم ہوتی ہے۔ درختوں کے پتے شبنم سے تر ہیں اور ہر قطرہ موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ پرندے اپنی زبان میں خوشی کے گیت گا رہے ہیں۔ ندی کا پانی بہہ رہا ہے اور اس پر سورج کی کرنیں ایسے کھیل رہی ہیں جیسے کسی نے لاکھوں ہیرے پانی میں ڈال دیے ہوں۔ کسان ہل ہاتھ میں لیے کھیت کی طرف جا رہا ہے اور اس کے قدموں کے نیچے زمین گویا برکت کی دعائیں دیتی ہے۔"

"ج" "جب طوفان اپنی پوری قوت کے ساتھ اٹھا تو سمندر کی لہریں یوں جھپٹیں جیسے کوئی دیو دیواروں سے ٹکرا رہا ہو۔ بادل گرجے، بجلی کڑکی اور پانی کا شور گویا قیامت برپا کر رہا تھا۔ لیکن ساحل خاموش کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ شور و غوغا لمحاتی ہے۔ طوفان تھک کر بیٹھ جائے گا، بادل چھٹ جائیں گے اور سمندر پھر سکون سے لہروں کی لوری گائے گا۔"

"د" درختوں کی خاموش سرگوشیوں میں ایک ایسی زبان چھپی ہوئی ہے جسے صرف دل سے سنا جا سکتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ سکون اور صبر کی حقیقت کیا ہے، اور یہ کہ زندگی کی اصل خوشی دوسروں کے لیے جینا ہے۔

مشق وسوالات:

(الف)درج ذیل الفاظ ومعانی یاد کریں:۔

الفاظ	**معانی**
ارتقا	کسی چیز کی ترقی یا بہتر ہونا۔
تصنّع	بناوٹی پن، غیر فطری انداز۔تکلف
سلاست	روانی، آسان اور خوب صورت اندازِ بیان۔
اثر انگیزی	دل یا دماغ پر اثر ڈالنے والی۔
استدلال	دلیل یا منطقی بات کرنا۔
تمثیلی	مثال یا کہانی کے ذریعے سبق سکھانا۔
نیرنگِ خیال	خیالوں کا مجموعہ (محمد حسین آزاد کی انشائیہ نگاری کا مجموعہ)۔
سوانح عمری	کسی شخص کی پیدائش سے موت تک کی تفصیلی زندگی کی تحریر۔
خودنوشت / آپ بیتی	وہ تحریر جس میں کوئی شخص اپنی زندگی کے بارے میں خود سے لکھے۔
خاکہ	کسی شخصیت یا واقعے کی مختصر مگر جامع تصویر کشی۔
چشم دید	خود دیکھے ہوئے واقعات یا تجربات۔
پلاٹ	افسانہ، کہانی یا ڈرامے میں واقعات کی ترتیب اور منصوبہ بندی۔
مکالمہ نگاری	کرداروں کے درمیان بات چیت یا گفت و شنید
منظر نگاری	کسی جگہ یا واقعے کی تفصیلی تصویری بیان۔
جزئیات نگاری	تفصیلات اور چھوٹے چھوٹے پہلوؤں کو بیان کرنا۔
افسانوی ادب	کہانی یا افسانہ کی صورت میں ادب۔
مصلح	معاشرہ یا قوم کی اصلاح کرنے والا۔

(الف)جدید اردو نثر

محاورہ	روزمرہ کی زبان میں استعمال ہونے والے خاص جملے یا اصطلاحات۔
رُوداد	واقعے یا قصے کی تفصیل۔
لطافت و ظرافت	نرمی، خوب صورتی اور نفاست (زبانی یا تحریری انداز میں)۔
مشاہدہ اور تحقیق	حقیقت پر مبنی علم، دیکھ کر یا جانچ کر تحقیق کرنا۔

(ب) درج ذیل سوالوں کے مناسب جواب لکھیں۔

سوال ۱: جدید اردو نثر کے آغاز میں فورٹ ولیم کالج کا کیا کردار ہے؟

سوال ۲: جدید اردو نثر کی دو اہم خصوصیات لکھیں۔

سوال ۳: جدید اردو نثر کے دو مشہور نثر نگار اور ان کی خدمات بتائیں۔

سوال ۴: جدید اردو نثر نے ادب کو کیا فائدہ پہنچایا؟

سوال ۵: ڈپٹی نذیر احمد کی چند کتابوں کے نام لکھیں۔

(ج)مزید مشق

۱. درست جواب پر (☑) اور غلط پر (☒) لگائیں:

- o جدید اردو نثر میں مشکل اور غیر فطری زبان استعمال کی گئی۔ (   )
- o پریم چند کو افسانہ اور ناول کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ (   )
- o سر سید احمد خان نے جدید نثر میں اصلاحی اور سائنسی رنگ بھرا۔ (   )

۲. درج ذیل سوالوں کے جوابات مختصر لکھیے:

- o جدید اردو نثر کی ایک بڑی خصوصیت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔
- o مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات کس صنف سے وابستہ ہیں؟

(د)گوشہ ادب:۔

الف:۔ پیچ و خم،   رنج و غم،   ظلم و ستم

ان الفاظ کو غور سے پڑھیں، یہ دو لفظوں کے مرکب ہیں، ان کے بیچ میں "واو" لگایا گیا ہے، یہ

ہم معنی الفاظ ہیں، انہیں مترادفات کہتے ہیں۔ آپ بھی ایسے دس مترادفات لکھیں جو ہم معنی ہوں۔

ب:۔نا ہم واری   نا خواندگی   نا مناسب

کسی لفظ سے پہلے "نا" لگا کر منفی معنی پیدا کیا جاتا ہے۔ ایسے دس الفاظ آپ بھی تیار کریں۔

ج:۔

اس کی قسمت پھوٹ گئی   :جس کی قسمت خراب ہو گئی ہو، غم و ستم سے پریشان انسان

ہینگ لگے نہ ہلدی ،رنگ آئے چوکھا   :بغیر کچھ محنت اور خرچ کے فائدہ حاصل کرنا

بندر کیا جانے ادرک کا سواد   :اچھی چیزوں کی قدر بے کار لوگوں کے یہاں نہیں ہوتی

ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا   :کام کرنا نہ آتا ہو تو دوسروں پر الزام دھر دیا جائے

انہیں محاورہ کہتے ہیں، ایسے پانچ محاورے اور ان کے معانی بھی لکھیں۔

ہ:۔ استعارے (Metaphors)

"زندگی ایک کتاب ہے، ہر دن اس کا ایک نیا صفحہ ہے"۔

"علم کا دریا کبھی خشک نہیں ہوتا"۔

"وقت کی رفتار ہوا کی مانند تیز ہے"۔

"دل ایک آئینہ ہے جو خیالات کی عکاسی کرتا ہے"۔

"صبح کی روشنی امیدوں کا پیامبر ہے"۔

"خیالات کے پروں پر روح اڑان بھرتی ہے"۔

انہیں بغور پڑھیں اور زبانی یاد کرلیں۔

و:۔ تمثیل / تشبیہ (Similes)

چاندنی اپنی چادر زمین پر ایسے پھیلا رہی تھی جیسے دلہن نے ریشمی جوڑا پہن کر سنگھار کیا ہو۔
پرندے اپنی نغمہ سرائی ایسے کر رہے تھے جیسے کوئی موسیقار ستار کی تاریں چھیڑ رہا ہو۔
پانی کے قطرے سورج کی کرنوں میں ایسے جھلملا رہے تھے جیسے ہزاروں چھوٹے آئینے روشنی بانٹ رہے ہوں۔
ہوا کے نرم جھونکے سبز پتوں کو یوں ہلا رہے تھے جیسے کوئی سازندہ ستار کی تاروں کو چھیڑ رہا ہو۔
کھیتوں میں ہریالی ایسے موجزن تھی جیسے سبز سمندر چل رہا ہو۔
طوفان کی لہریں ایسے جھپٹیں مار رہی تھیں جیسے کوئی غیر مرئی طاقت دیواروں سے ٹکرا رہی ہو۔
زندگی کی مشکلات ایسے ہیں جیسے پہاڑ راستے میں حائل ہوں، مگر صبر سے ہر راہ نکل جاتی ہے۔
مذکورہ تشبیہات کو غور سے پڑھیں اوراپنی کاپی میں اسے نوٹ کریں۔

سبق نمبر ۹

(ب) گزرا ہوا زمانہ

(جدید اردو نثر کا ایک نمونہ)

برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے، رات بھی ڈراؤنی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھارہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے، آندھی بڑے زور سے چلتی ہے، دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔بڈھا نہایت غمگین ہے۔ مگر اس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانے کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے، اتناہی زیادہ اس کا غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے منھ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں۔

پچھلا زمانہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے، اپنا لڑکپن اس کو یاد آتا ہے، جب کہ اس کو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپے پیسے اوراشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔سارا گھر ماں، باپ، بھائی اور بہن اس کو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لیے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ زیادہ غمگیں ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اٹھتا تھا:" ہائے وقت، ہائے وقت ! گزرے ہوئے زمانے ! افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا۔"

(ب)گزرا ہوا زمانہ

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سرخ سفید چہرہ، سڈول ڈیل، بھرا بھرا بدن، رسیلی آنکھیں، موتی کی لڑی سے دانت، امنگ میں بھرا ہوا دل اور جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اسے یاد آتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانے میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے، نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے اور یہ کہتا تھا: ''اُہ! ابھی بہت وقت ہے'' اور بڑھاپے کے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اس کو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیے تیار رہتا۔ آہ! وقت گزر گیا، آہ! وقت گزر گیا۔ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ ''ابھی وقت بہت ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی، دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراونی ہے، اندھیری گھٹا چھا رہی ہے، بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے، ہولناک آندھی چل رہی ہے، درختوں کے پتے اُڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں، تب وہ چلا کر بولا: ''ہائے ہائے میری گزری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراونی ہے جیسی یہ رات''۔ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنے ماں، باپ، بھائی بہن، دوست آشنا یاد آئے جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گو یا محبت سے اس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے۔ یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا! وقت گزر گیا۔ باپ کا نورانی چہرہ اس کے سامنے ہے اور اس میں سے یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا! ہم تمھارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے۔ بھائی بہن دانتوں میں انگلی دیے ہوئے خاموش ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے۔ دوست آشنا سب غمگیں کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ایسی حالت میں اس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اس نے نہایت بے پروائی اور بے مروّتی اور کج خلقی سے اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن، دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا، باپ کو ناراض کرنا، بھائی بہن سے بے مروّت رہنا، دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا، یاد آتا تھا اور اس پر اِن گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا، اس کے دل کو پاش پاش

کرتا تھا۔ اس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اٹھتا تھا کہ ہائے وقت نکل گیا، ہائے وقت نکل گیا، اب کیوں کر اس کا بدلہ ہو!

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اور ٹکراتا لڑکھڑاتا کھڑکی تک پہنچا۔ اس کو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے، پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

اتنے میں اُس کو اپنا اُدھیڑبن یاد آیاجس میں کہ نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جو بن، نہ و ہ دل رہا تھا اورنہ دل کے ولولوں کا جوش۔ اس نے اپنی اس نیکی کے زمانے کو یاد کیا جس میں و ہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا، نمازیں پڑھنی، حج کرنا، زکوۃ دینا، بھوکوں کو کھلانا، مسجدیں اور کنوئیں بنوانا، یاد کر کےاپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی، اپنے پیر وں کی جن سے بیعت کی تھی، اپنی مد دکو پکارتا تھا، مگر دل کی بے قراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے ذاتی اعمال کا اسی تک خاتمہ ہے۔ بھو کے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں، مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ کنوئیں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر، کوئی اُس کی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اُس کا دل پھر گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی، اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اُٹھا: ”ہائے وقت، ہائے وقت! میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا ؟ “

وہ گھبرا کر پھر کھڑ کی کی طرف دوڑا۔ اس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے، آندھی تھم گئی ہے، گھٹا کھل گئی ہے، تارے نکل آئے ہیں، اُن کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکا ایک اس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اس میں ایک خوب صورت دلہن نظر آئی۔ اس نے ٹکٹکی باندھ اسے دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اس کے بہت پاس آگئی۔ وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجے سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اس

نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے؟ وہ بولی ہاں ہے، نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی اللہ کے فرض اس بدوی کی طرح جس نے کہا کہ: واللہ لا ازید ولا انقص ادا کر کے انسان کی بھلائی اور اس کی بہتری میں سعی کرے ،اُس کی میں مسخر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، انسان ہی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہے گا۔ پس جو بھلائی انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے، وہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز، روزہ،حج ،زکوۃ اسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی موت ان سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں، مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی روح ہوں، جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے، انسان کی بھلائی میں کوشش کرے ،کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں تو دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دلہن غائب ہو گئی اور بڈھا پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اب پھر اُس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اُس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیے تھے ثواب کے لالچ اور گویا اللہ کو رشوت دینے کی نظر سے کیے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

اپنا حال سوچ کر وہ اس دل فریب دلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھ کر آئندہ کرنے کی بھی کچھ امید نہ پائی۔ جب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بے قرار ہو کر چلا اٹھا :"ہائے وقت، ہائے وقت، کیا پھر تجھے میں بُلا سکتا ہوں ؟ ہائے میں دس ہزار دیناریں دیتا اگر وقت پھر آتااور میں جوان ہو سکتا۔" یہ کہہ کر اس نے ایک آہِ سرد بھری اور بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اس کی پیاری ماں اس کے پاس آکھڑی ہوئی، اس کو گلے لگا کر اس کی بی لی۔ اُس کا باپ اس کو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اس کے گرد آکھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس دن روتا ہے؟ کیوں تو بے قرار ہے؟ کس لیے تیری ہچکی بندھ گئی ہے؟ اُٹھ منہ ہاتھ دھو، کپڑے پہن، نو روز کی خوشی منا، تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب

(ب)گزرا ہوا زمانہ

وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈھا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اس نے سن کر اس کو جواب دیا کہ بیٹا! بس تو ایسا مت کر جیسا کہ اس پشیمان بڈھے نے کیا، بلکہ ایسا کر جیسا تیری دلہن نے تجھ سے کہا۔

یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ او، یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں کبھی اس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اورضرور اس دلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوب صورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنےوالی نیکی اپنا نام بتلایا۔ اواللہ، اواللہ تو میری مدد کر، آمین!

پس اے میرے پیارے نوجوان ہم وطنو! اور اے میری قوم کے بچو! اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت میں اس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے۔ اب اللہ سے یہ دعا ہے کہ کوئی نو جوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے، آمین!

(سر سید احمد خاںؒ)

سرسید احمد خاںؒ: سید احمد خاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سید احمد نے اپنے زمانے کے اہلِ کمال سے فیض حاصل کیا۔۱۸۳۹ء میں انھوں نے انگریزی سرکار کی ملازمت اختیار کی اور مختلف مقامات پر کام کیا۔ ۱۸۶۲ء میں جب وہ غازی پور میں تھے، انھوں نے ایک انجمن 'سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے بنائی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ مختلف علوم، خاص کر سائنس کے علوم کا مطالعہ کیا جائے اور ان علوم کو ہندوستانیوں میں عام کیا جائے۔ ۱۸۶۹ء میں سید احمد خاں ایک سال کے لیے انگلستان گئے۔ واپس آکر انھوں نے انگریزی کے علمی اور سماجی رسالوں کی طرز پر اپنا ایک رسالہ تہذیب الاخلاق نکالنا شروع کیا۔ انگلستان سے واپس آکر سید احمد خاں نے علی گڑھ میں ۱۸۷۵ء میں ایک اسکول کھولا۔ یہ اسکول ۱۸۷۸ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (Mohammedan Anglo Oriental College) اور پھر ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ہندوستان کا ایک نمایاں تعلیمی ادارہ بن گیا۔

۱۸۷۸ء میں سید احمد خاں کو سر کا خطاب ملا۔ اس لیے لوگ انھیں سرسید کے نام سے جانتے ہیں۔ سرسید آخر عمر تک قومی کام، کالج کی دیکھ بھال اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

ان کی متعدد تصانیف میں آثار الصنادید، اسباب بغاوت ہند اور سرکشی ضلع بجنور ،خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے مضامین کئی جلدوں میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سائنس، فلسفہ، مذہب اور تاریخ سے متعلق مضامین ہیں۔

جدید اردو نثر کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ساتھ سرسید نے اردو میں مختصر مضمون نگاری کو بھی فروغ دیا۔ لمبی لمبی تحریروں کے بجائے چند صفحات میں کام کی بات کہنے کا فن سرسید نے عام کیا۔ سرسید اپنے زمانے کے مفکر اور مصلح تھے اور ان کی نثر میں، وہی وزن اور وقار ہے جواُن کی شخصیت میں تھا۔

مشق وسوالات:

الف:

الفاظ	**معانی**
کج خلقی	مزاج کا کڑواپن، روکھا پن
بیعت کرنا	مرید بننا، اطاعت کا عہد لینا
تسخیر	قابو میں کرنا، فتح کرنا
بدوی	عرب کے وہ باشندے جو گھر نہیں بناتے، ریگستانوں میں رہتے ہیں اور زیادہ تر زندگی اونٹوں پر یا خیمے میں گزارتے ہیں۔
واللہ لا ازید ولا النقص	(عربی فقرہ) اللہ کی قسم نہ میں زیادہ کروں گا اور نہ کم
ساعی	کوشش کرنے والا
مبنی	منحصر

(ب)غور کرنے کی بات:

○ سرسید اپنے زمانے کے مفکر اور مصلح تھے۔ ان کی نثر میں وہی سنجیدگی، وزن اور وقار ہے جو اُن کے کردار میں تھا۔

(ب)گزرا ہوا زمانہ

○ اس مضمون میں سرسید کا اسلوب بڑا افسانوی ہے۔ آخری اقتباس سے قبل یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ سرسید کی کہانی کا ہیرو کوئی بوڑھا نہیں بلکہ ایک کم عمر لڑکا ہے۔

○ سرسید وقت کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اپنی تحریروں کے ذریعے وہ قوم کے نوجوانوں کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس دلاتے رہتے تھے۔

(ج)سوالوں کے جواب لکھیے:

ا۔ بوڑھا اپنی جوانی کے زمانے کو کن لفظوں میں یاد کرتا ہے؟

۲۔ سرسید نے برس کی اخیر رات کا ذکر کس طرح کیا ہے؟

۳۔ ماں نے لڑکے کو کیا نصیحت کی ؟

۴۔ آخری بند میں سرسید نے قوم کے نو جوانوں کو کیا نصیحت کی ہے؟

۵۔ اس سبق میں مرکزی کردار کس حالت سے گزرتا ہے اور اس کے جذبات کیسے بیان کیے گئے ہیں؟

۶۔ "ہائے وقت، ہائے وقت!" کا جملہ کردار کی کس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے؟

۷۔ خواب میں آنے والی دلہن کس چیز کی نمائندگی کرتی ہے اور اس کا مرکزی کردار پر کیا اثر پڑتا ہے؟

۸۔ سبق میں ماں باپ، بھائی بہن اور دوست آشنا کی یاد اور ان کے تاثرات کس مقصد کے لیے پیش کیے گئے ہیں؟

۹۔ یہ سبق نوجوان قارئین کو کس نصیحت اور پیغام کے لیے لکھا گیا ہے؟

۱۰۔ جذبات کی شدت اور منظر کشی کے لیے کون کون سے ادبی اسلوب استعمال کیے ہیں؟

عملی کام:

الف: سبق کی بلند خوانی کیجیے۔

ب: سبق میں نیکی، بدی، آسان مشکل جیسے متضاد الفاظ ایک ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔آپ اس

(ب)گزرا ہوا زمانہ

طرح کے پانچ متضاد الفاظ سوچ کر لکھیے۔

ج: مندرجہ ذیل محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:

دل پاش پاش ہونا، ہچکی بندھنا ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا

د: مندرجہ ذیل لفظوں میں سے مذکر اور مؤنث کی پہچان الگ الگ کیجیے: اندھیرا، زندگی، آشنا، جوبن، کھڑکی، گھٹا، بجلی، بادل، بدوی، حالت

سبق نمبر ۱۰

خواتین کے حقوق

عصر حاضر میں خواتین کی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے خواتین زیادہ تر گھریلو ذمہ داریوں تک محدود تھیں، مگر آج وہ تعلیم، سیاست، کاروبار، سائنس اور سماجی میدان میں برابر کی حصہ دار بن چکی ہیں۔ اسلام اور دیگر عالمی قوانین میں خواتین کے حقوق کا احترام کیا گیا ہے، لیکن عملی زندگی میں اکثر خواتین کو انصاف اور حقوق حاصل نہیں ہوتے۔ اس سبق کا مقصد خواتین کے حقوق کو سمجھنا اور انہیں عصر حاضر کے تناظر میں بیان کرنا ہے۔

اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ اس کی تعلیمات مکمل عدل پر مبنی ہیں۔ بچوں، بوڑھوں، کم زوروں، غلاموں، مزدوروں، قیدیوں، مسافروں، یتیموں، بیواؤں غرض سب کے حقوق اور فرائض کو اسلام نے بیان کیا ہے۔ دنیاکےدیگرمذاہب میں خواتین کےساتھ بڑی ناانصافیاں برتی گئی ہیں۔ لیکن اسلام نے خواتین کےساتھ بھی عدل کیا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور اسلام عدل وقسط کے قیام کی بات کرتا ہے۔ اس لیے خواتین کے ضمن میں بھی اسلام نے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں جن کے مطالعہ سے اسلام کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور اس کے امتیازات

سامنے آتے ہیں۔

اسلام نے خواتین کو جس قدر حقوق دیے ہیں دیگر معاشروں میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔زندہ رہنے کا حق:

لڑکوں اور مردوں کی طرح ہی بیٹیوں اور خواتین کو زندہ رہنے کا حق ہے۔اس لیے حالت جنین میں ان کو قتل نہ کیا جائے، ان کی پیدائش پر خوشی کا اظہار ہو اور ساتویں دن عقیقہ کیا جائے۔ ان کو نا حق قتل نہ کیا جائے۔ خواتین کو قتل کرنے کی صورت میں قصاص اور دیت کے قوانین نافذ کیے جائیں۔ اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ اس کو زندہ دفن نہ کیا جائے۔ بلکہ خواتین کو با عزت اپنی زندگی گزارنے کا حق دیا جائے۔ ان کو بوجھ یا بدشگون نہ سمجھا جائے۔

۲۔تعلیم حاصل کرنے کا حق :

دنیا کے علوم و فنون حاصل کرنے کا یکساں حق خواتین کو حاصل ہے، خواتین بھی پڑھیں، لکھیں، فنون میں مہارت پیدا کریں، عصری اور ٹیکنکل تعلیم حاصل کریں۔خواتین دستکاری اور دیگر صنعتوں میں بھی مہارت حاصل کریں۔ علوم و فنون کے شعبہ میں حسب خواہش وحسب لیاقت مہارت حاصل کریں۔ اس تعلق سے اسلام کی تعلیمات کشادہ ہیں اور بچیوں اور خواتین کو اس بات کا حق دیتا ہے کہ علم حاصل کریں اور مہارت پیدا کریں۔بچوں اور بچیوں کی تعلیم میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ علم کے سلسلہ میں اسلام صنفی تفریق کا قائل نہیں ہے۔ بچیاں پردہ کے ساتھ اچھے ماحول میں کوئی بھی تعلیم حاصل کرسکتی ہیں۔ اسلام بے پردہ اور مخلوط تعلیم کا مخالف ہے۔جہاں بیٹیوں کو اپنی عزت و آبرو بچانا مشکل ہوتا ہے۔

۳۔حسن سلوک پانے کا حق:

اسلام نے خواتین کو مردوں سے زیادہ حسن سلوک پانے کا حق دیا ہے۔ وہ بیٹی ہے تو پیار دو، بہن ہے تو احترام کرو، بیوی ہےتو خوش گوار زندگی دو، ماں ہے تو خوش رکھو، ضعیف ہوتو اس کی خدمت کرو، پھوپھی، خالہ اور ممانی ہے تو ماں کا احترام دو۔ ہرصورت میں خواتین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اور خواتین کواس بات کاحق حاصل ہے کہ وہ ہمیشہ حسن

سلوک پائیں۔صرف عورت ہونے کے سبب حقیر سمجھ لینا، زیادہ کام لینا، اس کی ضروریات اور عزت نفس کا خیال نہ رکھنا، اس کی رائے لیے بغیر اس پر نئے نئے کام تھوپنا، مختلف پابندیاں لگاکر زدوکوب کرنا، یہ سب کے سب اعمال اسلام میں ممنوع ہیں۔

۴۔ملکیت رکھنے کا حق:

اسلام نے عورت کو ملکیت کا بھی حق دیاہے۔ اس کی اپنی ملکیت ہوگی، وہ اپنی چیزوں، سامانوں، زیورات، زمین جائداد کی خود ہی مالک ہوگی۔ اور اپنی مرضی سے ان کااستعمال کرسکتی ہے ,اس کومہردیاجائے گا، ہدایا و عطیات دیے جائیں گے، باپ اور دیگر رشتہ داروں سے اس کووراثت ملے گی, اس کا بینک اکاونٹ ہوسکتا ہے، اور ان سب پر اس کو اختیار حاصل ہوگا، حسب ضرورت الگ سے تجارت کرسکتی ہے۔ براہ راست تجارت میں حصہ لے سکتی ہے اور شراکت میں بھی کاروبار کرسکتی ہے۔ اسلام کا نظریہ ملکیت دیگر ادیان کے تصورات سے یکسر مختلف ہے۔ اس میدان میں جنس کی تفریق نہیں ہے۔اس کی ملکیت میں کوئی دوسرا اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا ہے۔ وہ یتیم بچے اور بچیاں جو کسی رشتہ دار کی کفالت میں ہوں جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں یا سوجھ بوجھ کے مالک ہوجائیں تو ان کےمعاملات روز وشب کی طرح کاروبار کے معاملات میں بھی ان کی رائے یا ان کی اجازت لازمی کردی گئی ہے۔

۵۔سماجی خدمات انجام دینے کا حق:

اسلام نے خواتین کونئی نسل کی پرورش وپرداخت کے ساتھ معاشرہ کی تعمیروترقی اور سماجی خدمات کوبھی انجام دینے پرابھارا ہے۔ خواتین کاحق ہے کہ ان کو خوش گوارماحول دیاجائے جس میں وہ خدمت خلق کاکام کرسکیں،حسب سہولت تدریس، دعوت، علاج معالجہ، سماجی بیداری کے پروگرام کا انعقاد اور دیگرسماجی خدمات انجام دیں اور صالح سماج کی تعمیر وتشکیل میں وہ کردار اداکرسکیں۔وہ ایسے پیشے اور مشاغل بھی اختیار کرسکتی ہیں جہاں وہ سماج کی براہ راست خدمت کرسکیں۔

۶۔شوہرکومنتخب کرنے کا حق:

اسلام نے لڑکیوں اور خواتین کویہ حق بھی دیا ہے کہ وہ اپنے شریک زندگی یعنی شوہر کے

لیے اپنی رائے پیش کریں اور فیصلہ دیں، اپنی رضامندی ظاہر کریں اور اپنے شوہر کا انتخاب کریں۔ خواتین کی مرضی کے بغیر زبردستی ان کو کسی کی نکاح میں نہیں دیا جاسکتا ہے، تاکہ وہ اپنی پسند سے اپنی ازدواجی زندگی گزار سکیں کیوں کہ یہی ازدواجی زندگی کا نقطۂ آغاز ہے۔ بالخصوص جب خواتین شوہر دیدہ ہوں تو اس پہلو پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

۷۔نباہ نہ ہونے کی صورت میں علاحدگی کا حق:

میاں بیوی کا جوڑا ایک ایسا بے مثال جوڑا ہے جس کی مثال کسی دوسرے جوڑے یا دوست سے نہیں دی جاسکتی ہے۔یہ رشتہ سراپا الفت، محبت ومؤدت چاہتا ہے اور ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کر کے آگے بڑھا جاتا ہے۔ میاں اور بیوی ایک دوسرے کے لیے رفیق حیات ہیں۔ یہ رشتہ زندگی بھر کا رشتہ ہے۔ پھر بھی خدا نخواستہ کسی وجہ سے اگر ازدواجی زندگی میں مشکلات پیدا ہوجائیں اور باوجود متعدد کوشش کے اصلاح یا نباہ کی کوئی صورت نہ بن پارہی ہو تو شوہر کی طرح عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر سے علاحدگی اختیار کرلے۔ اسی کو شریعت کی اصطلاح میں خلع کہا گیا ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحیح یا مکمل جانکاری نہیں حاصل ہو پاتی ہے اور ضرورت یا جلد بازی کی وجہ سے رشتہ پکا کردیا جاتا ہے۔ پھر جانبین کی ضرورت کے پیش نظر شادی بیاہ کردیا جاتا ہے۔ رخصتی کے بعد ہی دو چار دن میں جانکاری ملتی ہے کہ لڑکا شرابی، لڑکا کا کسی دوسری لڑکی سے ناجائز رابطہ ہے، لڑکے کے عادات و اطوار بالکل نامناسب اور ناقابل برداشت ہیں، یا اس کے اندر ایسی جسمانی عیب ہے کہ کوئی لڑکی اس کے ساتھ بحیثیت بیوی نہیں رہ سکتی ہیں ،ایسی صورت میں علاحدگی ناگزیر ہوجاتی ہے بہ صورت دیگر بیوی کا ایک ایک دن کسی عذاب سے کم نہیں ہوگا۔ اسی لیے اسلام جو دین عدل ہے، اس نے علاحدگی کا ایک بہترین راستہ دیا ہے۔

۸۔وراثت پانے کا حق:

اسلام نے خواتین کو وراثت کا حق دیا ہے۔ بیٹوں کی طرح بیٹیوں کو باپ کی جائیداد میں حصہ دیا جائے گا۔ بلکہ خواتین کی مختلف حالتوں اور حیثیتوں مثلاً: بیٹی، دو بیٹی، بہن، پوتی، بیوی،

ماں، دادی وغیرہ کاذکرکرکے ان کے حقوق بیان کردیےگئے ہیں۔جن حصوں کوکوئی تلف نہیں کرسکتاہے، خواتین کےحق وراثت کوہڑپ کرجانے والوں کوظالم کہاگیاہے اور جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔خواتین کو کم زور سمجھ کو ان کو محروم کردینا بدترین جرم ہے۔ روپیہ پیسہ یا زمین جائیداد کی ضرورت جیسے بیٹوں کو ہے بالکل ویسے ہی ان کی ضرورت بیٹیوں، بہنوں اور جملہ خواتین کو ہے

۹۔فیصلہ کرنے اور رائے دینے کاحق:

خواتین کے اس حق کوبھی اسلام نے تسلیم کیا ہے کہ ان سے متعلق امور میں ان کی رائے لی جائے، خواتین گھریلو معاملات، دینی و سماجی مسائل اور پیش آمدہ دیگر حالات و حادثات میں اپنی رائے دیں بلکہ بعض حالتوں میں ان کو فیصلہ کاحق دیاگیاہے۔ بالخصوص ماں اپنے بچوں کے متعددامور میں فیصلہ کرےگی۔یہی نہیں اگر وہ تعلیم یافتہ ہے، قرآن وحدیث اور فقہ کی ماہر ہے تو اس کی رائے اور تحقیق کی قدر کی جانی چاہیے۔ تاریخ اسلامی میں خواتین کا جو علمی سرمایہ ہے وہ صاف بتاتا ہے کہ خواتین کے علم وفن اور مہارتوں سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

۱۰۔عزت و احترام پانےکاحق:

عورت کی عزت نفس کو اسلام نے تسلیم کیا ہے اور خواتین کو اس بات کاحق دیا ہے کہ وہ عزت و احترام کی مستحق ہے۔ اسے گھراور سماج میں عزت و احترام کے ساتھ رکھاجائے اور اس کی عزت نفس کاخیال کیا جائے۔ خواتین کی عزت نفس کو بالائے طاق رکھ کران کےساتھ معاملہ نہیں کیاجائے گا۔عورت نہ توسامان تجارت ہے اور نہ ہی عورت سامان لذت ہے، عورت نہ ہی محض شہوت کے لیے ہے اور نہ ہی عورت محض تختہ مشق بنانے کے لیےہے۔ عورت باعث سکون وراحت ہے، عورت گھر کی زینت اور محل کی رانی ہے۔ اسے پیار دیں، اس کا احترام کریں، سامان یا محض حیوان نہ سمجھیں۔ افسوس ہے کہ انسانی تاریخ میں جہالت کا دور دورہ تھا اور متعدد بستیوں اور علاقوں میں عورتوں کو بس سامان لذت سمجھ لیا گیا تھا، اس سے شہوت پوری کرلی جاتی اور پھر اسے لاوارث چھوڑ دیا جاتا تھا۔اس کی ضروریات ہی نہیں اس کے جذبات کا بھی کوئی پاس ولحاظ نہیں تھا اور اسے محض حیوان سمجھ لیا گیا تھا۔ بعض جگہوں پر ایسا رواج تھا کہ شوہرکی وفات ہوگئی

تو اس کی بیوی سے زندگی کا حق چھین لیا جاتا تھا اور اسے بھی اس مردہ شوہر کے ساتھ جلادیا جاتا تھا۔اسی عمل کو ستی پرتھا کے نام سے جانا گیا ہے۔

۱۱۔عزت و ناموس کے تحفظ کا حق:

خواتین کو اپنی عزت وناموس کی حفاظت کا مکمل حق حاصل ہے۔ ان کی عزتوں کے ساتھ کوئی کھلواڑ نہیں کرسکتا۔ ان کو بری نگاہوں سے دیکھناجرم ہے، ان کے ساتھ بدکاری کرنا اور زبردستی کرنا، سخت تعزیرات بلکہ قابل گردن زدنی ہے۔ ہر خاتون کو بلکہ ہرنوجوان لڑکی کو تحفظ دیاجائےگا چاہے وہ اکیلی ہو، کم زور ہو، اجنبی جگہ پرہو، کوئی بھی ہواگر وہ عورت ہے تو اس کواپنی عزت وناموس بچانےکاپورا پورا حق حاصل ہے۔

۱۲۔نکاح کا حق:

ہرخاتون کونکاح کاحق حاصل ہے بہ شرطیکہ وہ حق زوجیت اداکرنے کی اہلیت رکھتی ہو کسی بھی خاتون کوخواہ وہ باکرہ ہو، مطلقہ ہو، بیوہ ہویا مختلعہ ہواسے نکاح سے روکانہیں جاسکتاہے۔ اگرخاتون کونکاح کی ضرورت ہے تووہ نکاح کرسکتی ہے۔ ایسا نہیں ہوگاکہ شوہرکسی وجہ سے طلاق دےدے، یا اچانک وفات پاجائے یا خاتون کوخلع پرمجبورکردے تواب رشتہ نکاح ختم ہوجانے کے بعد وہ ہمیشہ تا حیات بلاشوہرزندگی بسرکرے۔

۱۳۔کفالت پانے کا حق:

خواتین کواسلام نے محنت ومشقت اور مزدوری سےآزاد کیا ہے۔ ان کی فطری کم زوریوں اور بالخصوص ان کی عزت و ناموس کےتحفظ کےپیش نظران کوقریبی اور خونی رشتہ داروں کی کفالت میں دے دیا ہے۔ عورت اگر ماں ہے توبیٹے اس کی ضروریات کاانتظام کریں گے، عورت اگر بہن ہے تو اس کے بھائی اس کی کفالت کریں گے، عورت اگربیوی ہے تو اس کاشوہراس کی ساری ضروریات اور اخراجات کا نظم کرے گا۔ خواتین کومزدوری، پرمشقت نوکریوں اور کمائی کے لیے جبر نہیں کیاجائےگا۔حسب ضرورت خوش گوار ماحول میں وہ کام کرسکتی ہے البتہ اس کے لیے اسے مجبورنہیں کیاجائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ خواتین کواسلام نے جملہ بنیادی انسانی حقوق دیے ہیں۔ یہ اسلام کاامتیاز

ہے کہ خواتین کو عزت کے ساتھ اور خوش گوار ماحول میں زندگی گزارنے کا موقع دیا ہے۔ آج بھی دنیا کو اسلام کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ اسلام نے خواتین کو ایسے جامع اور متوازن حقوق عطا کیے ہیں جن کی مثال دنیا کے کسی اور مذہب یا معاشرتی نظام میں نہیں ملتی۔ اسلام نے عورت کو زندگی کا حق دیا کہ اسے حالتِ جنین میں قتل نہ کیا جائے اور نہ اسے بوجھ یا نحوست سمجھا جائے، بلکہ عزت و احترام کے ساتھ پرورش دی جائے۔ اسے علم حاصل کرنے کا حق دیا گیا تاکہ وہ دین و دنیا کے تمام ضروری علوم میں مہارت پیدا کرے اور اپنی صلاحیتوں سے معاشرے کی تعمیر میں حصہ لے۔ عورت کو حسنِ سلوک پانے، اپنی ملکیت رکھنے اور تجارت کرنے کا حق حاصل ہے، وہ اپنے مال، جائیداد اور مہر کی خود مختار مالک ہے۔ اسلام نے عورت کو سماجی خدمات انجام دینے، شوہر کے انتخاب اور ازدواجی زندگی میں اپنی مرضی کے اظہار کا حق دیا ہے، اور اگر نباہ ممکن نہ ہو تو خلع کے ذریعے علاحدگی کا بھی اختیار دیا ہے۔ وراثت میں عورت کو بیٹی، ماں، بہن اور بیوی کی حیثیت سے واضح حصہ دیا گیا، اس کی رائے کو اہمیت دی گئی، اور اسے معاشرتی و دینی امور میں فیصلہ کا حق دیا گیا۔ اسلام نے عورت کی عزت و احترام کو لازم قرار دیا اور اسے محض لذت یا تجارت کا سامان نہیں بلکہ عزت و وقار کی حامل ہستی قرار دیا ہے۔ عورت کو اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کا پورا حق دیا گیا ہے اور کسی بھی بدعملی یا ظلم کے خلاف سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ نکاح کے حق کے ذریعے اسلام نے عورت کی فطری ضرورتوں کا لحاظ رکھا اور اسے جبر سے آزاد کیا۔ اسی طرح عورت کو کفالت پانے کا حق دے کر معاشی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی تاکہ وہ باعزت اور پُرسکون زندگی گزار سکے۔ الغرض اسلام نے عورت کو جملہ انسانی حقوق عطا کیے ہیں — زندگی، تعلیم، عزت، ملکیت، رائے، وراثت اور معاشرتی کردار کے وہ تمام حقوق جو دیگر مذاہب میں نہیں تھے اور نا آج کسی مذہب میں ہیں۔ یہی اسلام کی وہ خوب صورتی اور عدل پسندی ہے جو آج بھی دنیا کو حقیقی انصاف اور انسانی مساوات کا پیغام دیتی ہے۔

اسلام نے خواتین کو نہ صرف عظیم حقوق عطا کیے ہیں بلکہ ان پر ایسے فرائض بھی

عائد کیے ہیں جو ایک صالح معاشرہ کے قیام کی بنیاد بنتے ہیں۔ عورت پر سب سے پہلا فرض علم حاصل کرنا ہے تاکہ وہ دین کی ضروری تعلیمات اور دنیاوی مہارتوں سے واقف ہو۔ وہ اپنی زندگی میں اسلام کی عملی تصویر بنے، اپنے کردار و گفتار سے دین کی سچائی کو ظاہر کرے۔ عورت کا اصل وقار اسی میں ہے کہ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی تربیت اسلامی اصولوں پر کرے، اپنے بچوں کے دلوں میں ایمان، اخلاق اور شرافت کی روشنی جگائے۔ اسلام عورت کو صرف گھر کی چہار دیواری میں محدود نہیں کرتا بلکہ تعلیم و تدریس اور اصلاح معاشرہ میں کردار ادا کرنے کی بھی ترغیب دیتا ہے۔

عورت کے فرائض میں شوہر کی اطاعت، اس کے حقوق کی پاس داری، اور خاندان کی عزت و ناموس کی حفاظت شامل ہے۔ وہ پاکیزگی، حیا اور پردے کو اپنی زینت بنائے اور بے حیائی و فحاشی سے خود کو دور رکھے۔ عورت پر لازم ہے کہ وہ نیکیوں میں پیش قدمی کرے، عبادت، دعا اور خدمتِ خلق میں سرگرم رہے۔ اسی طرح دین کی حفاظت، اس کی اشاعت اور اخلاقی قدروں کے فروغ میں بھی خواتین کا کردار نہایت اہم ہے۔ اگر عورت اپنی ذمہ داریوں کو پہچان کر ان پر عمل کرے تو وہ نہ صرف اپنے خاندان بلکہ پورے معاشرے کے لیے ہدایت، سکون اور نیکی کا سرچشمہ بن سکتی ہے۔

مشق وسوالات:

(الف) مختصر سوالات:

۱. خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کا حق کس نے دیا؟

۲. اسلام میں خواتین کو جائیداد میں حصہ دینے کی وضاحت کہاں کی گئی ہے؟

۳. خواتین کو معاشرتی اور سماجی زندگی میں حصہ لینے کا حق کب سے حاصل ہے؟

۴. عصر حاضر میں خواتین کے حقوق کی خلاف ورزی کی چند مثالیں دیں۔

۵. خواتین کے حقوق کی پاس داری معاشرتی ترقی کے لیے کیوں ضروری ہے؟

(ب) تفصیلی سوالات:

ا. خواتین کو وراثت پانے کا حق دیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت کریں۔
۲. معاشرے میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے آپ کیا اقدامات تجویز کریں گے؟
۳. خواتین کے حقوق پر ایک مختصر پریزینٹیشن یا تقریر تیار کریں۔
۴. اپنے گھر یا محلے میں خواتین کے حقوق کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیں اور سفارشات لکھیں۔
۵. اسلام نے خواتین کو کیا کیا حقوق دیئے ہیں؟

(ج) صحیح یا غلط کا نشان لگائیں۔

ا. خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔
۲. اسلام میں خواتین کو جائیداد میں حصہ دیا گیا ہے۔
۳. خواتین صرف گھریلو کاموں تک محدود رہیں اور معاشرتی ذمہ داریاں نہ لیں۔
۴. خواتین کے حقوق کی پاس داری معاشرتی ترقی میں مددگار ہے۔
۵. عصر حاضر میں خواتین کی ترقی اور چیلنجز دونوں موجود ہیں۔
۶. بیوہ خواتین کو شادی نہیں کرنی چاہیئے۔
۷. بچیوں کو اعلیٰ تعلیم دلانا ضروری ہے۔
۸. خواتین ٹیکنکل تعلیم نہیں حاصل کر سکتی ہے۔

عملی کام ا: ایک گروپ میں خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے نمونہ مہم تیار کریں:

- ○ چھوٹے پوسٹر یا پریزینٹیشن کی شکل میں پیش کریں
- ○ تعلیمی اور سماجی آگاہی کے طریقے
- ○ قانونی حقوق کے بارے میں معلومات

خواتین کے حقوق

عملی کام ۲:

ایک مختصر مضمون یا تقریر تیار کریں:

- اپنی ذاتی رائے اور تجاویز
- عصر حاضر میں خواتین کے حقوق کی اہمیت
- معاشرتی ترقی میں خواتین کے کردار

سبق نمبر ۱۱

نیپال کے قومی اخبارات اور اردو صحافت

کہا جاتا ہے کہ "قلم ایک ایسا چراغ ہے جو تاریکی میں روشنی بکھیرتا ہے، اور صحافت وہ روشنی ہے جو ملک کے کونے کونے کو منور کرتی ہے"۔نیپال کی صحافت بھی ایک خاموش صدا تھی، جو وقت کے ساتھ بتدریج پختہ ہوتی گئی اور آج یہ پوری قوت سے بولتی ہے۔یہ ایک ایسا سفر ہے جو سچ کی تلاش میں کبھی آہستہ چلا، کبھی طوفانوں سے ٹکرایا، اور آج بھی رواں رواں ہے

میڈیا یا ابلاغ کا تعلق دراصل انسانی تخلیق سے جڑا ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا تو اسے سوچنے، سمجھنے اور بات چیت کرنے کی قوت عطا کی۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:"وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا" البقرہ: ۳۱)یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔یہی انسان کے اندر ابلاغ اور زبان کی بنیاد بنی۔ جدید میڈیا کے ذریعے ــــ ابلاغ کی صلاحیت دراصل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے، جو وحی، علم اور عقل کے ذریعے مسلسل آگے

بڑھتی رہی ہے۔

۱۵۷ ق م میں ایک قلمی خبر نامہ ایکٹا (Acta) جاری ہوا۔ محققین یہیں سے پرنٹ میڈیا کا آغاز بتاتے ہیں۔ مگر اس دور میں کاغذ موجود نہیں تھا۔ اس سمت چین نے ترقی کی اور ریشم کے کپڑوں پر کتب،رسائل اور خبرنامے لکھے جانے لگے۔پھر چین میں ہی ۱۰۵ء میں کاغذ ایجاد ہو گیا،جس نے میڈیا کے ارتقا میں اہم کردار اداکیا ۔۱۵۶ء میں شہر وینس میں ایک شخص قلمی نوٹ لے کر کھڑے ہوکر خبریں سناتا تھا اور ہر خبر سننے والے سے وہاں کا رائج سکہ 'گزیٹا' (Gazetta) وصول کرتا تھا۔ اسی گزیٹا سے گزٹ نام پڑا اور آج اخبارات اور بہت سے سرکاری کاغذات پر گزٹ کا اطلاق ہوتا ہے۔اس کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں سمر قند میں کاغذ کا پہلا کارخانہ قائم ہوا۔

عرب میں ساتویں صدی کے وسط میں ہی تحریر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، جب ہمارے پیارے نبی جناب حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھواکر اپنے پیامبروں کے ذریعہ ان تک پہنچانے کا نظم کیا اور قرآن و حدیث کو تحریر میں لاکر پوری دنیا کے سامنے پیش کیا۔حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرف مزید پیش قدمی ہوئی، عہد عباسی میں خلافت کی خبروں کے لیے خلیفہ ہارون الرشید نے محکمہ ذرائع ابلاغ (برید کے محکمے) کو مضبوط کیا۔ ہندوستان میں محمد بن تغلق نے نظام خبر رسانی میں کمال پیدا کیا۔برصغیر ہند میں پہلی مرتبہ خبروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لیے تیز رفتار ذرائع استعمال کیے گئے۔الغرض جب انسانی معاشرہ کسی قدر منظّم ہوا،تو خبروں کی ترسیل کی کئی صورتیں رائج ہوئیں۔

سولہویں صدی میں انگلستان میں عوامی اطلاعات کے لیےحکومت نے نیوز شیٹ (News Sheet)کے نام سے ایک خبرنامہ جاری کرکے عوام کو اطلاع دینا شروع کیا۔ اس طرح یوروپی ممالک میں مطبوعہ صحافت کا آغاز سترہویں صدی عیسوی میں ہوا اور چالیس سال کے عرصے میں تمام یوروپی ممالک سے اخبارات شائع ہونے لگے۔ پہلا اخبار جرمنی سے "اریزا ریلیشن اوڈر زیٹنگ" (Ariza relation Oder Zeiting) تھا، جو ۱۶۰۹ عیسوی میں جاری ہوا۔برطانیہ سے پہلا مطبوعہ اخبار ویکلی نیوز (Weekly News) ۱۶۲۰ عیسوی میں جاری ہوا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ امریکہ سے ۱۶۹۰ عیسوی میں پبلک اکورینسیز (Public Occurrences)جاری ہوا۔

نیپال کے قومی اخبارات اور اردو صحافت

ذرائع ابلاغ (اخبارات و جرائد ،ریڈیو اور ٹیلی ویژن) کسی بھی ملک کا چوتھا ستون کہلاتا ہے، اس کا پہلا حصہ انتظامیہ دوسرا مقنّنہ یعنی قانون ساز تیسرا عدلیہ یعنی عدالتی نظام اور چوتھا میڈیا یا ذرائع ابلاغ۔ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عام انسانوں کی تربیت ہوتی ہے ، صحیح اور غلط میں تمیز پیدا کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے، ظلم کے خلاف رائے عامہ ہم وار کرنا ممکن ہوتا ہے،علم ،سائنس، ٹیکنالوجی، ادب ، تفریح اور عالمی صورت حال سے کما حقہ واقفیت حاصل ہوتی ہے، غرض ذرائع ابلاغ کسی بھی قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتے ہیں جن کا صحیح استعمال قوموں کو بام عروج تک پہنچاتا ہے۔

نیپال جیسے مختلف مذاہب، قبائل، برادریاں اور بولیاں،متعدد طور طریقوں اور ثقافتوں سے مالا مال ملک میں صحافت اور ذرائع ابلاغ مثلاً اخبارات، رسائل و جرائد اور الیکٹرانک میڈیا کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں اطلاعاتی نظام کی ابتدا زبانی روایات سے ہوئی۔ پرانے زمانے میں بادشاہ یا انتظامی ادارے عوام تک خبریں پہنچانے کے لیے منادی کیا کرتے تھے، ڈھول بجا کر یا گھنٹی بجا کر احکام اور اطلاعات سناتے تھے۔ زمانہ کی تیز رفتار ترقی کے ساتھ نیپال میں بھی صحافت کا آغاز ہوا۔ رانا دور حکومت اس کا آغاز بتایا جاتا ہے، گرچہ رانا حکمرانوں کے دور حکمرانی میں ذرائع ابلاغ پر سخت پہرہ ہوتا تھا، حکومت کی کوئی کم زوری باہر نہیں آنے دی جاتی تھی، حکومت کے خلا ف بولنے ،لکھنے اور آواز بلند کرنے پر سخت پہرہ تھا۔مگر اسی دور میں پریس اور چھاپہ خانہ کا آغاز ہوا۔ سن ۱۸۵۱ سمبت میں وزیر اعظم جودھ شمشیر نے چھاپہ خانہ کی بنیاد ڈالی۔ سن ۱۹۵۸ سمبت میں نیپال کا پہلا اخبار گورکھا پتر جاری کیا، مگر اس ابتدائی دورمیں صحافت آزاد نہ تھی۔گورکھاپتر ایک قیدی پرندے کی مانند تھا، جو صرف اتنا گاتا ،جتنا اسے کہا جاتا۔خبریں صرف حکومت کی مدح سرائی تک محدود تھیں۔یہ صحافت نہیں، حکمراں کی بازگشت تھی۔

۱۹۵۱ء میں جب جمہوریت کا سورج طلوع ہوا، تو صحافت نے بھی نئی سانس لی۔اب وہ قیدی پرندہ پنجرہ توڑ کر آسمان پر پرواز کرنے لگا۔نئے اخبارات، نئی آوازیں، اور نئے سوالات سامنے آئے۔"نیا نگرن"، "حال خبر"، "جاگرن" "جنتا"،"سوتنترتا"، اور "درپن" جیسے اخبارات عوام کی زبان بن گئے۔ ان اخباروں نے جمہوری اقدار پھیلانے میں اہم کردار نبھایا۔

علم کی روشنی – صحافت کی تعلیم:۔ صحافت ایک ہنر ہے، اور ہنر سیکھنا پڑتا ہے۔اسی لیے ۱۹۷۶ء میں رتن راجیہ لکشمی کیمپس میں صحافت کی تعلیم کا آغاز ہوا، پھر پاٹن کیمپس اور نیپال پریس انسٹی ٹیوٹ نے بھی علم کی شمع جلائی۔یہ شمعیں آج بھی علم کے اندھیروں کو دور کر رہی ہیں۔

پابندیوں کا سیاہ دور – پنچایت کا سایا:۔ ۱۹۶۰ء کے بعد نیپال میں پنچایتی نظام نے پھر سے صحافت پر تالے ڈال دیے۔قلم کو توڑ دیا گیا، زبان کو بند کیا گیا،مگر سچ کی چنگاری کبھی نہیں بجھتی۔اگرچہ صحافت نے خاموشی کی ردا اوڑھ لی، مگر دل میں طوفان چھپا لیا۔

پنچایتی دور کے اہم اخبارات:۔ گورکھا پتر نیپال اور The Gorkha Patra بہ زبان انگریزی اور سرکاری اجازت یافتہ کچھ ہفت روزہ اور ماہانہ اخبارات نکلا کرتے تھے۔ یہ سارے اخبارات و جرائد خصوصی طور پر سرکاری پالیسی،پروگرام اور شاہی فرامین کی تشہیر کے لیے بطور سرکاری ترجمان نکالے جاتے تھے۔

ریڈیو، ٹی وی اور آن لائن صحافت :نئی راہیں، نئی آوازیں:۔ ۱۹۸۵ء میں نیپال ٹی وی نے آنکھ کھولی،۱۹۹۷ء میں ریڈیو ساگرماتھا نے عوام کی بات عوام تک پہنچائی، ۲۰۰۱ء میں چینل نیپال نے سیٹلائٹ کی دنیا میں قدم رکھا،اور پھر انٹرنیٹ کی تیز ہواؤں نے صحافت کو پورے جہاں سے جوڑ دیا۔آج ہر فرد ایک خبر رساں ہے، اور ہر موبائل ایک پریس!

آج نیپال میں صحافت ایک تناور درخت ہے، جس کی شاخیں ریڈیو، ٹی وی، اخبار، اور آن لائن میڈیا تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کانتی پتر، اناپورنا پوسٹ، گورکھاپتر، کاٹھمانڈو پوسٹ جیسے اخبارات قومی خیالات کے آئینہ دار ہیں۔یہ صحافت صرف خبر نہیں دیتی، شعور بیدار کرتی ہے،یہ صرف آواز نہیں، ضمیر کی صدا ہے!

عوامی انقلاب کے بعد کے دور جدید میں جمہوریت کی از سر نو بحالی ہوئی، ساتھ ہی صحافتی دنیا میں بھی بے مثال ترقی ہوئی۔نجی طور پر آزاد صحافت نے اپنے بال و پر پھیلائے اور عوام الناس کو ملک و بیرون ملک کی صحیح اور سچی خبروں سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔صحافیوں اور مدیروں نے اپنے قیمتی اداریوں کے ذریعہ ملک کو صحیح سمت دینے میں بھر پور کردار ادا کیا، حکومتوں کی غلط پالیسیوں پر تنقیدیں کیں، عوام میں انسانی اقدار کو بلند کرنے کا فریضہ انجام پایا،بھید بھاؤ، چھوت چھات جیسی

سماجی برائیوں پر کھلی تنقیدیں کی گئیں اور نیپالی عوام کو پوری دنیا سے جوڑا گیا۔

نیپال کے مشہور اخبارات و جرائد:

گورکھا پتر،ڈیلی ناگرک،دی رائزنگ نیپال (ڈیلی انگریزی)،دی ہمالین ٹائمس (انگریزی)، کانتی پور (ڈیلی نیپالی)،ریپبلیکا،نیپال سماچار پتر (ڈیلی) ہفتہ واری انّ پورن پوسٹ (انگریزی)، نیپال خبر پتریکا (ڈیلی انگریزی)،نیپال ٹائمس(انگریزی)،ہمال خبر پتریکا (انگریزی)، ساجھا بچار،وویک شیل سماج،ترجمان ملت (اردو) سنسری،سہ ماہی پیغام(اردو) کاٹھمانڈو، ماہنامہ نور توحید جھنڈانگر (اردو)،مدھور سندیش،(نیپالی) کاٹھمانڈو،السراج کرشنا نگر، کپل وستو ، البینہ(اردو) مرچیا، سرہا،اردو ٹائمز کاٹھمانڈو۔
اس طرح آزاد جمہوری اور سیکولر نیپال میں مختلف ذرائع ابلاغ نے آزادانہ اپنی بات کہنے میں اور ملک و سماج کی تعمیر میں بھرپور کردار ادا کرنا شروع کیا۔

نیپالی صحافت میں مسلم صحافی اور اردو ذرائع ابلاغ

اردو زبان اور مسلم صحافی:۔ نیپالی صحافت میں مسلم صحافیوں نے بھی اہم خدمات انجام دی ہیں۔ نیپال گنج کے سینئر صحافی لیاقت علی کو پہلا مسلم صحافی مانا جاتا ہے۔ ان کے بعد مولانا خالد صدیقی، عبداللہ مدنی، محمد ذاکر حسین، سراج خان، رحمت اللہ میاں معروف صحافی کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ رحمت اللہ میاں جو باضابطہ طور پر نیپال کے صحافی ہیں، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلم صحافت کی حیثیت سے باضابطہ صحافت میں ماسٹر ڈگری حاصل کی، صحافت کا لائیسنس حاصل کیا، برسوں سےنیپال پریس کاؤنسل میں ملازمت کر رہے ہیں اور ابھی وہ سکریٹری کی پوزیشن پر

فائز ہیں، اسی طرح ہارون حلوائی، محمد عارف انصاری، تاویل انصاری جیسے صحافیوں نے نہ صرف نیپالی بلکہ اردو صحافت میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ جدید دور میں صحافی جیسے غنی انصاری جو عرصے تک بی بی سی سروس میں خدمات انجام دیتے رہے، فاطمہ میاں، افروز ارپن، اقبال احمد، اشتیاق احمد اور معلم انصاری نے صحافت کو مزید فروغ دیا۔ ان میں سے کچھ صحافی نیپال جرنلسٹس فیڈریشن اور بین الاقوامی نیٹ ورکس میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

نیپال میں اردو صحافت نے مسلم برادری میں مذہبی، سماجی اور ثقافتی شعور کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کاٹھمانڈو کے شیخ عبدالسلام خان نے کچھ عرصے تک گورکھا پتر میں اردو صفحہ شائع کیا۔ مولانا خالد صدیقی نے "شاہین" ماہنامہ شائع کیا، جو بعد میں بند ہوگیا۔ نیپال گنج سے ہفتہ وار "نشیمن" شائع ہوتا رہا۔ کاٹھمانڈو سے اتحاد تنظیم نے ٹیبلوئیڈ "نئ صدی" نکالا، جس میں محمد ذاکر حسین اور عادل سرور نے اردو صحافت میں ڈیزائن، پرنٹنگ اور ایڈیٹنگ میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد میں ظفر جمالی نے اسے جاری رکھا۔دیگر اردو رسائل میں جنک پور سے "صدائے ملت"، کرشنا نگر سے "السراج"، مرکز التّوحید سے "نورِ توحید"، دارالعلوم، نورالاسلام جلپا پور سے "ترجمان ملت"، مرچیا سے "البینہ" اور الحراء ایجوکیشنل سوسائٹی نیپال سے سہ ماہی "پیغام" وغیرہ شامل ہیں، پیغام تقریباً ۳۰ سالوں سے مستقل شائع ہو رہا ہے۔

نیپالی زبان میں اسلامی جرائد کی شروعات ۱۹۹۲ ءمیں ہوئی، جب محمد ذاکر حسین (ایڈیٹر) اور ڈاکٹر شریف عالم (پبلشر) نے "مدھور سندیش" شائع کیا۔ ۲۰۵۴ کے قریب کاٹھمانڈو سے "ہمارا سوغات" ماہنامہ شائع ہوا، جس میں مولانا ابو بکر ندوی اور محمد ذاکر حسین نے اہم کردار نبھایا۔ اسی طرح ریاستی روزنامہ گورکھاپتر میں ہر پندرہ دن میں اردو صفحہ شائع ہوتا ہے۔ ریڈیو نیپال میں اردو خبریں اور "گلشنِ نیپال" پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ نیپال ٹیلی ویژن اور مختلف ایف ایم ریڈیو اسٹیشنز بھی اردو پروگرام نشر کرتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں اردو صحافت نے آن لائن صحافت کو رواج دیا ہے اور لوگوں کو اس سے کافی مدد ملی ہے۔ اس طرح نیپال میں اردو صحافت اور ذرائع ابلاغ نے نہ صرف مذہبی، سماجی اور ثقافتی شعور کو فروغ دیا بلکہ مسلم برادری کو قومی دھارے میں جوڑنے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

مجموعی جائزہ:۔ نیپال کی صحافت آج ایک ایسے مقام پر ہے جہاں آزادیٔ اظہار اور پیشہ ورانہ صحافت کی روایت مضبوط ہو رہی ہے۔ نیپالی صحافت عوامی رائے کی نمائندہ ہے، انگریزی صحافت نیپال کا عالمی چہرہ ہے، جب کہ اردو صحافت اقلیتی طبقے کی تہذیبی اور فکری بقا کی ضامن ہے۔یوں کہا جا سکتا ہے کہ نیپال کی موجودہ صحافت اس سرزمین کی ثقافتی تنوع، جمہوری جدوجہد اور سماجی ارتقا کا مصور اور آئینہ دار ہے۔ صحافت بھی کیا نرالا فن ہے! کبھی تو یوں لگتا ہے جیسے یہ قوم کے دل کی دھڑکن ہو، جو ہر لمحہ حالات کی خبر دے رہی ہو، اور کبھی ایسا گمان ہوتا ہے کہ یہ ایک آئینہ ہے، جس میں زمانے کی صورت صاف دکھائی دیتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ آئینہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقیقت کو دکھا کر بھی کچھ پردے میں رکھتا ہے۔اخبار کھولیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا جہاں ایک ہی کاغذ میں سمٹ آیا ہے۔ کہیں پارلیمنٹ کی گرما گرمی ہے، کہیں کھیتوں میں فصل کی کمیابی، کہیں غریب کی آہ و زاری کی گونج، تو کہیں امیر کے عشرت کدے کا تذکرہ۔ گویا صحافت نے دنیا کو ایک طشتری میں رکھ کر ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صحافت کے بغیر زندگی کچھ سنسان سی محسوس ہوتی ہے۔ ذرا سوچیے کہ اگر صبح صبح چائے کی پیالی کے ساتھ اخبار نہ ملے، تو دن کا آغاز کیسا پھیکا لگے گا۔ معلوم ہی نہ ہو کہ رات بھر دنیا میں کیا کیا ہوا، کس ملک میں جنگ چھڑی، کس شہر میں امن قائم ہوا، کون گرا، کون اٹھا۔ کس کی شامت آئی اور کس کی ظفر مندی۔ انسان کی یہ فطری جستجو بھی صحافت ہی پوری کرتی ہے۔

البتہ صحافت کبھی کبھی شرارتی بچہ بھی بن جاتی ہے، وہ بچہ جو بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے اور معمولی سی خبر کو طوفان بنا دیتا ہے۔ مگر یہی اس کی دل کشی بھی ہے۔یوں سمجھیے کہ صحافت ہمارے عہد کی وہ زبان ہے جو بولتی نہیں لکھتی ہے، یہ وہ چراغ ہے جس کی روشنی میں ہم زمانے کے راستے دیکھتے ہیں اور ملک ترقی کی راہیں طے کرتا ہے۔ ہاں! کبھی کبھی یہ چراغ ٹمٹما تا ہے، مگر پھر بھی اندھیرے سے بہتر ہے۔

پریس کے ایجاد کے بعد خبروں اور فرامین کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچانا آسان ہوگیا ،ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ایجاد نے ذرائع ابلاغ کو بام عروج تک پہنچایا اور آج موبائل کے ایجاد نے ہر شخص کو اس قابل بنادیا ہے کہ وہ اپنی بات پوری دنیا کے سامنے بآسانی رکھ

سکے، یہ ایجادات اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، جن کا صحیح استعمال کر کے انسانیت کی بھلائی کا بڑا سے بڑا کام انجام دیا جا سکتا ہے، مگر جب ہم اللہ کی ان نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں تو خود ہم اپنا اور پوری انسانیت کا نقصان کرتے ہیں۔

مشق اور سوالات:

(الف) مختصر سوالات

۱. "ہامرو سوغات" ماہنامہ کے مدیر کون تھے؟

۲. بی بی سی نیپالی سروس میں مسلم نیوز ریڈر کا نام لکھیں۔

۳. گورکھاپتر کب اور کس نے شروع کیا؟

۴. لیاقت علی کہاں سے ہیں؟ اور فاطمہ میاں کون ہیں؟

۵. مولانا خالد صدیقی نے کون سا اردو ماہنامہ شائع کیا؟

۶. محمد ذاکر حسین نے کس صحافت میں حصہ لیا؟

۷. ٹیلی ویژن پر اردو پروگرام کب شروع ہوئے؟

۸. رحمت اللہ میاں کے بارے میں مختصر بیان کریں۔

(ب) خالی جگہ پُر کریں۔

۱. نیپال میں صحافت کا آغاز ______ سے ہوا۔

۲. اردو پروگرام ریڈیو نیپال پر ______ کے طور پر نشر ہوتے ہیں۔

۳. "شاہین" اردو ______ تھا۔

(ج)اردو قواعد:۔ فعل کے صحیح شکل کا انتخاب :

۱. محمد ذاکر حسین نے اخبار ______ (شائع کیا / شائع کرتے ہیں)۔

۲. رحمت اللہ میاں نے صحافت میں ماسٹر ______ (کیا / کرتے ہیں)۔

(د) جملے کو سوالیہ شکل میں تبدیل کریں۔

۱. محمد ذاکر حسین نے اخبار شائع کیا۔

۲. گورکھاپتر نیپال کا پہلا سرکاری روزنامہ تھا۔

(ہ) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے نشان بھی لگائیں:۔ (☑ /☒)

۱. "شاہین" اردو ماہنامہ تھا۔

۲. گورکھاپتر نجی اخبار تھا۔

۳. لیاقت علی نیپال کے پہلے مسلم صحافی ہیں۔

(و) مترادف الفاظ کی پہچان

۱. اطلاعات = ______

۲. محدودیت = ______

۳. شعور = ______

۴. ذرائع = ______

۵. چھاپہ خانہ = ______

حج کا سفر

عبدالقادر اور عبدالصمد دونوں ہم جماعت ،ہم سایہ اور جگری دوست تھے۔ دونوں کو پڑھنے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اس کے ساتھ ہی دینی اجتماعات میں جانا اور علمائے کرام کے خطابات کو سننا، اُن کو بہت پسند تھا۔ ذوقعدہ کا پہلا ہفتہ تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد امام صاحب نے اعلان کیا کہ کل صبح دس بجے مسجد میں ایک اہم پروگرام رکھا گیا ہے۔ جو لوگ اس سال حج کو جارہے ہیں ،ان کی تعلیم کے لیے یہ پروگرام ہے۔ تین جید علمائے کرام کا خطاب ہوگا اور حج کا طریقہ بیان کیا جائے گا۔ اگلے دن اتفاق سے اسکول بھی بند تھا۔ عازمین حجاج کے اس پروگرام میں اپنے والدین کے ساتھ عبدالقادر اور عبد الصمد نے بھی شرکت کی۔

باری باری تین علمائے کرام نے خطاب کیا۔ نیا موضوع تھا, حج کی اہمیت اور سفر حج کا علم ہوا اور اب ان دونوں کو حج کے بارے مزید جاننے کا شوق پیدا ہوگیا۔ یہ دونوں کچھ سوال کرنا چاہ رہے تھے لیکن سوال نہیں کرنے دیا گیا۔گھر پہنچے کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا لیکن حج کے سلسلہ میں جاننے کی خواہش ہچکولے لے رہی تھی۔ عصر کی نماز کے بعد یہ دونوں مسجد سے نکلے اور سیدھے مولانا عبدالرحمٰن ندوی صاحب کے گھر گئے۔ اور کہا چچا محترم !آج ہمیں حج کے بارے

میں بالکل تفصیل سے بتائیں۔ آپ ماشاءاللہ عالم دین ہیں اور ابھی گزشتہ سال اللہ نے آپ کو حج کی سعادت بخشی ہے ،اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے حج کا سفر اور اس کے احوال سنیں۔

مولانا نے کہا کہ آج مجھے عصر بعد بازار جانا تھا اور جو دوکان کرایہ پر دے رکھا ہوں ،اس کا حساب راشد بھائی سے کرنا ہے۔ لیکن آپ لوگ تشریف رکھیں، پہلے اُن کو فون کردیتا ہوں کہ یہ کام کل کروں گا۔

پانچ منٹ بعد کھجور اور تین گلاس پانی ایک ٹرے میں لیے مہمان خانہ میں داخل ہوتے ہی بولے۔عزیز بچو! مجھے بڑی خوشی ہے اور آج بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے حج کی توفیق ملی اور مجھے اپنے حج کے سفر اور مکہ مکرمہ میں گزرے احوال کو بیان کرنا، بھی اچھا لگتا ہے کیوں کہ اسے سن اور جان کر لوگوں کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے اور وہ حج کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔

کئی سالوں سے ارادہ بنا رہا تھا لیکن گزشتہ سال مجھے حج کی توفیق ملی ہے الحمدللہ۔ میرے پانچ بیٹے ہیں اور سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور الحمدللہ برسر روزگار بھی ہیں۔ گھر کے معاملات اور مسائل پر غور کرنے اور باہم مشورے کے لیے انھوں نے ایک واٹس ایپ گروپ بنا رکھا ہے۔ اسی گروپ میں سب نے باہم مشورہ کرکے محرم الحرام میں ہی مجھے بتا دیا تھا کہ اس سال آپ لوگوں کو حج کرنا ہے، ہم لوگ پیسوں کا انتظام کررہے ہیں۔ مجھے حج کا طریقہ اور ساری چیزیں معلوم تھیں، اس کے باوجود اس درمیان میں نے حج پر لکھی گئی تین کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ یہ کتابیں ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی، مولانا عبداللہ مدنی اور مولانا محمد حسن حبیب فلاحی کی لکھی ہوئی تھیں۔

حج کمیٹی کی جانب سے اعلان ہوتے ہی ساری کارروائیاں میرے چھوٹے بیٹے نے مکمل کرلی۔ حج کمیٹی کے اعلان کے مطابق وقت پر کاٹھمانڈو پہنچنا تھا۔ بچوں کے ساتھ ایک گاڑی ریزرو کرکے بھیرہوا ایئرپورٹ سے کاٹھمانڈو بذریعہ فلائٹ صبح پہنچا۔ کشمیری مسجد میں عازمین کے لیے قیام کا انتظام تھا۔ اسی دن ویکسین لیا، ویزہ حاصل کیا اور پیسے ایکسچینج کروالیے۔ اگلے دن فلائٹ سے روانہ ہونا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد ہی غسل کرکے احرام پہن لیا اور بس سے ایئر پورٹ

پہنچا۔ وہاں ایک جم غفیر تھا۔ آج کپلوستو اور روپندیہی کے حاجیوں کی پرواز تھی۔ حاجی حضرات اور گھر کے دیگر عزیز و اقارب ملاقات اور رخصت کرنے کے لئےایئر پورٹ حاضر تھے۔بعض علمائےکرام کو دیکھا وہ سب سے ملاقاتیں کررہے تھے۔ وہاں کچھ نوجوانوں کو دیکھا حاجی حضرات کی خدمت میں مصروف تھے۔ ہماری فلائٹ ٹھیک وقت پر روانہ ہوئی اور جدہ ائیرپورٹ سے قبل ہی اعلان کیا گیا کہ اب پانچ منٹ میں ہم لوگ میقات کے حدود میں داخل ہورہے ہیں۔ سارے حاجی حضرات حج کی نیت کرلیں اور حدود کی علامت آتے ہی بلند اواز سے اللھم لبیک عمرۃ متمتعا الی الحج کہیں۔ سیٹ کے سامنے اسکرین پر جیسے ہی حدودِ میقات کی علامت ظاہر ہوئی ،جہاز پر سوار جملہ مرد و خواتین نے بلند آوازسے لبیک پکارنا شروع کردیا۔ پھر کچھ ہی دیر بعد ہم جدہ ائیر پورٹ پر تھے۔ ایئر پورٹ بہت بڑا تھا اور کئی کلومیٹر میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ مصروف ترین ایئر پورٹ ہے۔مستقل جہازوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ درجنوں جہازیں تیار کھڑی تھیں اور اپنے وقت کا انتظار کررہی تھیں۔ باہر جانے والے راستہ کی طرف بڑھے تو پہلی بار دیکھا کہ ہمارا پاسپورٹ، ویزہ اور سامان سب بڑی بڑی مشینوں سے چیک کیا جارہا ہے۔ ہمارے ہاتھ کے دونوں پنجوں اور دونوں آنکھوں کو ڈیجیٹل کیمرے میں قید کیاگیا۔ باہر نکلے تو نیپالی حاجیوں کو مکہ لے جانے والی بس موجود تھی اور کوئی صاحب نیپالی جھنڈا لیے گویا آواز دے تھے۔ اب ہم بس پر سوار تھے اور جانب مکہ مکرمہ گامزن تھے۔دل کی دھڑکنیں بڑھتی جارہی تھیں۔ اب ہم حج کے سفر پر تھے جس کا شوق مہینوں سے دل میں انگڑائیاں لے رہا تھا۔رات ہوچکی تھی۔ بس میں سوار دیکھا کہ بڑی بڑی اور خوب صورت عمارتیں سعودی عرب کی خوش حالی بیان کررہی تھیں۔ سڑکوں پر علامات اور لائیٹنگ وہاں کی اسلامی اقدار کو نمایاں کررہی تھیں۔غالباً اس قدر کشادہ روڈ، بہترین بس، راستوں میں جگہ جگہ اسلام کے مظاہر پہلی بار دیکھ رہے تھے، دلوں میں حج کے ارمان لیے بڑھتے رہے۔ حدودِ حرم میں داخل ہوتے ہی بس روک دی گئی۔ ایک بار پھر پاسپورٹ اور ویزے کو چیک کیا گیا۔ وہاں سعودی وزارت حج کی جانب سے سب کو دودھ کا ایک بوتل اور کھجور کی ایک چھوٹی سی پیکٹ دی گئی۔ جو بہت عمدہ اور معیاری تھااور اس وقت ہمیں شدت کی پیاس لگی ہوئی تھی، اس لیے سوہان روح بھی تھا۔

بہت آرام سے ہوٹل پہنچے۔ وہاں پہلے سے نام موجود تھا۔ایک روم ملا جس میں ہم چھ لوگوں کو قیام کرنا تھا۔ سفر حج میں ہمارے ساتھ دو رشتہ دار بھی تھے۔ ان کو اپنے کمرے میں شامل کیا تاکہ قیام میں دقت نہ ہو۔ سامان رکھنے اور ایک گھنٹے آرام کرنے کے بعد نیچے استقبالیہ میں آئے ،وہاں پہلے سعودی سم کارڈ لیا۔ واٹس ایپ چالو کرکے گھر والوں کو اطلاع کردی کہ ہم لوگ بخیر ہیں اور اب ہوٹل سے عمرہ کے لیے جارہے ہیں۔ ہوٹل کے سامنے سے ٹیکسی لیا اور حرم چلے۔ غالباً ٹیکسی والے نےٹرافک کے سبب دور ہی اتار دیا اور ہم پیدل حرم پہنچے۔ وہاں حاجیوں کا سیلاب دیکھا اور دیکھا کہ سب پر عزم اور نشیط ہیں۔ تیز تیز قدموں سے رواں دواں ہیں۔ دروازہ ملک عبدالعزیز سے داخل ہوئے۔ پیدل راستہ کے دونوں جانب خوب صورت ڈبوں میں زمزم دیکھا تو خوش ہوگئے۔پہلے دو تین گلاس جم کر پیئے پھر آگے بڑھتے ہوئے سیدھے مطاف میں اترے۔ دل کی کیفیت عجیب تھی۔ طویل سفر اور تھکاوٹ کے باوجود سب کے چہرے پر خوشیاں نمایاں تھیں۔ طواف اور سعی سے فارغ ہوکر وہیں کچھ دیر آرام کیا۔ فجر کی اذان میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ اس لیے ارادہ بنا کہ اب فجر پڑھ کر ہی ہوٹل جائیں گے،غسل کریں گے اور پھر ظہر تک آرام کریں گے۔

ظہر کی نماز ہوٹل میں ہی ادا کی گئی اور اس کے بعد کھانا سے فارغ ہوئے۔ سب بیٹوں کو باری باری فون کیا۔بیٹیوں سے بھی گفتگو کی۔ عصر کی نماز کے لیے پھر حرم گیے۔ عصر ،مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ کر ہوٹل واپس ہوئے۔ پھر کھانا کھاکر آرام کیاگیا۔ ایام حج سے قبل اور بعد میں جب تک مکہ میں قیام رہا ،روزانہ یہی معمول تھا۔ جب جب ہوٹل میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو نماز کی بعد حاضرین کو تذکیر و نصیحت بھی کی۔

سات ذو الحجہ کو شام بس آئی، غسل کرکے اور احرام پہن کر بس میں بیٹھے اور رات غالباً نو بجے ہم تمام حاجیوں کو باری باری منی خیموں میں پہنچادیا گیا۔یہ ۸ ذوالحجہ کی رات تھی۔ اصلاً ۸ ذوالحجہ کی صبح ہمیں منی جانا تھا لیکن حج انتظامیہ نے بھیڑ اور ٹرافک کے سبب رات ہی منی پہنچادیا۔ وہاں تاحدنگاہ حاجیوں کے خیمے نظر آرہے تھے۔ سفید، خوب صورت، گنبد نما، آرام دہ اور فائیر پروف خیمے تھے۔ جگہ جگہ کھانا، پانی، جوس، دودھ کے کیمپ لگے دکھائی دیے اور مستقل

ایمبولینس گردش میں ہوتی تھی۔ خیموں میں دیکھا کہ ایک ایک ہال میں پچاس پچاس لوگوں کے قیام کرنے کی ہدایت ہے۔ البتہ جگہ تنگ ہونے کے باوجود ساری سہولیات تھیں۔ کولر اور موبائل ریچارچ کے لیے بورڈس موجود تھے۔جگہ جگہ غسل خانے اور وضوخانے تھے۔حاجی حضرات انھی خیموں میں تلاوت، ذکرواذکار اور لبیک لبیک کا ورد کررہے تھے۔

۹ ذوالحجۃ کو فجر بعد ہی اعلان ہوا، جلدی جلدی ناشتہ سے فارغ ہوئے اور بسوں پر سوار ہوکر ہم میدان عرفات پہنچے۔ منیٰ سے عرفات تک تاحد نگاہ حجاج کرام سفید احرام میں ملبوس رواں دواں، ہزاروں بس یکے بعددیگرے دکھائی دے رہی تھیں۔ عرفات میں بھی شاندار خیمے تھے وہاں پہنچتے ہی بہترین ناشتہ ملا۔ کھاپی کر فارغ ہوئے تو دعا ومناجات میں لگ گئے۔جن کو سہولت ملی وہ مسجد نمرہ تک گئے اور وہاں ظہر اور عصر جمع وقصر کے ساتھ ادا کی۔ میں نے اپنے خیمے میں دیکھا کہ حاجی حضرات سسکیاں لے لے کر رورہے ہیں اور اسی حالت میں رب کائنات سے دعائیں کررہے ہیں۔ دیر تک اور مسلسل دعا و اذکار، تلاوت اور تسبیحات کا ورد دیکھا۔بعض حاجی حضرات بچوں کی طرح بے قابو ہوکر اور تیز تیز آواز میں رورہے تھے۔ ایسا منظر میری نگاہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے خوب خوب دعائیں کیں۔ اے اللہ! میں گنہگار ہوں، خطاکار ہوں اور تیرے دربار میں حاضر اور تیری مغفرت کا طالب ہوں۔اے اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اس طرح کے کلمات میں نے سو سے زائد بار دوہرائے اور قلب کو ایک طرح کا سکون ہوگیا۔ہا ں آج اپنے رب کی مہربانی اور مغفرت و سکینت کو میں نے گویا آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ آج ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ اپنے ہی خیمے میں پڑھی اور نماز کے بعد امام صاحب بھی کافی دیر تک دعا ہی کراتے رہے اور ہم آمین ! اور آمین! کہتے رہے کہ اللہ ہماری ان دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔آمین!

ہم عرفات کے خیمے میں تھے، جہاں جگہ جگہ کولر لگاہواتھا اور باہر بہت شدید دھوپ تھی۔اس کے باوجود کچھ لوگ آمد و رفت کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ لیکن میں کہیں نہیں گیا۔ مغرب کا وقت ہوتے ہی اعلان ہوا کہ اپنی اپنی بسوں پر سوار ہوجائیں اوراب مزدلفہ کے لیے روانہ ہونا ہے۔ ہم چھ لوگوں کا گروپ تھا۔ہم نے ارادہ بنایا کہ عرفات سے مزدلفہ پیدل ہی

جائیں گے۔ ابھی بسوں کو ٹریفک کی وجہ سے روک دیا گیا تھا لیکن ہم پیدل چل پڑے۔ موسم میں خنکی آچکی تھی اور کشادہ سڑکوں پر دونوں جانب بڑی بڑی لائٹیں اور فوارے چالو تھے۔ آدمیوں کا سمندر دیکھا اور بڑی تعداد میں لوگ پیدل ہی چلے جارہے تھے۔سفید کپڑوں میں ملبوس اللہ کی فوج تھی جو کسی تھکاوٹ کی پروا کیے بغیر بس آگے بڑھی چلی جارہی تھی۔ راستہ میں جبل عرفات دیکھا اور جگہ جگہ دعائیہ کلمات، استقبالیہ، ہدایات بڑے بڑے نوٹس بورڈس پر آویزاں دیکھا اور خوشی ہوئی کہ کاش نیپال میں بھی ہمیں موقع ملے تو پورے ملک میں ایسے ہی نوٹس لگائیں گے اور اسلامی ثقافت کا خوب صورت اظہار کریں گے۔ یہاں جگہ جگہ شرکیہ کلمات، گیت گانے کے الفاظ، فحش مناظر اور من گھڑت دیوی اور دیوتاؤں کے نام دیکھ دیکھ کر مجھے عجیب سی کوفت ہوتی ہے۔ بچو! ہم اپنی زندگی میں کچھ کرنہ سکے ہیں۔ اگر آپ لوگ اس حقیقت کو آج سمجھ لیں اور برادران وطن میں کام کریں اور غلط فہمیوں کا ازالہ کریں تو مجھے یقین ہے جلد ہی ملک کا مستقبل بدل جائے گا اور حق کا بول بالا ہوگا۔

ہم سب پیدل ہی مزدلفہ پہنچے۔ وضوخانہ تلاش کرکے وضو کیا اور مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی اور اس کے بعد یوں ہی جہاں میدان میں تھوڑی سی گنجائش ملی اپنی چادر بچھائے اور سوگئے۔ موبائل الارم بجا تو فوراً بیدار ہوئے اور وضو کرکے فجر کی نماز ادا کی۔ نماز بعد فوراً ہی پیدل منی کے لیے چل پڑے۔ مزدلفہ سے منی بالکل متصل ہے البتہ ہمارا خیمہ کچھ اندر تھا۔ ایسی بھیڑ کبھی نہ دیکھی تھی۔ آہستہ آہستہ اسی بھیڑ میں منی کی جانب چلتے گئے۔چاروں طرف تاحد نگاہ حاجی دکھائی دے رہے تھے، اس لیے کدھر جانا ہے اور مختصر راستہ کدھر سے ہے؟ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ راستہ میں پولیس والوں سے پوچھتے پوچھتے آگے بڑھے۔ خیمہ پہنچ کر ضرورت سے فارغ ہوئے اور غسل کیا۔ پھرناشتہ کیا اور ساڑھے دس بجے ہی جمرات پر کنکری مارنے نکل گئے تاکہ زوال ہوتے ہی کنکری مارلیں۔آج ذوالحجہ کی دسویں تاریخ تھی۔ ہم لوگ پیدل ہی چلے۔ کشادہ سڑکیں، دونوں جانب پانی کے بہت بڑے بڑے فوارے، جگہ جگہ انتظامی اور امدادی عملہ اور ٹھنڈ پانی کا انتظام دیکھا اور جمرات میں راستوں کا نظام دیکھا تو طبیعت خوش ہوگئی۔ پہلے سنا کرتے تھے کہ کنکری مارتے وقت جمرات پر اس سال دس حاجی، بیس حاجی فوت ہوگئے لیکن ہم

نے دیکھا کہ سعودی حکومت نے زبردست انتظام کردیا ہے۔ آج صرف بڑے جمرہ کو کنکری مارنا تھا۔ کنکری مار کر وہیں سے بالکل سیدھے پھر پیدل مکہ گئے اور طواف حج اور سعی بھی کیا۔ تقریباً پانچ کلومیٹر کا راستہ بہت آرام سے طے کرلیا۔ راستہ میں دیکھا کہ مجھ سے زیادہ عمر کے بزرگ اور عمر رسیدہ خواتین بھی ہیں، بعض لوگ وہیل چیئر پر ہیں۔طواف کے بعد اسی راستہ سے آرام سے دھیرے دھیرے خیمہ میں واپس آگئے۔ اس کے بعد حسب ہدایت حلق کروایا۔ آج بہت زیادہ پیدل چلے تھے، چلتے چلتے تھک چکے تھے۔رات بھر خوب جم کر سوئے۔اگلے دن گیارہ ذوالحجہ اور بارہ ذوالحجہ پھر جمرات پر کنکری مارنے گئے اور کنکری مارکر واپس خیمہ آگئے، آج طواف کے لیے جانا نہیں تھا۔ منیٰ کے ایام پورے کرکے بارہ ذوالحجہ کی شام مغرب سے قبل پھرہوٹل کے لیے واپس ہوگیے اور حج مکمل ہوگیا الحمدللہ۔

حج مکمل ہوگیا تو خوشی ہوئی اور اللہ کا شکر ادا کیا الحمدللہ صحت وعافیت کے ساتھ میں نے پورا حج مکمل کیا اور سارے مناسک کی ادائیگی وقت پر ہی کیا۔اب روزانہ حرم جاتے، نوافل، طواف اور تلاوت میں وقت گزارتے۔ مسجد حرام کا انتظام، چاروں طرف سے داخلہ کے لیے عالیشان دروازے، زیر زمین دور دورتک بیت الخلاء، راستوں کے دونوں جانب زمزم کا پانی ٹھنڈا اور گرم خوب صورت ڈبوں میں موجود، قرآن مجید کے لیے خوب صورت ریک، اوپر منزل پر جانے کے لیے جگہ جگہ الیکٹرانک سیڑھیاں، مائیک کا اعلیٰ ترین نظام، مطاف اور پوری مسجد حرام میں چوبیس گھنٹے صفائی کا نظام، معذورین کے لیے کرسیاں، طواف کے لیے الیکٹرانک کرسیاں، خواتین کے لیے نماز کی جگہیں، خطبہ جمعہ کا بروقت ہر بڑی زبان میں ترجمہ، حج اور عمرہ کے لیے ہدایات اور کتابچے غرض ہر پہلو سے حسن انتظام کے اعلیٰ ترین نمونے دیکھنے کے ملے، سعودی حکومت کی نمایاں ترین خدمات کا علم ہوا۔ عربوں کی فیاضیاں، حج کا شوق اور حرمین سے محبت آنکھوں سے دیکھا۔مسجد حرام اسلامی شان و شوکت اور ثقافت کا بے مثال مظہر ہے۔

اسی دوران ایک دن ہم لوگوں نے ایک ہائیس ریزرو کیا۔صبح سات بجے نکلے، غار حرا اور غار ثور کو نیچے روڈ سے ہی دیکھا، حی النزھۃ میں ایک جگہ قدیم مکہ کی نمائش گاہ بھی گئے۔ مصنع کسوۃ الکعبہ یعنی ام الجود میں جہاں خانہ کعبہ کا پردہ بنایا جاتا ہے اور قدیم پردے لاکر نمائش کے

لیے رکھے جاتے ہیں، اس عظیم کارخانہ کی زیارت کی۔ رابطہ عالم اسلامی کے دفاتر بھی دیکھے اور اور آگے بڑھ کر حدیبیہ کا میدان بھی دیکھا۔ واپسی میں مسجد عائشہ، مسجد جن، مسجد فتح مکہ کو ہائیس پر سوار ہی دیکھتے گئے۔ظہر کی نماز ایک مسجد میں ادا کی اورعصر سے قبل ہوٹل واپس ہوئے۔ آج عصر کی نماز کے بعد حرم گئے۔

پھر ایک دن بس سے ہم لوگ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ صبح ساڑھے سات بجے نکلے، اجالے میں باہر دیکھتے رہے۔ بڑا بڑا ریگستان اور دور دور تک غیر آباد علاقے، کہیں کہیں پتھریلا میدان دیکھا، بارہ بجے کے قریب ایک جگہ پٹرول پمپ پر ٹھہرے۔ ضروریات سے فارغ ہوئے۔ وہاں پٹرول پمپ کے ساتھ پھل کی دوکان، شہد کی دوکان، ریسٹورنٹ اور مسجد بھی تھی۔ مسجد کا مینار ہمارے یہاں کی طرح نہیں تھا بلکہ مغربی جانب دیوار سے ہٹ کر کافی بڑے ستون کی شکل میں تھا۔ مسجد میں کشادہ وضو خانہ، چپل جوتے کے لیے ریک، اندر اور باہر سے مکمل صفائی، اے سی اور کولر، واٹر کولر اینڈ فلٹر مشین، نماز کے لیے آرام دہ اور خوب صورت قالین غرض مسجد بہت ہی خوب صورت اور پرکشش تھی۔ اول وقت میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کی گئی۔ نماز بعد اجتماعی کھانا تناول کیا گیا اور جانب مدینہ روانہ ہوگئے۔ دل کے جذبات عجیب تھے،یاد ماضی میں غم تھا۔ سینکڑوں مجالس میں نعت نبی ﷺ کا روح پرور منظر یاد آنے لگا۔اوراق سیرت رہ رہ کر سامنے کھلتے جارہے تھے۔ مدینہ میرے خوابوں کی سرزمین، میری منزل اور مراد، میرے پیارے نبی ﷺ کا مسکن اور مدفن، حرم مسجد نبوی کی زیارت کا شوق لیے آگے بڑھتا رہا اور بلا کسی تھکاوٹ کے بلکہ ایک دم تروتازہ حالت میں مدینہ پہنچ گئے۔ پہلے ہوٹل میں اپنی جگہ بنائی ،کچھ دیر آرام کیے عصر کی نماز کے لیے مسجد نبوی کے لیے چلے۔ ہوٹل سے بالکل قریب سامنے مسجد تھی۔ تیز قدموں سے بڑھے تو دیکھا چند منٹ میں سامنے ہی دروازہ تھا۔ بھیڑ کے سبب باہر ہی برآمدے میں نماز ادا کی گئی۔ کچھ دیر بیٹھے رہے اور دعا و اذکار مسنونہ میں مصروف رہے۔ پھر روضہ نبوی کی زیارت اور سلام کے لیے چلے۔ اندر ہی اندر محراب کے بعد پاس پہنچے۔ حفاظتی عملہ نے قطار بنوارکھی تھی اور زائرین کی تعداد زیادہ ہونے کے سبب روضہ نبوی

پر ٹھہرنے نہیں دیا جارہا تھا۔ بار بار اعلان ہو رہا تھا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے رہیں اور سلام و دعا کرتے ہوئے باہر کی جانب نکل جائیں۔ پہلی بار روضہ کی جالیوں کو بہت قریب سے دیکھا اور قبر مبارک کی بھی جھلک دیکھی اور دل کا حال عجیب تھا۔ باہر نکلے تو سامنے لوگ جنت البقیع کی زیارت کے لیے جارہے تھے۔ ہم بھی اُن کے پیچھے ہولیے۔ کافی بڑا اور قدیم قبرستان ہے صحابہؓ و صحابیاتؓ کی قبریں ہیں۔ امت محمدیہ کے افضل ترین اور نیک ترین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہاں مدفون ہیں۔ درمیان میں پتلا پتلا فٹ پاتھ بنادیا گیا ہے۔ بعض صحابہؓ کے قبروں کی نشان دہی کی گئی۔ چھوٹے چھوٹے راستوں سے پورے قبرستان میں گئے۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہوا تو جلدی جلدی مسجد نبوی آئے۔ وضو سے فارغ ہوکر داخل ہورہے تو مسجد بھرچکی تھی۔ اس لیے باہر ہی نماز ادا کی۔ مغرب کی نماز کے کچھ دیر بعد بالکل اندر کے حصہ میں جاکر جگہ بنالی اور عشاء کی نماز پڑھ کر ہی ہوٹل واپس ہوئے۔ آج تھکاوٹ ہوگئی تھی ،اس لیے کھانا کھاکر سوگئے۔

اگلا پورا دن ہم نے نماز اور ذکرو دعا کے لیے خاص کردیا تھا۔صبح سے شام تک مسجد نبوی میں گویا معتکف ہوگئے بس ضرورت کے لیے ہی باہر نکلے تھے۔ اس سے اگلی صبح حرم نبوی کے سامنے سے ایک چھوٹی گاڑی کی مددسے زیارت کے لیے نکلے۔ ایک مائیکروبس میں تیرہ چودہ لوگوں نے دس دس ریال میں کئی جگہوں کی بآسانی زیارت کی۔ سب سے پہلے مسجد قبا گئے وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ وہاں کافی آمد ورفت اور بھیڑبھاڑ تھی۔ مسجد قبلتین، مقامات جنگ خندق، غزوہ احد، غزوہ بدر سب جگہوں سے ہوتے ہوئے ظہر کے قریب واپس مسجد نبوی پہنچے۔ مسجد قباء میں دو رکعت نماز کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ ہجرت کے سفر میں پہلے قبا پہنچے، وہاں دو ہفتہ قیام کیا اور اسی مسجد کی بنیاد ڈالی تھی۔ اپنی حیات میں اکثر نبی ﷺ مدینہ سے پیدل آتے اور دو رکعت نماز یہاں ادا کرتے پھر مدینہ واپس ہوجاتے تھے۔ کوئی غرض نہیں صرف اور صرف نماز کے لیے مسجد قبا جایا کرتے تھے۔ مسجد قبلتین مدینہ کی وہ مسجد ہے جہاں ایک وقت کی نماز غالباً وہ عصر کی نماز تھی، صحابہ کرامؓ نے دوقبلہ کی جانب رخ کرکے نماز ادا کی۔ وہ مسجد اقصیٰ کی جانب منہ کرکے نماز ادا کررہے کہ منادی کرنے والے نے اعلان کیا تحویل قبلہ کا حکم آچکا ہے۔ نبی ﷺ نے حکم دیا

ہے کہ اب نماز مسجد حرام خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے ادا کی جائے۔ امام اور تمام نمازیوں نے ندا سنی اور نماز کی حالت میں ہی رخ بدل کر خانہ کعبہ کی جانب کرلیا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا، اس لیے اس مسجد کو آج بھی مسجد قبلتین کہا جاتا ہے۔ غزوہ خندق کے موقع سے اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کئی دنوں تک مدینہ سے باہر خندق پر ہی تھے۔ کھدائی کا کام جاری تھا اور کام مکمل ہوا تو وہیں حفاظت اور پہرہ داری کے لیے ٹھہرے رہے تاکہ دشمن کی نقل و حرکت کو بروقت جان سکیں اور ان کا مقابلہ بھی کرسکیں۔ اس موقع سے وہیں خندق کے پاس نمازیں ادا کی گئیں۔ حالات بہت سخت تھے پہلی بار ایسا ہوا کہ صحابہ کو نمازیں قضا کرنی پڑیں۔ اس موقع سے جہاں جہاں صحابہ کرامؓ نے نمازیں ادا کیں تھیں، ان جگہوں پر عہد عثمانی میں ترک خلفاء نے چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنوادی تھیں، وہ آج بھی باقی ہیں۔ اُن کو قریب سے دیکھا اور عثمانی طرز تعمیر کا علم ہوا۔ غزوہ احد مدینہ کے سامنے ہی ہے۔ ستر صحابہ کرامؓ میدان احد میں مدفون ہیں۔ چاروں طرف سے جالیاں لگادی گئی ہیں۔وہ درہ بھی دیکھا جہاں جنگ کے دوران پچاس صحابہؓ کو متعین کردیا گیا تھا۔ غزوہ بدر کے میدان میں پہنچے تو دھوپ بہت شدت اختیار کرچکی تھی اور ہم لوگوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہاں دور سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور صحابہ کرامؓ کو یاد کیا۔ اس بے آب و گیاہ ریگستان میں ان جیالوں نے دین حق کی حفاظت کے لیے پہلی جنگ لڑی اور فتحیاب ہوئے۔ مکہ کے مشرکین اور سرداران قریش سخت حیرت وافسوس میں تھے۔ وہ اپنی ناکامی منہ میں چھپائے مکہ جارہے تھے جب کہ مسلمان فتح کا ڈنکا بجارہے تھے اور بچے اور بچیاں گیت گارہی تھیں۔ سیرت النبی کے وہ مناظر سامنے آگئے۔ مسجد عریش میں گئے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں نبی ﷺ نے اپنا سائبان بنوایا تھا، جنگ کی قیادت کررہے تھے اور آغاز جنگ سے قبل یہیں بیٹھ کر آپ ﷺ نے رب سے دعا کی تھی۔ اے اللہ !اگر آج یہ تیرے بندے ماردیے گئے تو پھر تاقیامت اس سرزمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اے اللہ تو خاص نصرت اور فتح سے نواز دے۔ آمین!

ایک دن عصر بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بھی جانا ہوا۔ ہمارے علاقے کے کئی طلبہ وہاں زیر تعلیم ہیں۔ بابو صلاح الدین غازی جو ہمارے بھانجے ہیں، وہ بھی مدینہ کے اسکالر ہیں۔وہ ہمیں مسجد نبوی سے ہی اپنے ساتھ جامعہ لے گیے۔ ہم لائبریری گئے، دارالمطالعہ دیکھا، مطعم بھی

دیکھا، کھیل کے میدان دیکھے، طلبہ کے ہاسٹل میں بھی جانا ہوا۔ جامعہ کے اندر ایک دوکان پر چائے پی اور سنڈویز کھائے۔اچھی خاصی تفریح اور ملاقاتوں کے بعد پھر مسجد نبوی واپس ہوئے۔

مسجد نبوی میں لوگ احرام میں نہیں تھے ،پھر بھی اکثریت سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ مکہ کے برعکس یہاں ہوٹل سے حرم کا راستہ اور حرم نبوی بھی ہم وار تھی۔ نیچے اوپر چڑھنے اور اترنے کی زحمت نہیں تھی۔ یہاں سمت واضح تھی سب لوگ ایک ہی جانب رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔مسجد نبوی سے متصل عمارتوں میں نمایش گاہ تھی جس میں عہد نبوی کے حالات بیان کرنے کے لیے بڑی بڑی تصاویر اور خاکے تھے۔ ایک عمارت میں قرآن مجید کے قدیم نسخے رکھے ہوئے تھے۔ ایک عمارت میں اسمائے حسنیٰ کا بہت خوب صورت ڈیزائن اورنقاشی (خطاطی) کرافٹ میں پیش کیا گیا تھا۔ ایک عمارت میں مدینہ کی قدیم تہذیب اور معیشت کو دکھایا گیا تھا۔ ایک عمارت میں لائبریری تھی۔ مدینہ میں ہمارا قیام صرف اٹھ دنوں کے لیے تھا، اس دوران باری باری ان تمام کی زیارت کی گئی اور طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ دل چاہتا تھا کہ یہیں شہر مدینہ میں آباد ہوجائیں لیکن اب واپسی کا سفر درپیش تھا۔

مدینہ سے میں نے کھجور، عطر، مصلی اور نقاب بیٹیوں کے لیے خریدا۔پانچ لیٹر زمزم کا پانی ایئر پورٹ پر مل گیا تھا۔ ایک دن کھجور کے باغات دیکھنے کے لیے گیے اور باغوں میں گھس کر کھجور کو بہت قریب سے دیکھا اور وہاں سے تازہ کھجور دو کلو لے کر آئے۔

آج مدینہ سے کاٹھمانڈو کے لیے واپسی تھی۔ مغرب کے فوراً بعد ایئر پورٹ کے لیے نکلے۔ بظاہر سامان سے لدے ہوئے تھے اور ایک ماہ کے بعد گھر کے لیے روانہ ہورہے تھے۔ اس کے باوجود رنج و ملال غالب تھا کہ اب حرم مکہ اور حرم مدینہ کو چھوڑنا پڑرہا ہے، کس قدر اشتیاق سے سفر شروع ہوا تھا اور آج کس قدر دل حزیں و غمگیں ہے۔ بہر حال ایئر پورٹ پہنچے سامان چیک کروایا اور زمزم لیا، بورڈنگ کرواکے انتظار ہال میں بیٹھ گیے۔ گھر والوں کو فون بھی کردیا کہ الحمدللہ بورڈنگ ہوچکی ہے اور ہم صبح کاٹھمانڈو پہنچ جائیں گے ان شاءاللہ۔

کاٹھمانڈو ایئر پورٹ پر چھوٹا بیٹا عاصم پہلے سے موجود تھا۔ملاقات ہوئی اور پھر بذریعہ بس تولہوا واپس ہوئے اور رات دس بجے تولہوا اور پھر بیس پچیس منٹ میں گھر پہنچ گئے۔گھر کے

سارے لوگ ایک ساتھ بیٹھے پوری رات حج کے احوال اور مکہ ومدینہ کی روداد سفر سنتے رہے۔ بچے بہت خوش تھے۔ طلوع فجر ہوتے ہی نماز فجر ادا کی اور سوگئے۔پھر ظہر میں گاؤں کے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔

میرے بچو! مجھے تعجب ہے کہ آپ حضرات نے بڑی خاموشی سے میرا پورا بیان سنا ہے۔ حج کے اس سفر میں کئی چیزیں میں نے سیکھی اور جانی ہے۔ سفر تو بہرحال سفر ہے۔ آج کل تیز رفتار سواریاں اور جہاز بھی ہے اور دنیا بھر کی آسانیاں اور انتظامات بھی ہیں۔ پھر بھی جگہ جگہ تھکاوٹ اور بے وجہ کی گھبراہٹ اور پریشانی سے دو چار ہوئے۔ پہلی بار جانا ہوا تھا، اس لیے اندیشے اور خوف ذہن میں سمائے ہوئے تھے۔ وہاں کشادہ سڑکیں، بڑے بڑے ہوٹل، الیکٹرانک سیڑھیاں، صفائی کا نظام، مسجد حرام اور مسجد نبوی کی عالیشان اور حیرت انگیز عمارتیں ،بلند وبالا دروازے، شاہی قالین اور مصلے، مائیک کا اعلیٰ ترین نظام، صفائی اور حفاظتی عملہ کا ہمہ وقت ڈیوٹی پر رہنا، نمازوں کا اہتمام، نوافل اور تلاوت کا تسلسل، نمازیوں کی آسانی اور ہدایات کا نظام، مسجد کے اندر دروس کا نظام، نماز مغرب سے قبل جگہ جگہ روزہ داروں اور عام زائرین کے لیے کھجور، پانی، روٹی اور حلوہ کے دسترخوان یہ سب دیکھ کر طبیعت اس قدر خوش ہوگئی کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ راہ چلتے نوٹس بورڈ، کتبات، لائٹنگ، پارک، ہورڈنگس، نمائش گاہوں، مساجد، کتب خانوں غرض سب جگہوں سے اسلامی آداب اور ثقافت کا اظہار ہورہا تھا۔ کہیں بھی شرک اور بدعات یا دنیاداری اور بے حیائی کے مناظر نہیں دکھائی دیے۔

حج کے دوران مسلمانوں کا ایمان اور اللہ پر یقین دیکھا اور دیکھاکہ کیا بوڑھے کیا جوان، کیا عورت کیا مرد، سب کے سب دیوانہ وار چلے جارہے ہیں۔ نہ دھوپ کی پروا، نہ تھکاوٹ ،نہ بھوک اور پیاس، نہ راستہ کی دوری اور پیدل سفر، بس لبیک لبیک کی صدائیں ہیں اور مناسک حج کی ادائی ہے۔ مطاف میں دیکھا کہ اللہ والوں کا سیل رواں ہے جو توحید اور حنیفیت، استغفار اور مناجات کے نغمے گاتا اور موجیں مارتا آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ محض طواف نہیں سمندر کی لہریں ہیں جو رکنے کا نام نہیں لیتی ہیں۔ فوج درفوج آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں ہر دن عید کا منظر ہے۔ اللہ والوں کی بھیڑ ہے۔ سب سفید کپڑوں میں ملبوس خانہ خدا کا چکر لگارہے ہیں۔عرفات میں

روتے اور سسکیاں لیتے دعائیں کرتے پوری بھیڑ دیکھی۔ مزدلفہ میں دیکھا حاجی حضرات کس قدر انکساری و عاجزی کے ساتھ فقیرانہ لباس میں اور کھلے آسمان تلے سڑکوں اور ریت کے میدانوں میں رات گزار رہے ہیں۔

جمرات پر کنکری مارنے کے لیے کس قدر دیوانگی ہے اور کس قدر جوش ہے۔ طواف حج میں لاکھوں کا مجمع ہے طواف اور سعی جو عام دنوں میں صرف ایک گھنٹے میں کرلیا جاتا ہے آج کئی کئی گھنٹے لگتے ہیں پھر بھی حاجی حضرات پورے جوش وخروش کے ساتھ دوڑے چلے جارہے ہیں۔آج پیچھے مڑکر دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ پورے سفر میں دیکھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ طواف کعبہ کبھی بند نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ رات و دن سمندر کی لہروں کی طرح پیہم رواں دواں دیکھا۔ مطاف میں مسلسل زائرین نازل ہورہے ہیں۔ انڈونیشیا، ملیشیا، چائنا ،انڈیا، ترکیہ، مصر اور ایران،کے بڑے بڑے جھنڈ پروانہ وار آرہے ہیں۔ گویا اللہ کی فوج کاشکل لیے ہوئے پروانہ وار آگے بڑھ رہے ہیں۔

جب ہم نے احرام باندھا تو دل کی عجیب کیفیت سی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم دنیا کے سب رشتوں اور شان و شوکت کو چھوڑ کر صرف اللہ کے سامنے حاضر ہو گئے ہیں۔ہوائی جہاز سے جدہ پہنچنے کے بعد جب ہم مکہ مکرمہ گئے تو راستے بھر دل میں ایک ہی خیال تھاکہ ہم جلد از جلد کعبہ کی زیارت کریں۔ جب پہلی بار خانہ کعبہ کو دیکھا تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ لاکھوں مسلمان ایک ہی رخ کی طرف رخ کیے ہوئے طواف کر رہے تھے۔ اس منظر نے دل پر گہرا اثر ڈالا۔

ہمیں سب سے زیادہ روحانی کیفیت میدان عرفات میں محسوس ہوئی۔ لاکھوں مسلمان سفید لباس میں، ہاتھ اٹھائے اپنے رب کے حضور دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے قیامت کے دن سب جمع ہیں۔ ہم نے اپنے والدین کے ساتھ آپ سب بچوں کے لیے بھی دعائیں کیں۔

عزیز بچو!حج نے ہمیں یہ سکھایا کہ دنیا کی حقیقت کچھ بھی نہیں، اصل عزت اور سکون اللہ کی اطاعت میں ہے۔حج ہمیں مساوات اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ وہاں نہ کوئی امیر پہچانا جاتا ہے نہ غریب، نہ کوئی بادشاہ نہ غلام، سب ایک ہی لباس میں، سب ایک ہی رب کو پکارنے

والے۔بچوں نے یہ باتیں سنی تو برجستہ بول پڑے کہ آپ نے ہمیں حج کی ایسی تصویر دکھائی کہ ہم نے دل ہی دل میں وہاں کے مناظر دیکھ لیے۔ اب ہماری بھی خواہش ہے کہ ہم بڑے ہو کر ضرور حج کریں۔

مولانا نے کہا: بچو! یہی اصل سبق ہے۔ جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر کرتی ہے۔ حج محض ایک عبادت نہیں بلکہ زندگی بدل دینے والا سفر ہے۔ آپ سب دعا کریں کہ اللہ تعالی آپ کو بھی جلد یہ سعادت نصیب فرمائے۔آمین!

مشق وسوالات

(الف):درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

۱. عبدالقادر اور عبدالصمد کا باہم کیا رشتہ تھا؟
۲. احرام باندھنے کا کیا مطلب ہے؟
۳. میدانِ عرفات میں وقوف کو حج کا سب سے اہم رکن کیوں کہا جاتا ہے؟
۴. کیا حج مساوات اور بھائی چارے کا پیغام دیتا ہے؟ اس کی وضاحت کریں۔
۵. عبدالقادر اور عبدالصمد نے کیا دعا مانگی؟

(ب): درج ذیل جملوں کو پڑھیں اور ان کے سامنے صحیح یا غلط کا نشان لگائیں۔ (☑/☒)

۱. حج ہر مسلمان پر ہر سال فرض ہے۔ (____)
۲. خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (____)
۳. حج کے دوران سب لوگ مختلف رنگوں کے کپڑے پہنتے ہیں تاکہ پہچان ہو سکے۔ (____)
۴. حج ہمیں عاجزی، صبر اور اتحاد کا سبق دیتا ہے۔ (____)
۵. حج تو صرف پیسوں کا ضیاع ہے۔ (____)

(ج): خالی جگہیں پُر کریں۔

۱. حج اسلام کا ________ رکن ہے۔

۲. صفا اور مروہ کے درمیان چلنے کو ________ کہتے ہیں۔

۳. حج کے دوران ________ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

۴. حج انسان کو دنیا کی حقیقت اور ________ کا سبق دیتا ہے۔

۵. سعودی حکومت نے حاجیوں کے لیے بہت ________انتظام کرر کھا ہے۔

(د): غور و فکر

۱. حج کے دوران سب ایک ہی لباس کیوں پہنتے ہیں؟

۲. اگر آپ کو حج کا موقع ملے تو آپ کن دعاؤں کو سب سے پہلے مانگیں گے؟

(ہ): تخلیقی سرگرمی

○ "اگر میں حج پر جاؤں" کے عنوان سے ایک مختصر پیراگراف لکھیں۔

○ خانہ کعبہ یا میدانِ عرفات کا منظر اپنی کاپی میں ڈرائنگ کی صورت میں بنائیں۔

(حصہ دوم)

(الف) تخلیقی ذہانت کے ساتھ ان سوالات کا جواب دیں:

۱. عبدالقادر اور عبدالصمد کی شخصیت کے بارے میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں؟

۲. مولانا عبدالرحمٰن ندوی کے کردار اور علمیت کا تاثر سبق میں کس انداز سے پیش کیا گیا ہے؟

۳. حج کے سفر کے دوران جدہ ایئر پورٹ کے مناظر اور انتظامات سے آپ نے کیا سیکھا؟

۴. عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کی عبادت اور دعا کا ماحول کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

(ب)

۱۔ سبق میں "دل کی کیفیت عجیب تھی" اور "آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے" جیسے جملے کس قسم کے

ادبی تاثرات پیدا کرتے ہیں؟

۲۔ "لبیک لبیک کی صدائیں ہیں اور مناسک حج کی ادائی ہے" میں تشبیہ اور تکرار کا اثر بیان کریں۔

۳۔ حج کے سفر کے مناظر (مسجد حرام، مسجد نبوی، عرفات، مزدلفہ) کو بیان کرنے میں مصنف نے کون سے جملوں کے ذریعے روحانی اور جمالیاتی اثر پیدا کیاہے؟

(ج)

ا۔ سبق میں مختلف اوقاتِ نماز اور عبادات کے مناظر کو کس طرح بیان کیا گیا ہے؟ اس سے قاری پر کیا اثر پڑتا ہے؟

۲۔ مولانا کی باتیں اور ان کے سفر کی روداد میں تکرار اور ترتیب کس طرح زبان و بیان کو بلیغ بناتی ہے؟

۳۔"سفر حج میں ہمارے ساتھ دو رشتہ دار بھی تھے" اور "پہلے ہوٹل میں اپنی جگہ بنائی" جیسے جملوں میں سادہ بیان اور تفصیل کے امتزاج کا اثر کیا ہے؟

(د) ذیل کی تحریر کو اپنی کاپی میں نوٹ کریں۔اس سبق کی تین ادبی خوبیاں:

ا۔ روحانی اور جمالیاتی تاثرات کی خوبصورتی: سبق میں حج کے مناظر (مسجد حرام، عرفات، مزدلفہ، طواف، سعی) کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری خود وہاں موجود ہونے کا احساس کرتا ہے۔ مثلاً "آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے"، "دل کی کیفیت عجیب تھی"، "لبیک لبیک کی صدائیں ہیں"یہ تاثرات نہ صرف روحانی کیفیت کو نمایاں کرتے ہیں بلکہ قاری کے جذبات کو بھی متن کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔

۲۔ تفصیل اور منظر نگاری : سبق میں سفر حج کے دوران ہر جگہ، ہر واقعے، اور انتظامات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:" سڑکوں پر علامات اور لائیٹنگ، جگہ جگہ زمزم کا پانی، خیموں میں کولر اور موبائل ریچارج بورڈس". یہ ادبی خوبی قاری کو تصویری منظر پیش کرتی ہے اور بیان کو حقیقت سے قریب تر اور زندہ دل بناتی ہے۔

۳۔ سادہ مگر بلیغ زبان و بیان: سبق کی زبان سادہ اور آسان ہے، لیکن جملوں کی ساخت، لفظوں کا انتخاب اور تکرار (مثلاً: "پیدل ہی مزدلفہ پہنچے"، "مسجد نبوی میں لوگ احرام میں نہیں تھے پھر بھی اکثریت سفید کپڑوں میں ملبوس تھی") بیان کو اثر انگیز اور قاری کے لیے یادگار بناتی ہے۔سادگی کے باوجود معنویت اور روحانیت میں گہرائی ہے، جو ادبی حسن کی علامت ہے۔

سبق نمبر ۱۳

پرتھوی نارائن شاہ کے بعد کا جدید نیپال

ہمارا ملک نیپال جو صدیوں سے اس کرۂ ارض پرآباد ہے، یہ موجودہ نقشہ کے مطابق ہندوستان اور چین سے گھرا ہوا ہے، جب کہ زمانہ قدیم میں یہ مشرق و مغرب اور جنوب میں دور تک پھیلا ہوا تھا۔یہاں مختلف خاندان کے را جاؤں نے صدیوں حکومت کی ہے۔ یہ ملک اپنی ساخت اور حسین قدرتی مناظر کے لیے مشہور ہے۔ اپنے موسم کی خوش گوار ی، جغرافیائی تنوع، ندی نالے، آبشاروجھرنے، ہمالیائی پہاڑی سلسلے، وادی و کوہسار ،کوہ و دمن، جابجا دل کش اور روح پرور منا ظر،سرسبز و شاداب وادیاں،اور ہرے بھرے میدانی علاقے کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ چناں چہ ہر سال لاکھوں سیاح دنیا بھر سے یہاں کا قصد کرتے ہیں اور اپنا بہترین وقت سیاحت میں گزار کر واپس جاتے ہیں۔ ان سیاحوں کی وجہ سے نیپال کے زرمبادلہ میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔

پرتھوی نارائن شاہ:۔ نیپال کے حکم رانوں اور بادشاہوں کی بھیڑ میں ایک روشن و معروف نام پرتھوی نارائن شاہ کا ہے۔ جن کا کردار اس ملک کی تاریخ میں انتہائی تابناک ہے۔ انہوں نے ملک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو یکجا کر کے ایک جدید نیپال کی بنیاد ڈالی۔ پرتھوی نارائن شاہ کی پیدائش بکرم سمبت ۱۷۸۱ (۱۷۲۴ء) گو رکھا کے شاہی خاندان میں ہوئی۔ان کی تخت نشینی بکرم سمبت ۱۸۰۱ (۱۷۴۴ء) میں صرف ۲۰ سال کی عمر میں ہوئی۔اس وقت نیپال تقریباً ۵۲ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔انہوں نے نواکوٹ اور بعد ازاں کاٹھمانڈو (جس میں کرتی پور، للت پور اور بھکت پور شامل تھے) کو فتح کر کے ایک وسیع حکومت کی بنیاد رکھی۔وہ ایک جاں باز و بہادر، بیدار مغز، وسیع النظر اورمہم جو بادشاہ تھا۔ انہوں نے نیپال کی چھوٹی ریاستوں کو ملا کر ایک مضبوط ملک بنانے کا سنہرا خواب دیکھا اوراپنے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی مہم جوئی شروع کر دی۔ اس کی پہلی نظر ریاست نواکوٹ پر پڑی اور اپنے عزم مصمم سے اس نے اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد ریاست کاٹھمانڈو کو متحد کر کے ایک وسیع ترین حکومت کی بنیاد ڈالی، پھراس نے دھیرے دھیرے باقی ریاستوں کو بھی ملا کر موجودہ جدید نیپال کی بنیادیں مستحکم کر لیں اور متحدہ نیپال کا وسیع ترین نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

بہادر شاہ اور سگولی معاہدہ:۔ پرتھوی نارائن شاہ کے بعد ان کے بیٹے اور بھائیوں نے اس مہم کو آگے بڑھایا۔ اس خاندان کے ایک زیرک بادشاہ بہادر شاہ نے دو مشہور کمانڈروں امر سنگھ تھاپا اور بھکتی تھاپا کی مدد سے نیپال کی حدود کو وسیع کیا۔اب نیپال کی سلطنت کماؤں، گڑھوال کے کچھ حصوں، سکِم، دارجلنگ، ترائی کے علاقوں تک پھیل گئی۔مگر انگریزوں سے طویل جنگ کے بعد سُگولی معاہدہ کے تحت نیپال نے برطانیہ کو موجودہ سِّکم، کماؤں، گڑھوال اور کچھ ترائی کے علاقے دے دیے۔یہ معاہدہ ۴ مارچ ۱۸۱۶ ء (۱۸۷۲بکرمی) میں ہوا۔افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس معاہدہ کے تحت نیپال نے اپنے کئی علاقے کھو دیے جیسے سکم، کماؤں، گڑھوال، دارجلنگ اور ترائی کے کچھ حصے۔ان علاقوں کا نیپال سے علاحدہ ہونے کے بعدملک موجودہ شکل میں محدود ہو کر رہ گیا۔ مذکورہ معاہدہ کے بعد نیپال ایک آزاد اورخود مختار ریاست بن کر اُبھرا۔

رانا دور:۔ بکرم سمبت ۱۹۰۳ (۱۸۴۷ء) میں ایک حادثہ رونما ہوا جسے "کو ٹ پر ب" قتل

عام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس حادثہ میں بہت سی فوجی، سیاسی اور شاہی شخصیات ملک کے لیے کام آگئیں اور جنگ بہادر رانا نے کمانڈر انچیف (سپہ سالار) اور وزارت عظمیٰ کے منصب پر قبضہ کر لیا اور اعلان کردیا کہ اب آئندہ وزارت عظمیٰ کا منصب اور فوجوں کی سپہ سالاری پر صرف اس کے خاندان کے لوگوں کا حق ہے۔ اس نے اپنے خاندان کا لقب رانا رکھا۔ اس حکومت نے عوام کو بہت سے حقوق سے محروم کر دیا اوراپنی حکومت کو مستحکم کرنے اور عوام پر ظلم و جبر کو روا رکھنے کے لیے برطانوی حکومت سے دوستی گانٹھ لی۔ رانا کے اس حکومت کو "دور ظلمت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ملک کی تاریخ میں یہ ایک کرب ناک حادثہ تھا۔ اس کے نتیجے میں جنگ بہادر رانا کا وزارتِ عظمیٰ اور فوج کی کمان دونوں پر قبضہ ہو گیا۔"دورِ ظلمت" کا یہ زمانہ بکرم سمبت ۱۹۰۳ سے ۲۰۰۷ تک تھا یعنی بمطابق ۱۸۴۷ ء سے 1951 ء تک۔

جمہوری تحریک :۔ بکرم سمبت ۲۰۰۷میں شاہی خاندان اور عوام نے مل کر را ناؤں کے خلاف جمہوری تحریک چلائی، بالآخر۱۰۵/ سالہ تاریک رانا دور کا خاتمہ ہوا، ملک میں نئی سیاسی تبدیلی آئی۔ راجہ تری بھون جو بھارت میں جلا وطنی کی زندگی گزارر ہا تھا، واپس آیا اور مسند اقتدار پر قابض و فائز ہوا۔ ۱۹۵۵ء (۲۰۱۲بکرم سمبت) میں تری بھون کا انتقال ہوگیا اور اس کے صاحب زادے شاہ مہیندر بیر بکرم شاہ دیو تخت نشین ہوئے۔ شاہ مہیندر نے بکرم سمبت 2015 یعنی۱۹۵۸ ءمیں نیپال میں عام جمہوری انتخابات منعقد کرائے، جن کے نتیجے میں نیپالی کانگریس کے صدر، بشیشور پرساد کوئیرالا اکثریتی جماعت کے رہنما کی حیثیت سے ۱۹۵۹ء میں وزیرِاعظم منتخب ہوئے۔ مگر شہنشاہیت نے اپنا ترنگ دکھایا اور صرف ڈیڑھ سال کے اندرہی بکرم سمبت ۲۰۱۷ (۱۹۶۰ء) میں راجہ مہیندر نے اس جمہوری حکومت کو برطرف کر کے "پنچائتی نظام" قائم کر دیا۔وزیر اعظم کو نظر بند کر دیا گیا اور پنچائتی نظام حکومت کا آغاز کیا گیا۔ اس نئی طرز حکومت کو نردلیہ یعنی غیر جماعتی نظام حکومت کا نام دیا گیا، جس میں انتخابات تو ہوتے تھے مگر کوئی آزاد عوامی پارٹی نہیں ہوتی تھی۔ البتہ مختلف پنچایتی سنگھٹنوں (جماعتوں) میں سے کسی اجتماعیت کا ممبر ہونا لازمی ہوتا تھا، مثلاً مہیلا سنگھٹن، یوا سنگھٹن، کسان سنگھٹن اور یہ سارے سنگھٹن پنچائتی نظام حکومت کے وفادار ہوتے تھے۔

پرتھوی نارائن شاہ کے بعد کا جدید نیپال

پنچایتی نظام حکومت ملک میں تیس سالوں تک نہایت ہی کروفر کے ساتھ قائم رہا، جس میں عوام کو بہت سے حقوق دیے گئے اور بعض سیاسی اصلاحات بھی کی گئیں۔ پورے ملک سے منتخب ہو کر پارلیمنٹ کے نمائندہ ہوتے تھے، اس کا نام راشٹر پنچائت رکھا گیا۔ یہ راشٹر پنچائت ایک وزیر اعظم، مختلف وزراء اور کیبنٹ پر مشتمل ہوتا تھا۔ ملک کو ۷۵ اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر ضلع میں وزارت داخلہ کا نمائندہ ضلعی نظم قائم کرتا تھا جسے سی ڈی او کہا جاتا تھا۔ اسی طرح ملک کو ۱۴ / انچلوں (صوبوں) میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر انچل میں ایک انچلادھیش ہوتا تھا جو اپنے انچل کے نظم کو قائم رکھتا تھا۔ راشٹریہ پنچائت کے ممبران اپنے میں سے کسی ایک ممتاز ہستی کووزیر اعظم منتخب کرتے تھے اور وزیر اعظم دیگر وزراء کی تقرری راجہ کی اجازت سے کرتے تھے۔ ہر ضلع میں ضلع پنچایت قائم تھا جس کے متعدد ممبران ہوتے تھے۔ ضلع پنچایت عوامی مسائل حل کرنے اور تعمیر و ترقی کے امور میں اپنا بھر پور کردار ادا کرتا تھا۔ اسی طرح مختلف گاؤں اور بستیوں پر مشتمل ایک گاؤں پنچائت ہوا کرتا تھا۔ گاؤں پنچائت میں کل ۹ وارڈ ہوتے تھے اور ہر وارڈ کا ایک صدر اور چار ممبران ہوتے تھے۔ گاؤں پنچایت کے صدر کو پردھان اور نائب صدر کو اپ پر دھان کہا جاتا تھا۔ بڑے شہروں میں نگر پنچایت کا سسٹم تھا۔ جس میں ۹ سے زائد وارڈ ہوا کرتے تھے۔ نگر پنچایت عوامی ٹیکسوں اور حکومتی گرانٹ یا پینشن سے ترقیاتی امور انجام دیتا تھا۔

قلیل مدت میں ہی عوام نے پنچایتی نظام حکومت سے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے مکمل جمہوریت کا نعرہ بلند کیا اور جمہوریت کی حصول یابی کے لیے کوششیں تیز کر دیں۔ چنانچہ راجہ بریندر نے بکرم سمبت ۲۰۳۶ (۱۹۸۰ء) میں ریفرنڈم (استصواب رائے) کا اعلان کر دیا۔ اس ریفریڈم میں عوام سے یہ پوچھا گیا کہ عوام کثیر جماعتی نظام حکومت چاہتی ہے یا غیر جماعتی اصلاح پذیر نظام حکومت۔ پورے ملک میں رائے دہی کا عمل شروع ہوا اور بہت معمولی فرق کے ساتھ کثیر جماعتی نظام حکومت چاہنے والوں کی شکست اور غیر جماعتی اصلاح پذیر نظام حکومت چاہنے والوں کو کامیابی ملی۔ ریفرنڈم کے نتائج کے اعلان کے بعد پارٹی سسٹم کے حامیوں نے مجبوراً ان نتائج کو قبول کرلیا، کیوں کہ ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

ریفرنڈم کے نتائج کے بعد پارٹیوں کی زیر زمین سرگرمی شروع ہو گئی اور دس سال کے بعد راجہ بریندر کو بالآخر بکرم سمبت ۲۰۴۶ (۱۹۹۰ء) میں عوامی تحریک جن آندولن کو قبول کرنا پڑا۔راجہ بریندر نے کثیر جماعتی جمہوریت بحال کر دی۔عبوری وزیراعظم کرشن پرساد بھٹّرائی (۱۹۹۰ء) کو بنا دیا گیا۔نئی حکومت آئینی بادشاہت کے ساتھ کثیر جماعتی جمہوریت میں تبدیل ہو گئی۔ کرشن پرساد بھٹرائی دو بارہ وزیر اعظم بنائے گئے، پہلی بار۱۹۹۰ء میں عوامی احتجاج کے بعد بطور عبوری وزیراعظم اور دوسری بار ۱۹۹۹ سنہ عیسوی میں عام انتخابات کے بعد۔ ان کا دوسرا دورسن عیسوی۲۰۰۰ میں ختم ہوا، پھر گر جا پر شا د کو ئرالا وزیرا عظم منتخب ہوئے۔وزیرا عظم گر جا پرشاد کوئرالا کے دور حکومت ۲۰۰۱ء (B.S. ۲۰۵۸) میں شاہی خاندان کا قتل عام ہوا۔ دربار شاہی کے اس قتل عام کے سانحہ میں شاہی خاندان کے تقریباً سارے ہی افراد قتل کردئے گئے۔ راجہ بریندر کے قتل کے بعد زخمی ولی عہد شہزادہ دیپندر کو شاہ نیپال کا اعلان کیا گیا مگر وہ زخموں کی تاب نہ لاکر موت سے دو چار ہوا۔ ان کی موت کے بعد راجہ ویرندر کے چھوٹے بھائی شہزادہ گیا نیندر کو راج گدی سونپی گئی جو اس سے قبل بھی نو عمری میں راج گدی پر بیٹھائے گئے تھے۔

ماؤ نواز تحریک اور جمہوریت:۔ ۱۹۹۶ء میں نیپال کمیونسٹ پارٹی (ماؤنواز) نے مسلح بغاوت شروع کی جسے بادشاہ کے خلاف عوامی احتجاجی جنگ کا نام دیا گیا۔کچھ دیہی اور اکثر پہاڑی علاقوں میں اس جنگ نے اپنی گرفت مضبوط کر لی اور متوازی انتظامیہ قائم کر لیا۔ سن عیسوی ۲۰۰۵ میں راجہ گیانندر نے مکمل طور پر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر پارلیمنٹ کو معطل کر دیا اور پرانے پنچوں کی نگرانی میں ایک عبوری حکومت قائم کردی،جس کے نتیجہ میں ماؤ وادیوں کی تحریک نے اور زیادہ زور پکڑ لی۔پارلیمنٹ کی بحالی کے لیے مختلف پارٹیاں سڑکوں پر آگئیں، بالآخر بادشاہ کو جمہوریت اور برخاست شدہ پارلیمنٹ کو پھر سے بحال کرنا پڑا۔ ۲۱/ نومبر ۲۰۰۶ کو حکومت اور ماؤوا دیوں کے درمیان معاہدہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی گذشتہ دس سالہ خانہ جنگی کا اختتام ہوا۔

ماؤ نواز تحریک اور جمہوریت تاریخ کے آئینے میں:۔

- آغاز ۱۹۹۶ء (B.S. ۲۰۵۲) میں نیپال کمیونسٹ پارٹی (ماؤ وادی) نے بغاوت شروع کی۔

- ۲۰۰۵ء (B.S. ۲۰۶۱/۶۲) میں راجہ گیانندر نے اقتدار سنبھالا، پارلیمنٹ کو معطل کر دیا۔
- ۲۱ نومبر ۲۰۰۶ء (B.S. ۲۰۶۳) کو حکومت اور ماؤ وادیوں کے درمیان امن معاہدہ ہوا۔
- ۲۰۰۸ء (B.S. ۲۰۶۵) میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور نیپال کو وفاقی جمہوریہ قرار دیا گیا۔

ماؤنواز تحریک کے مقاصد حسب ذیل تھے:۔

- نیپال میں بادشاہت کا خاتمہ
- جمہوری اور عوامی نظام قائم کرنا
- غریب، کسان، مزدور اور پس ماندہ طبقوں کے حقوق کی بحالی
- ذات پات اور طبقاتی نا انصافی کا خاتمہ
- ملک کو فیڈرل ریپبلک سیکولر/ لا دینی وفاقی جمہوریہ میں تبدیل کرنا

چنانچہ دو سو چالیس سالہ شاہی دور کا اختتام عمل میں آیا۔ نیپال ایک وفاقی جمہوری عوامی لا دینی ملک بن گیا۔ بکرم سمیت۲۰۷۲ میں دوسری بار منتخب آئین ساز اسمبلی نے صدر جمہوریہ رام برن یادو کے ہاتھوں ایک جمہوری دستور کا اعلان کیا۔ جس میں اقلیتیوں کے حقوق کی ضمانت دی گئی، پس ماندہ طبقات کے لیے مثبت تفریق اور مکمل سمانوپاتک سماویسی (قومیتوں کی کل تعداد کے لحاظ سے نششتیں جس میں ساری قومیتوں کو شامل کیا گیا ہو) کا اعلان کیا گیا۔ آج نیپال اسی دستور و آئین پر عمل کرتے ہوئے رواں دواں ہے۔

کچھ دستور ۲۰۷۲ کے بارے میں:۔ ملک کو نیا جمہوری وفاقی اور سیکولر دستور دینے کے لیے دو بار دستور ساز اسمبلی کے انتخابات عمل میں آئے، پہلی مرتبہ ۱۰، اپریل ۲۰۰۸ء کو جو ملک کو نیا دستور دینے میں ناکام رہا، دوسری بار ۱۹، نومبر ۲۰۱۳ ء کو۔ اس اسمبلی نے ملک کو ایک نیا دستور دیا جسے دستور نیپال ۲۰۷۲ کہا جاتا ہے۔ پہلی اسمبلی نے بادشاہت کے خاتمے کا اور ملک کو وفاقی جمہوریہ ہونے کا اعلان کردیا تھا۔نیپال کے موجودہ دستور ۲۰۷۲ کو دنیا کا بہترین دستور ہونے کا فخر حاصل ہے، جس کی بعض خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

دستور نیپال کی خصوصیات:۔

- نیپال میں مختلف ذات، قومیت، زبان، مذاہب او ر تہذیب کے وجود کو یکساں طور پر

تسلیم کیا گیا ہے۔برادری، قومی علاقائی، لسانی، مذہبی، جنسی اور نسلی بنیادوں پر ہر طرح کی تفریق اور بھید بھاؤ کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

o سیکولرزم، فیڈ رلزم (وفاقی) اور عوامی جمہوری نظام کا اعلان کیا گیا۔نیپال کے اندر بولی جانے والی تمام زبانوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔

o قومی پھول لالی گورانس، قومی رنگ سرخ، قومی جانور گائے اور قومی پرندہ ڈانفے کو تسلیم کیا گیا ہے۔

o ہر شخص کو با عزت زندگی گزارنے، اظہار رائے کی آزادی، مذہبی و دیگر اجتماع کرنے، پارٹی اور سماجی خدمات کی تنظیمیں کھولنے، ملک کے کسی بھی حصے میں بو دو باش اختیار کرنے اور من پسند کا روبار کرنے کی آزادی کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔

o ہر نیپالی کو برابری کا حق دیا گیاہے۔

o ہر پس ماندہ سمودائے (برادری) کو اونچا اٹھانے کے لیے مثبت شمولیت کا حق اور ملک کے مردم شماری کے لحاظ سے آبادی کےمتناسب شمولیت کے اصول کو اختیار کیا گیا ہے۔

o مذہب میں یقین رکھنے والے تمام لوگوں کو اپنےمن پسند مذہب اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے، اور اپنےمذہب کی حفاظت کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

o تمام مذہبی جماعتوں کو اپنے مذہبی مقامات کے تحفظ، مذہبی گو ٹھی (وقف) چلانے اور ان کا تحفظ کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

o دستور میں خواتین کوہر میدان میں تینتس فیصد ریزرویشن دیا گیا ہے۔

o مختلف سامودائے/اقلیتوں کی ترقی کے لیےالگ الگ کمیشن بنائے گئے ہیں مثلاً مہیلا آیوگ، دلت، آدی واسی، جنجاتی آیوگ، تھارو آیوگ،مسلم آیوگ

o دستور نے ثانوی درجہ تک کی مفت تعلیم اپنی مادری زبان میں دینے کا اختیاردیا ہے۔

o ہر شہری کے لیے حکومت کی طرف سے صحت کی سہولیات فراہم کی گئی ہیں۔

o اس دستور نے عوامی خدمات کے اداروں کو مقامی بنیادوں پر مستحکم کرنےکا ضابطہ بنایا ہے مثلاً صوبہ، گاؤں یا نگر پالیکا، مقامی اور ضلعی شفا خانے وغیرہ۔

☆ نیپال میں مسلمانوں کی موجودگی اور خدمات:۔

نیپالی مسلمان اس ملک کے قدیم باشندے ہیں، ساتویں صدی عیسوی میں جب اسلام عرب تاجروں کے ذریعہ ہندوستان کے مالابار ساحل سے گذر کر دیگر علاقوں میں پھیل رہا تھا، اسی زمانے میں ان تاجروں میں سے کچھ نے مشک اور دیگر چیزوں کی تجارت کے لیے نیپال اور تبت کا بھی سفر کیا، اسی زمانے میں یہاں کے قدیم باشندوں میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اس پر عمل پیرا رہے ۔مؤرخین کے یہاں اس تاریخی شواہد کا ذکر ملتا ہے کہ ہندوستان سے متصل سرحدی علاقوں میں آٹھویں تا دسویں صدی میں نیپال میں بسنے والے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور یہاں کی تہذیب و ثقافت کے ساتھ اسلامی تہذیب کو بھی رائج کیا۔زمانہ قدیم کے راجاؤں کے ادوار میں مسلمانوں کی موجودگی کا ذکر کئی مؤرخین نے کیا ہے۔ موجودہ عہد جدید میں مسلمانوں کی ملک کے لیے قابل ذکر خدمات اور قربانیوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

پرتھوی نارائن شاہ کا دور (۱۸ویں صدی):۔ پرتھوی نارائن شاہ نے جب نیپال کو متحد کیا تو مسلمان تاجر، کاریگر اور سپاہی ان کے ہم راہ تھے۔مسلمانوں نے اس دور میں ہتھیار سازی، زرگری اور دستکاری میں اہم کردار ادا کیا۔گورکھا فوج میں کچھ مسلمان ماہر توپچی اور سپاہی بھی شامل تھے۔ایک روایت کے مطابق پرتھوی نارائن شاہ کی عظیم فتح وکامرانی میں مسلم سپاہیوں اور ہتھیار سازوں کا کلیدی کردار رہا ہے، اور اسی لیے پرتھوی نارائن شاہ نے شاہ کا لقب اختیار کیا۔

شاہی دور (۱۸ویں صدی تا ۲۰ویں صدی):۔ مسلمان کاریگروں نے شاہی محلات اور سرکاری عمارتوں کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ قالین بافی، چمڑے کی صنعت، کپڑا رنگائی اور زیورات سازی میں مسلمانوں نے اپنی مہارت منوائی۔ اس دور کے مسلمان تاجر ہندوستان اور تبت کے ساتھ تجارتی راستوں کے ذریعے نیپال کی معیشت کو سہارا دیتے تھے۔مشک، کپڑے، پتھر اور چوڑیوں کے کار و بار میں مسلمانوں نے کافی شہرت حاصل کی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے ملک کی عدلیہ اور قانون کی زبان کو فروغ اور وسعت ملی۔ آج بھی عدالتی زبان میں لفظ عدالت، مدعا، مقدمہ، جج، صاحب،دیوان، مجلس، پیشی، گواہی، مثل، نظیر جیسے سیکڑوں الفاظ بولے جاتے ہیں جو مسلمانوں کی فارسی اور عربی و اردو مشترک زبان سے ماخوذ ہیں۔اس زمانے کی ادب کی زبان اور

ثقافت کو بھی مسلمانوں کی زبان و ثقافت نے وسیع المشرب بنایا، مثلاً اردو غزل، قوالی، مقطع، مطلع و مرثیہ کہنے کا ہنر مسلمانوں سے ہی حاصل ہوا۔ اسی طرح مختلف پوشاک کرتا پاجامہ (داؤرا و شلوار)، ڈھاکہ ٹوپی مسلم ثقافت کا حصہ ہیں۔

رانا دور (۱۸۴۶ – ۱۹۵۱ء):۔ رانا حکمرانوں کے زمانے میں بھی مسلمان کاریگر اور دستکار دربار سے وابستہ رہے۔انہوں نے گھریلو صنعتوں،خواتین کے سنگھار اور زیورات، لوہے کے ہتھیار، توپ اور گولے تیار کرنے اور زیورات بنانے میں اپنی خدمات پیش کیں۔گھوڑ سواری، گھوڑوں کی فوجی تربیت، اور جدید سپاہ گیری میں ان کا نمایاں کردار رہا ہے۔ شاہی محل میں کھانے پینے کا نظم دیکھنا، انواع و اقسام کے شاہی کھانے کی ترکیب، اور شاہی خاندان کو شاہی محل کے آداب و تہذیب سکھانے کا کام بھی انہوں نے کیا ہے۔مذہبی آزادی محدود ہونے کے باوجود مسلمانوں نے اپنی شناخت برقرار رکھی اور تعلیم و تدریس کے سلسلے کو بھی کسی حد تک جاری رکھا۔

جمہوری تحریک اور جدید نیپال (۱۹۵۱ء کے بعد):۔ جمہوری تحریک کے بعد مسلمانوں کو زیادہ سماجی و تعلیمی مواقع ملے۔مسلمانوں نے مدارس، مکاتب اور اسکولوں کی بنیاد رکھی، تاکہ نئی نسل کو اسلامی اور عصری تعلیم سے آراستہ کیا جا سکے۔کئی مسلمان شخصیات نے قومی سیاست، عدلیہ اور سماجی اداروں میں حصہ لینا شروع کیا۔

موجودہ وفاقی جمہوریہ نیپال (۲۰۰۸ء کے بعد):۔ آج مسلمان نیپال کی ایک منظّم اقلیت ہیں، جو تعلیم، صحت، سماجی خدمت اور سیاست میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔مسلم برادری کی طرف سے چلائے جانے والے مدارس، اسکول، ہاسٹل اور یتیم خانے ہزاروں طلبہ کو تعلیم و تربیت فراہم کر رہے ہیں۔مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کی خدمات بالخصوص ابتدائی درجات کی تعلیم و تربیت کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ مختلف مسلم ادارے ملک میں بین المذاہب ہم آہنگی اور امن کے فروغ میں سرگرم ہیں۔ خدمت خلق اور صحت عامہ کے میدان میں مسلمان سرگرم ہیں۔مسلمانوں نے ملہ راجاؤں کے زمانے سے لے کر پرتھوی نارائن شاہ کے زمانے تک اور جدید نیپال کے آغاز سے لے کر آج تک نیپال کے معاشی، سماجی، تعلیمی اور ثقافتی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہیں، لیکن ان کی جدوجہد اور قربانیوں نے نیپالی معاشرے کو مزید متنوع، خوب صورت اور مضبوط بنایا ہے۔

پرتھوی نارائن شاہ کے بعد کا جدید نیپال

سوالات اور مشقیں

(الف) درج ذیل الفاظ کے معانی یاد کریں:۔

جغرافیائی	زمین کی ساخت اور نقشے سے متعلق
تنوع	مختلف اقسام، رنگا رنگی
زرمبادلہ	وہ غیر ملکی کرنسی جو کسی ملک کو سیاحت یا تجارت سے حاصل ہو
سرحدیں	ملک کے کنارے یا حدود
معاہدہ	دو یا زیادہ فریقوں کے درمیان طے شدہ لکھا ہوا وعدہ یا قانون
سلب ہونا	چھین لینا، ختم کر دینا
اقتدار	حکومت یا اختیار
دور ظلمت	اندھیرے کا زمانہ، وہ وقت جب علم و آزادی چھن جائے
ریفرنڈم	عوامی ووٹ یا رائے شماری جس میں عوام سے براہِ راست رائے لی جاتی ہے
بحالی	دوبارہ قائم ہونا یا واپس آنا
دربار قتل عام	شاہی محل میں ہونے والا قتل
بغاوت	حکومت کے خلاف جدوجہد یا ہتھیار اٹھانا
وفاقی	ایسا نظام جس میں ملک کئی صوبوں یا ریاستوں پر مشتمل ہو
جمہوریہ	ایسا نظام حکومت جس میں عوام کا منتخب نمائندہ حکومت کرے
سیکولر	ایسا ملک جہاں تمام مذاہب کو برابر کا حق حاصل ہو، مذہب سے آزاد حکومت
اقلیتیں	وہ طبقات جو تعداد میں کم ہوں
ریزرویشن	مخصوص حصہ یا کوٹہ، جیسے خواتین کے لیے مخصوص نشستیں
ضمانت	یقین دہانی یا پکا وعدہ

(ب)درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیں:۔

سوال ۱: نیپال کی قدرتی خوب صورتی کی مشہور خصوصیات کیا ہیں؟

سوال ۲: پرتھوی نارائن شاہ کی سب سے بڑی کامیابی کیا تھی؟

سوال ۳: پر تھوری نارائن شا ہ نے سب سے پہلے کس علاقہ کو فتح کیا ؟

سوال ۴: رانا دور کو "دور ظلمت" کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال ۵: پنچائتی نظام کیا تھا؟

سوال ۶: دستور ۲۰۷۲ کی تین اہم خصوصیات بیان کریں۔

سوال : ۷نیپال کا موجودہ دستور کب نافذ ہوا اور کس صدر جمہوریہ کے دستخط سے جاری کیا گیا ؟

(ج)خالی جگہوں کو پُر کریں:

- پرتھوی نارائن شاہ کی پیدائش ___ میں ہوئی۔
- سگولی معاہدہ ___ میں ہوا۔
- رانا دور کو ___ کہا جاتا ہے۔
- دستور ۲۰۷۲ میں خواتین کو ___ فیصد نمائندگی ملی۔
- سنہ ___ میں نیپال کا نیا آئین نافذ ہوا۔
- نیپال کا قومی رنگ___قومی پھول___ اور قومی پرندہ___ہے

(د)درج ذیل سوالوں کے تفصیلی جواب لکھیں:۔

سوال نمبر ۱:۔ موجودہ دستور میں لوگوں کو بہت سے حقوق عطا کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض حقوق لکھیں۔

سوال نمبر ۲:۔ ملک نیپال میں مختلف ادوار میں مسلمانوں کی ملکی خدمات کی تفصیل لکھیں۔

پروجیکٹ ورک:۔ دو ساتھی مل کر ایک پروجیکٹ تیار کریں جس میں اپنے گاؤں کے امام اور بزرگ سے بات چیت کر کے مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال، کب سے یہاں مدرسہ، مکتب، مسجد قائم ہے؟ مسلمانوں کی آبادی کتنی پرانی ہے؟ یہاں کن کن اقلیات کے لوگ رہتے ہیں اور ان کے مسائل کیا ہیں؟ ان مسائل کو کیسے حل کیا جا سکتا ہے؟ آپ ان مسائل کو حل کرنے میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

سبق نمبر ۱۴

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

انبیائے کرام علیہم السلام کا مقصد بعثت انسانیت کو اللہ کی بندگی اور توحید کی طرف بلانا تھا۔ ہر نبی نے وحی کی روشنی میں اپنے دور کے حالات اور تقاضوں کے مطابق اپنی قوم کو اسی جانب بلایا اور زندگی بھر بلاتے رہے۔ انھی ہستیوں میں ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کی زندگی کا ہر پہلو توحید،اخلاق، زہد و تقویٰ، قربِ الٰہی اور اخلاق عالیہ کی تعلیم دیتا ہے۔آپ کا شمار قرآن مجید نے اولوالعزم پیغمبروں میں کیا۔ محاورہ ہے: "چراغ سے چراغ جلتا ہے"، یعنی ایک ہدایت دوسرے کے لیے روشنی بن جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اسی روشنی کا تسلسل ہے جو حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ تک جاری رہا۔

نسب نامہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے اور وہ حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ ان کا نسب حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے جاکر ملتا ہے۔حضرت عیسی

علیہ السلام کی والدہ، حضرت مریم علیہا السلام بنت عمران بن حضرت ہارون بن حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔(علیہم السلام)

ولادت : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش انسانی تاریخ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے آپ کو پیدا کیا۔یہ ولادت اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے۔ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کس جگہ ہوئی ؟ قرآن میں واضح طور پر پیدائش کی جگہ اور شہر کا نام سے نہیں آیا، لیکن اہلِ کتاب (بنی اسرائیل) کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ مفسرین (ابن کثیر، طبری وغیرہ) نے ذکر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کے شہر بیت لحم میں پیدا ہوئے۔یہی بات مسیحی روایات کے مطابق ہے۔بیت لحم فلسطین میں واقع ہے، یہ شہر یروشلم کے جنوب میں تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔یہی علاقہ حضرت داود علیہ السلام کا بھی مسکن تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تقریباً ۴ قبل مسیح میں ہوئی۔ روایات میں سال کی صحیح تاریخ کی طرف زیادہ زور نہیں دیا گیا، بلکہ اہم بات یہ ہے کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر والد کے پیدا ہوئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت فلسطین اور بیت لحم میں رومی سلطنت (Roman Empire) کا اثر تھا۔ فلسطین میں رومی نمائندہ یا ہیرودیس عظیم (Herod the Great) تھا۔

ابتدائی کلام:حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدائش کے بعد گود ہی میں کلام کیا۔انہوں اپنی ماں کی پاکیزگی کا اعلان کیا اور صاف بول پڑے میں اللہ کا بندہ ہوں۔ یہ الفاظ اس بات کا اعلان تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور نبی ہیں، نہ کہ اللہ کے بیٹے۔ان کی ماں کوئی بدکارخاتون نہیں تھیں۔

اعلان نبوت: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن تھا اور لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگایا تو عیسیٰ علیہ السلام گہوارے (جھولے) میں بولے : میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کو پیدائش کے فوراً بعد ہی نبی بنا

دیا تھا۔البتہ اعلان رسالت کا حکم تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں ملا۔اسی وقت اللہ نے ان پر انجیل نازل فرمائی۔

انجیل کا نزول: انجیل بھی قرآن کی طرح وحی کی صورت میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوئی، نہ کہ ایک ساتھ۔ہاں قرآن اور انجیل کے نزول میں واضح فرق یہ ہے کہ قرآن مجید یکبارگی "لوح محفوظ" سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا، پھر ۲۳ سال میں تدریجی طور پر نبی ﷺ پر اترا۔جب کہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کے طور پر تدریجاً نازل ہوئی، لیکن اس کا "یکبارگی" نزول آسمان دنیا پر ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔انجیل آرامی زبان میں نازل ہوئی تھی۔ اسی زبان سے ترجمہ کرکے آج انجیل کو نیو ٹیسٹامینٹ کہا جاتا ہے۔

انجیل کا مختصر تعارف: "انجیل" ایک الہامی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ "انجیل" یونانی زبان کے لفظ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: خو ش خبری۔ یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت اور نجات کی بشارت۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی اصل انجیل ہدایت، رحمت اور نور تھی۔اس میں بنی اسرائیل کی اصلاح، اخلاقی تربیت اور حضرت محمد ﷺ کی آمد کی پیشین گوئی شامل تھی۔

اصل انجیل اللہ کی کتاب تھی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ گم ہو گئی یا لوگوں نے اس میں تحریف کر دی۔آج جو "اناجیل" (Gospels) عیسائیوں کے پاس ہیں، وہ چار مشہور کتابیں ہیں: متی، مرقس، لوقا اور یوحنا۔ یہ اصل انجیل نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے شاگردوں یا پیروکاروں کی بیان کردہ روایات ہیں۔ آج دنیا میں انجیل اپنی اصلی زبان آرامی میں موجود نہیں ہے، اور نہ ہی اصل الہامی انجیل کا کوئی نسخہ بچا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت نبوت: قرآن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدائش کے وقت ہی نبی بنائے گئے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہوتے ہی نبوت عطا فرمائی۔مفسرین کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو دعوت دی۔اسی وقت انجیل بھی نازل ہوئی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت رسالت صرف ۳ سال جاری رہی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا بنیادی نکتہ توحید اور اصلاح تھا۔ آپ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ اصل دین اللہ کی عبادت اور تقویٰ ہے، نہ کہ دنیا پرستی۔آپ نے فرمایا: بے شک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، پس اسی کی عبادت کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت فلسطین (Palestine) اور اس کے آس پاس کے علاقوں تک محدود تھی۔تین علاقے قابل ذکر ہیں۔

ا۔ گلیلیہ (Galilee)شمالی فلسطین میں واقع تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زیادہ تر لوگ یہاں سے منتخب کیے اور بڑے شہروں جیسے کفرناحوم (Capernaum) میں رہائش اختیار کی۔

۲۔ یہودیہ (Judea)یہ جنوب فلسطین میں ہے۔یروشلم اور بیت لحم کے علاقے شامل تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم تشریف لاتے اور وہاں عبادت گاہوں اور گرجا گھروں میں تعلیم دیتے۔

۳۔ سامریہ (Samaria)یہودی اور سامری عوام کے درمیان واقع علاقہ ہے۔حضرت عیسیٰ نے یہاں بھی لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا۔

ان کی دعوتی زندگی میں درج ذیل مقامات یا علاقوں کا ذکر ملتا ہے۔ کفرناحوم، ناصریت، یروشلم، بیت حورون، کنعان۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدل لوگوں کے گھروں، بازاروں، عبادت گاہوں، کھلے مقامات اور عوامی جگہوں میں جاتے اور عام انسانوں کو دین حق کی دعوت دیتے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کی دعوت درج ذیل باتوں پر مشتمل تھی۔ شرک سے توبہ کریں، توحید یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔سماج میں عدل وانصاف اور رحم دلی کا ثبوت دیں۔گناہوں سے باز رہیں اور نیکی اختیار یں، لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔اس کے لیے وہ بالعموم معجزات کا اظہار کرتے اور لوگوں کو اللہ کی قدرت دکھاکر دین کی طرف بلاتے تھے۔

معجزات: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے جنہیں دیکھ کر بنی اسرائیل حیران رہ جاتے: جیسے

- گود میں کلام کرنا۔
- اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا۔
- مردوں کو زندہ کردینا۔

- مٹی سے پرندہ بنا کر اللہ کے حکم سے زندہ کر دینا۔
- آسمان سے کھانے کا دسترخوان (مائدہ) اترنا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ تمام معجزات ان کی الوہیت کا ثبوت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہیں۔ قرآن بار بار واضح کرتا ہے کہ یہ سب کچھ "بِإِذْنِ اللَّهِ" یعنی اللہ کے حکم سے ہوا۔ یہ سب معجزات اس بات کی دلیل ہیں کہ "اللہ چاہے تو ناممکن بھی ممکن ہوجاتا ہے"۔ آخر میں اللہ کی مشیت کے تحت زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے۔ صحیح احادیث کے مطابق آخری زمانہ میں دوبارہ نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔گویا ان کے معجزات ابھی آئندہ بھی ظاہر ہوں گے۔

حواریین: آپ کے مخلص ساتھی اور ایمان لانے والے خاص شاگرد "حواریین" کہلائے۔ انہوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں۔"یہ بات ہمیں سکھاتی ہے کہ حق کے راستے پر ثابت قدم رہنے والے ہمیشہ اللہ کی مدد کے طالب ہوتے ہیں۔یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص ساتھی، مددگار اور ایمان لانے والے افراد تھے۔ ان کی تعداد بارہ (۱۲) تھی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ کی بات کو مانا، ان پر ایمان لائے اور دین کی نصرت کے لیے تیار ہوگئے۔انہیں "حواریین" کیوں کہا گیا؟مفسرین کے مطابق کئی وجوہات ہیں:

۱. یہ دل و نیت کے اعتبار سے بالکل پاکیزہ اور خالص تھے۔
۲. یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے مخلص اور مددگار بنے۔
۳. بعض کے نزدیک "حواری" اصل میں سفید کپڑا صاف کرنے والے کے لیے بھی آتا ہے، یعنی وہ لوگ جو دلوں کو ایمان سے پاک صاف کرتے ہیں۔

یہودیوں کی سازش: یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی سازش کی، مگر اللہ نے انہیں محفوظ رکھا۔قرآن کہتا ہے:انہوں نے نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انہیں شبہ ہوا۔" (النساء: ۱۵۷)اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

دوبارہ آمد (نزولِ مسیح): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور انصاف قائم کریں گے۔" (بخاری)۔ یہ

عقیدہ مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات

- عاجزی و انکساری۔
- زہد و تقویٰ۔
- صبر و استقامت۔
- عدل و انصاف۔
- اخلاص و للّٰہیت۔ اعلیٰ اخلاق و کردار

محاورہ ہے: "انسان اپنے اخلاق سے پہچانا جاتا ہے"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اخلاقی عظمت کا عملی نمونہ ہے۔

آپ کا زہد : حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے بے رغبتی کے لیے مشہور تھے۔ آپ اکثر فقر اور سادگی میں رہتے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لوگو! سب سے زیادہ زاہد حضرت عیسیٰ ابن مریم تھے۔" (مشکوٰۃ)

نصیحتیں اور اقوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی متعدد نصیحتیں اور اقوال ہیں، ذیل میں بعض درج کی جارہی ہیں:

۱. "دنیا کو اپنا گھر مت بناؤ، یہ صرف ایک پل ہے، اس پر چلو مگر اس میں ہمیشہ کے لیے نہ ٹھہرو۔"

۲. "دنیا کو طلب کرنے والا عالم اور آخرت کو چاہنے والا جاہل ،دونوں تعجب کے لائق ہیں۔"

۳. "اے بنی اسرائیل! دلوں کو قساوت سے بچاؤ، کیونکہ سخت دل آدمی اللہ سے دور ہوتا ہے۔"

۴. "حلال لقمہ کھانے والے کی دعا قبول ہوتی ہے۔"

۵. "جو دوسروں کے گناہ دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتا ہے، وہ خود بھی اسی گناہ میں مبتلا کیا جاتا ہے۔"

٦. "اپنے علم پر غرور نہ کرو، بلکہ اس پر عمل کرو۔"
٧. "سچائی تمہیں سکون دیتی ہے اور جھوٹ تمہیں ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔"
٨. "جو شخص اپنی زبان کو قابو میں رکھے گا، وہ اپنی جان کو ہلاکت سے بچا لے گا۔"
٩. "جہاں خزانہ ہو، وہاں دل بھی لگ جاتا ہے۔ اس لیے اپنے خزانے آسمان میں رکھو۔"
١٠. دنیا کے لذیذ کھانے پیٹ کو بھرتے ہیں، مگر علم کی غذا روح کو زندہ رکھتی ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی ہیں۔ ان کی معجزاتی ولادت، ان کی زاہدانہ زندگی، ان کی دعوت اور ان کی دوبارہ آمد سب کچھ اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ان کی زندگی طلبہ کو یہ پیغام دیتی ہے کہ ایمان، توحید، اخلاق اور صبر سے دنیا و آخرت سنور جاتی ہے۔

مشق وسوالات:

(الف) مختصر سوالات:

١. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس قوم میں پیدا ہوئے؟
٢. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والدین کون تھے؟
٣. حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتنے سالوں تک لوگوں کو دعوت دی؟
٤. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزات لکھیں۔
٥. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت وہاں کس کی حکومت تھی؟

(ب) تفصیلی سوالات:

١. حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو کس طرح کی تعلیم دی اور ان کا پیغام کیا تھا؟
٢. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار کون ہیں اور ان کی خصوصیات کیا ہیں؟
٣. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے ہمیں اخلاقی اور دینی طور پر کون سے اہم سبق ملتے ہیں؟

(ج) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے نشان لگائیں: (☑ /☒)

۱. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی تھی۔

۲. حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن نازل ہوئی تھی۔

۳. حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حق کی دعوت دی اور اخلاق کی تعلیم دی۔

۴. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں پانی کو شراب میں بدلنا شامل تھا۔

۵. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والدین حضرت مریم اور حضرت یوسف تھے۔

سبق نمبر ۱۵

نعت نبی ﷺ

ہر طرف تیرگی تھی نہ تھی روشنی
آپ ﷺ آئے تو سب کو ملی روشنی

بزمِ عالم سے رخصت ہوئی ظلمتیں
جب حرا سے ہویدا ہوئی روشنی

چاند سورج کا انساں پرستار تھا
آپ ﷺ سے قبل اندھیرا نہ تھی روشنی

سوئے عرشِ عُلیٰ مصطفیٰ ﷺ کا سفر
روشنی کا طلب گار تھی روشنی

ہے وہ خورشیدِ اطلاق خیر البشر
جس سے پاتا ہے ہر آدمی روشنی

ایک امی لقب کا یہ اعجاز ہے
آدمی کو ملی علم کی روشنی

(اعجاز رحمانیؒ)

مشق وسوالات:

(الف)درج ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

۱. شاعر نے روشنی کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے؟
۲. "سوئے عرشِ علیٰ مصطفیٰ ﷺ کا سفر" سے کیا مراد ہے؟
۳. شاعر نے نبی ﷺ کو "خورشیدِ اطلاق خیر البشر" کیوں کہا ہے؟
۴. نبی ﷺ کو "پہلی کرن" اور "آخری روشنی" کہنے کا مفہوم بیان کیجیے۔
۵. "امی" لقب کا اعجاز کیا ہے؟
۶. شاعر نے نبی ﷺ کے نقشِ پا سے کائنات کے کن عناصر کو منسوب کیا ہے؟

(ب) درج ذیل جملوں کو بغور پڑھیں اور صحیح اور غلط کی پہچان کریں:

۱. نبی ﷺ کی آمد سے پہلے دنیا نور و علم سے منور تھی۔
۲. شاعر نے نبی ﷺ کو روشنی کا سرچشمہ کہا ہے۔
۳. "امی" لقب کا مطلب ہے جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔
۴. شاعر کے مطابق نبی ﷺ کی روشنی سے انسانوں کو علم ملا۔
۵. شاعر نے چاند اور سورج کو اندھیرے کی علامت کہا ہے۔

(ج) عملی مشق:

۱. نعت کے تین اشعار زبانی یاد کیجیے۔
۲. "روشنی" لفظ کے معنوی پہلوؤں پر دو جملے لکھیے۔
۳. نعت کے اشعار میں استعمال ہونے والی دو تشبیہیں اور دو استعارے تلاش کیجیے۔
۴. "امی لقب کا یہ اعجاز ہے" — اس شعر کی تشریح کیجیے۔
۵. ایک پیراگراف میں لکھیں کہ شاعر نے نبی ﷺ کی شان کو کس انداز میں بیان کیا ہے۔

(د) یہ نظم انتہائی معیاری اور ادبی ہے۔ اس نظم کی خوبیاں اپنی کاپی میں درج کریں:

اس نعت میں زبان نہایت سادہ، فصیح اور پراثر ہے۔شاعر نے نور و روشنی کو مرکزی استعارہ بنا کر نبی کریم ﷺ کی شان کو اجاگر کیا ہے۔اشعار میں تشبیہات، استعارات اور علامتی انداز نے حسنِ بیان میں اضافہ کیا ہے۔ہر شعر میں عقیدت، محبت اور احترام کی گہرائی نمایاں ہے۔شاعر نے نبی ﷺ کو انسانیت کے لیے ہدایت، علم اور روشنی کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔قافیہ و ردیف کی ہم آہنگی نے اشعار میں سوز و تاثیر پیدا کی ہے۔نظم میں عقیدت کے ساتھ فنی حسن بھی پوری طرح جلوہ گر ہے، جس سے یہ نعت ادبی اور روحانی دونوں لحاظ سے بلند درجہ رکھتی ہے۔

نبی ﷺ کی ثنا خوانی

چہرہ ہے کہ انوارِ دو عالم کا صحیفہ — آنکھیں ہیں کہ بحرینِ تقدس کے نگیں ہیں
ماتھا ہے کہ وحدت کی تجلی کا ورق ہے — عارِض ہیں کہ "والفجر" کی آیت کے اَمیں ہیں
گیسو ہیں کہ وَاللَّیل کے بکھرے ہوئے سایے — ابرو ہیں کہ قوسینِ شبِ قدر کھُلے ہیں

گردن ہے کہ بَر فرقِ زمیں اَوج ثریا — لب، صورتِ یاقوت شعاعوں میں دُھلے ہیں
قَد ہے کہ نبوت کے خد و خال کا معیار — بازو ہیں کہ توحید کی عظمت کے عَلَم ہیں
سینہ ہے کہ رمزِ دلِ ہستی کا خزینہ — پلکیں ہیں کہ الفاظِ رُخِ لوح و قلم ہیں
باتیں ہیں کہ طُوبیٰ کی چٹکتی ہوئی کلیاں — لہجہ ہے کہ یزداں کی زباں بول رہی ہے
خطبے ہیں کہ ساون کے امنڈتے ہوئے دریا — قرأت ہے کہ اسرارِ جہاں کھول رہی ہے
یہ دانت، یہ شیرازۂ شبنم کے تراشے — یاقوت کی وادی میں دمکتے ہوئے ہیرے
شرمندۂ تابِ لب و دندانِ پیمبر ﷺ — حرفے بہ ثنا خوانی و خامہ بہ صریرے
یہ موجِ تبسم ہے کہ رنگوں کی دھنک ہے — یہ عکسِ متانت ہے کہ ٹھہرا ہوا موسم
یہ شکر کے سجدے ہیں کہ آیات کی تنزیل — یہ آنکھ میں آنسو ہیں کہ الہام کی رِم جھم
یہ ہاتھ، یہ کونین کی تقدیر کے اوراق — یہ خط، یہ خد و خالِ رُخ مصحف و انجیل
یہ پاؤں، یہ مہتاب کی کرنوں کے مَعابد — یہ نقشِ قدم، بوسہ گہِ رَف رَف و جبریل
یہ رفعتِ دستار ہے یا اوجِ تخیل! — یہ بندِ قبا ہے کہ شگفتِ گُلِ ناہید
یہ سایۂ داماں ہے کہ پھیلا ہوا بادل — یہ صبحِ گریباں ہے کہ خمیازۂ خورشید
یہ دوش پہ چادر ہے کہ بخشش کی گھٹا ہے — یہ مہرِ نبوت ہے کہ نقشِ دلِ مہتاب

رخسار کی ضَو ہے کہ نمو صبحِ ازل کی
آنکھوں کی ملاحت ہے کہ روئے شبِ کم خواب

ہر نقشِ بدن اتنا مناسب ہے کہ جیسے
تزئینِ شب و روز کہ تمثیلِ مہ و سال

ملبوسِ کہن یوں شکن آلود ہے جیسے
ترتیب سے پہلے رُخِ ہستی کے خد و خال

رفتار میں افلاک کی گردش کا تصور
کردار میں شامل بنی ہاشم کی اَنا ہے

گفتار میں قرآں کی صداقت کا تیقّن
معیار میں گردُوں کی بلندی کفِ پا ہے

وہ فکر کہ خود عقلِ بشر سَر بگریباں
وہ فقر کہ ٹھوکر میں ہے دنیا کی بلندی

وہ شکر کہ خالق بھی ترے شکر کا ممنون
وہ حُسن کہ یوسفؑ بھی کرے آئینہ بندی

وہ علم کہ قرآں تِری عِترت کا قصیدہ
وہ حِلم کہ دشمن کو بھی امیدِ کرم ہے

وہ صبر کہ شبیر تری شاخ ثمردار
وہ ضبط کہ جس ضبط میں عرفانِ اُمم ہے

(محسن نقوی)

مشق وسوالات:

(الف) درج ذیل الفاظ ومعانی کو اچھی طرح یادکرلیں۔

انوارِ دو عالم	دنیا و آخرت کی روشنیوں کے مجموعے
بحرینِ تقدس	پاکیزگی کے دو سمندر
تجلی	چمک، نور کا ظہور
قوسین	دو کمانوں کے مانند خم دار ابرو
ثریا	آسمان کا بلند ترین ستارہ
رمز	بھید، راز
طوبیٰ	جنت کا ایک درخت
صریر	قلم کی آواز

نبی ﷺ کی ثنا خوانی

مصحف	قرآنِ پاک
معابد	عبادت گاہیں
خمیازۂ خورشید	سورج کے بیدار ہونے کی تمثیل
رف رف	جنت کا ایک خاص قالین جس پر حضور ﷺ کا سفر معراج ہوا
بلندیِ کفِ پا	پاؤں کی اونچائی، عظمت کی علامت
عترت	خاندان، اولاد
حِلم	بردباری، نرمی
عرفانِ اُمم	تمام انسانوں کا فہم و شعور

(ب) تفہیمی سوالات

۱. شاعر نے نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور کو کس چیز سے تشبیہ دی ہے؟

۲. نبی ﷺ کی گفتار اور خطبات کو شاعر نے کن چیزوں سے تشبیہ دی ہے؟

۳. "یہ پاؤں، یہ مہتاب کی کرنوں کے معابد" — اس مصرعے میں کیا عقیدت اور معنی پوشیدہ ہیں؟

۴. نبی ﷺ کے علم، فقر اور صبر کے متعلق شاعر نے کیا فرمایا ہے؟

۵. اس نعت کا مرکزی خیال کیا ہے؟

(ج) جوڑ ملائیں

الف	**ب**
گیسو	انوارِ دو عالم کا صحیفہ
ابرو	واللیل کے بکھرے ہوئے سایے
لب	قوسینِ شبِ قدر
خطبات	یاقوت کی مانند شعاعوں میں ڈھلے
قرأت	ساون کے امنڈتے دریا

رف رف	اسرارِ جہاں کی کنجی
عترت	معراج کی سواری
چہرۂ انور	خاندانِ رسول ﷺ

(د) درج ذیل جملوں کو بغور پڑھیں اور صحیح اور غلط کی پہچان کریں۔

۱. شاعر نے نبی ﷺ کے ہاتھوں کو تقدیرِ دو عالم سے تشبیہ دی ہے۔

۲. شاعر کے نزدیک حضور ﷺ کے گیسو سورج کی کرنوں جیسے ہیں۔

۳. شاعر نے نبی ﷺ کی گفتار کو قرآنی صداقت کہا ہے۔

۴. شاعر کے خیال میں نبی ﷺ کی ذات سراپا علم، حلم، صبر اور شکر کا پیکر ہے۔

۵. شاعر نے حضور ﷺ کے کردار کو عام انسانوں کے معیار پر پرکھا ہے۔

(ھ) عملی مشق:

۱. نبی ﷺ کے علم، حلم، صبر اور فقر پر شاعر کے خیالات مختصراً بیان کیجیے۔

۲. نعت کے دو اشعار کی تشریح کیجیے۔

۳. شاعر نے نور، روشنی، سایہ، تجلی اور چمک کے الفاظ کیوں استعمال کیے ہیں؟ اس کی وضاحت کریں۔

۴. محسن نقویؔ کے اسلوبِ بیان پر تبصرہ کیجیے۔

(و) نظم کی ادبی خوبیاں اپنی کاپی میں نوٹ کریں۔

اس نعت میں درج ذیل ادبی خوبیاں ہیں۔ نعت میں عقیدت، عشقِ رسول ﷺ اور فنی حسن کا خوبصورت امتزاج ہے۔ تشبیہات و استعارات کا استعمال اس قدر لطیف ہے کہ نبی ﷺ کی عظمت کا تصور قاری کے دل میں اتر جاتا ہے۔ شاعر نے قرآن، کائنات اور جمالِ نبوی ﷺ کو ایک ساتھ جوڑ دیا ہے۔ زبان نہایت شستہ ہے۔ نعت کا ہر شعر ایمان و محبتِ رسول ﷺ سے معمور ہے۔

نکاح میں سادگی کی اہمیت

وَخَلَقْنٰكُمْ أَزْوَاجًا

نکاح ایک سماجی ضرورت ہے، جو تمام مذاہب میں رائج ہے۔ اسلام میں نکاح کا جو تصور دیا گیا ہے وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، دوسرے مذاہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جنسی جذبہ انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس کی تکمیل کے لیے انسانوں نے عجیب و غریب طریقے اختیار کیے ہیں۔ کچھ مذاہب کے ماننے والے سمجھتے ہیں کہ یہ بہت قبیح عمل ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ انسان اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے اس جذبے کو نہ دبائے اور نہ کچلے۔ ہم جانتے ہیں کہ عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے۔ ان لوگوں میں اپنے جنسی جذبے کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کی ترغیب بھی دی جاتی ہے۔ دوسری طرف کچھ لوگوں نے اس کو پورا کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ ان کے یہاں کوئی پابندی نہیں ہے۔ انسان جس طرح چاہے اپنے اس جذبے کی تکمیل کر لے۔

اسلام نے جنسی جذبہ کی تکمیل کے لیے صرف نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ اس نے سماج کو حکم دیا ہے کہ تمہارے اندر جو غیر شادی شدہ ہوں، ان کا نکاح کراؤ اور وہ نو جوان یا وہ لوگ جو غیر شادی شدہ ہوں، ان کو بھی تاکید ہے کہ وہ شادی کے بندھن میں بندھ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”تم میں سے جو لوگ مجرّد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں، ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے

گا، اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔" (النور : ۳۲)

ایامی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا واحد 'ایّم' ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں وہ نوجوان جس کی ابھی شادی نہ ہوئی ہو، یا وہ شخص جس کی شادی ہو چکی ہو، لیکن کسی وجہ سے طلاق واقع ہو گئی ہو، یا اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہو، یا وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، یا اس نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی ہو۔ ایامی میں یہ تمام لوگ شامل ہیں۔

اسلام سماج کی یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی بھی شخص، خواہ وہ کسی بھی عمر کا ہو، بغیر نکاح کے نہ رہے۔ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:" اے نوجوانو ! تم میں سے جو بھی نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اسے نکاح کر لینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس سے نگاہوں کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔" (صحیح بخاری: ۱۹۰۵، صحیح مسلم : ۱۴۰۰)

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مردوں اور عورتوں دونوں کو مخاطب بنایاگیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے"ان کے محافظ بنو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو، یا چوری چھپے آشنائیاں کرو۔(المائدۃ: ۵)—اسی طرح فرمایا:"وہ حصارِ نکاح میں محفوظ (محصنات) ہوکر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں-" (النساء : ۲۵)

مردوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ عیاشیاں کریں، کھلے چھپے بدکاری کریں یا ناجائز تعلقات قائم کریں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ نکاح کے بندھن میں نہ بندھیں اور کھلے چھپے آوارگی کا مظاہرہ کریں یا چوری چھپے عیاشیاں کریں۔

اسلامی تعلیمات میں اس سے آگے کی چیز ملتی ہے، جو ہم سب کے لیے قابل توجہ ہے۔ اسلام نے نکاح کو آسان سے آسان تر بنایاہے اور زنا کو مشکل سے مشکل ترکیا ہے۔ زنا کے متعلق سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ یہ انتہائی فحش کام ہے اور انتہائی برا راستہ۔"(الاِسراء : ۳۲) زناکی سزا قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والے مرد یا عورت کو سو (۱۰۰) کوڑے مارے جائیں گے اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے

گا۔ اس کے مقابلے میں نکاح کو بہت آسان بنایا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات، آپؐ کا اسوہ اور صحابہؓ کا عمل ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: ''سب سے زیادہ با برکت نکاح وہ ہے، جس میں کم سے کم خرچ ہو۔'' (مسند احمد)

عام طور سے نکاح کے موقع پر بہت خرچ کیا جاتا ہے، دل کے ارمان نکالے جاتے ہیں، پُر تکلّف دعوتیں ہوتی ہیں، بڑی تعداد میں دولہا، دلہن اور رشتہ داروں کے جوڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ ان مصارف کے لیے اکثر گھرانوں میں قرض تک لینے کی نوبت آجاتی ہے۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس نکاح کو سب سے بہتر قرار دیا ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو اور جو سب سے زیادہ آسانی سے انجام پائے۔

ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کہا کہ مجھ سے نکاح کر لیجیے، یا کسی اور سے میرا نکاح کرا دیجیے۔ آپؐ خاموش رہے۔ وہ عورت بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد ایک صحابیؓ نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ! اس عورت کا نکاح مجھ سے کر ادیجیے۔ آپؐ نے پوچھا: تمھارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا : کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا : کچھ تو ہوگا۔ اس نے عرض کیا : کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا : اپنے گھر جاؤ اور دیکھو، جو بھی ہو، لے آؤ۔ اللہ کے رسول ﷺ کی تاکید کے بعد وہ صحابیؓ چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد واپس آئے اور کہا : میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا : تمھارے پاس لوہے کی انگوٹھی تو ہوگی انھوں نے کہا : اے اللہ کے رسول ! وہ بھی نہیں ہے۔ مگر اس وجہ سے نکاح روکا نہیں گیا۔ آپؐ نے فرمایا :'' تمھیں جو کچھ قرآن یاد ہے، اُسے اس عورت کو سکھا دینا۔ اِسی کے عوض میں اِس کو تمھارے نکاح میں دیتا ہوں۔ (بخاری:۵۱۲۱، مسلم : ۱۴۲۵)

ایک مرتبہ ایک نوجوان آپؐ کے پاس آیا اور کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ ! میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، لیکن کہیں پیغام بھیجتا ہوں تو لوگ مجھے اپنی لڑکی دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وہ نوجوان حجامہ یعنی پچھنا لگانے کا کام کیا کرتا تھا۔ ہمارے سماج میں بھی لوہار، نائی اور اس طرح کے لوگوں کو کم تر ذات کا سمجھا جاتا ہے۔ چوں کہ وہ ایک معمولی پیشہ کرتے تھے، اس لیے لوگ انھیں اپنی بیٹی دینے کے لیے راضی نہ تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے دریافت

فرمایا : تمھارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ اس نے جواب دیا : بنو بیاضہ سے۔ آپؐ نے قبیلے والوں کو پیغام بھیجا کہ اس نوجوان کا کہیں نکاح کروادیں۔ (ابو داؤد : ۲۱۰۲)

اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے سماج میں دوشیزائیں بیٹھی رہتی ہیں، ان کے رشتے نہیں مل پاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں مطلقہ یا بیوہ عورت گھر میں بیٹھی رہے، اس کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ایک عورت کی کسی وجہ سے طلاق ہو گئی ہو، یا وہ بیوہ ہو گئی ہو تو اس کی دوسری شادی ہوجاتی تھی، تیسری شادی ہوجاتی تھی، چوتھی شادی ہوجاتی تھی۔ عمر کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ کم عمر لڑکیوں کی شادی بڑی عمر کے مردوں سے ہوجاتی تھی اور زیادہ عمر کی عورتوں کی شادی نو عمر لڑکوں سے ہوجاتی تھی۔ اس معاملہ میں کوئی روک ٹوک اور دشواری نہیں تھی۔مدنی زندگی میں پے در پے غزوات اور سرایا کا سلسلہ تھااور صحابہ کرامؓ مہمات سر کرنے کے لیے مدینہ سے باہر جایا کرتے تھے۔ ان معرکوں میں شہادت عام بات تھی اور مدینہ میں شہداء کی بیواؤں کے ساتھ نکاح کا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ ادھر عدت مکمل ہوئی، ادھر اگر نکاح کی ضرورت ہے، تو شادی کا فی الفور انتظام ہوجاتا تھا۔نوجوان خاتون ہی نہیں بیواؤں کو بھی عہد صحابہ میں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔

ایک خاتون تھیں حضرت عاتکہ بنت زیدؓ۔حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبد اللہؓ سے ان کا نکاح ہوا۔ غزوۂ طائف میں وہ شہید ہو گئے تو حضرت زید بن الخطابؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ وہ شہید ہو گئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے نکاح کیا۔ وہ شہید ہو گئے تو حضرت زبیر بن العوامؓ نے ان سے نکاح کیا۔وہ شہید ہوگئے تو حضرت حسن بن علیؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اس طرح سے ان کا لقب 'زوجۃ الشھداء' (شہیدوں کی بیوی) پڑ گیا تھا۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ ،حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی بیوی تھیں۔ وہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ نے ان سے نکاح کرلیا، حضرت ابو بکرؓ کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا۔حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بہت مشہور صحابیہ ہیں۔ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو ان کے پاس تین رشتے آگئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا : اے اللہ کے رسول ﷺ ! میرے پاس فلاں فلاں رشتے آئے ہیں، بتایئے، ان میں سے کون سا رشتہ میرے لیے بہتر ہوگا ؟نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : اگر مجھ سے رائے چاہتی ہو تو۔ تم

اُن کے بجائے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرلو۔چنانچہ انہوں نے حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیا۔ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میرا یہ رشتہ بہت بابرکت ثابت ہوا۔ حضرت فاطمہؓ کی عمر زیادہ تھی، ان کے مقابلہ میں حضرت اسامہؓ کی عمر کم تھی۔ دونوں کی عمروں میں کافی تفاوت تھا، لیکن انہوں نے خوش گوار ازدواجی زندگی گزاری۔

اسلام میں عورت کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ جس کو چاہے پسند کرے۔ اسے کھل کر اپنی خواہش کے اظہار کی آزادی ہے۔ ایک لڑکی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آتی ہے اور کہتی ہے : اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے باپ نے میرا رشتہ اپنے بھتیجے کے ساتھ طے کر دیا ہے، مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : اگر تم نہیں چاہتی ہو تو تمہارا یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔ وہ لڑکی فوراً بول اٹھی: "مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ میں تو صرف یہ دکھانا چاہتی تھی کہ اسلام میں خواتین کو اپنی رائے کے اظہار کرنے کی کہاں تک آزادی ہے۔ آپ نے میرا حق تسلیم کر لیا، اب میں یہ رشتہ قبول کرتی ہوں -" (نسائی : ۳۲۶۹، احمد : ۲۵۰۴۳)

اسلام میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ عربی زبان میں جہیز کے لیے کوئی لفظ ہے ہی نہیں۔ عہد نبوی میں جتنی شادیاں ہوئی ہیں، کسی میں بھی جہیز کا کوئی تذکرہ نہیں آتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی شادی میں کسی باپ نے اپنی بیٹی کو کچھ نہیں دیا ہوگا۔ ضرور دیا ہوگا، لیکن وہ جہیز کی شکل میں نہیں تھا۔ سامان اکٹھے نہیں کیے گئے ہوں گے، ان کی نمائش نہیں کی گئی ہوگی، شادی سے پہلے لڑکے والوں کی طرف سے لسٹ نہیں دی گئی ہوگی کہ فلاں فلاں چیز چاہیے اور وہ فلاں کمپنی کی ہونی چاہیے۔ آج معاشرہ میں جس بڑی مقدار میں اور جس دکھاوے کے ساتھ جہیز کا لین دین ہوتا ہے، اس کی دین میں کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی ہر بیوی کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ یہی مہر حضرت فاطمہؓ کا بھی تھا۔ حالاں کہ حضرت علیؓ شروع ہی سے آپؐ کے پروردہ تھے، آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ جب نکاح کا موقع آیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا : تمہارے پاس کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا : میری ذاتی ملکیت میں کچھ نہیں ہے۔ میں تو شروع ہی سے آپ کے ساتھ رہاہوں، میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا : تمہارے پاس جو زرہ ہے، اسے بیچ لاؤ۔ انہوں نے زرہ

بیچی۔ اس سے جو پیسے وصول ہوئے ،اس سے آپؐ نے گھر گرہستی کا سامان خریدوایا اور اسی سے مہر ادا کر وایا ۔

آج کل باراتیوں کی لمبی لسٹ بنتی ہے۔ لڑکے کے چچا اور چچیاں، خالو اور خالائیں، پھوپھا اور پھوپیاں، پڑوسی، دوست و احباب، غرض ایک لمبی فہرست تیار ہوتی ہے۔ اس موقع پر کسی کو نظر انداز کیا جاتا ہے، یا بھول کر اس کا نام چھوٹ جاتا ہے تو وہ ناراض ہوجاتا ہے۔ پھر لڑکے والے لڑکی والوں سے کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ جو باراتی آپ کے یہاں پہنچیں، ان کی خوب اچھی طرح خاطر داری ہو۔ غور کریں، یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ لڑکے والے اپنے مہمانوں کو زبر دستی لڑکی والوں کا مہمان بنا دیتے ہیں۔ عہدِ نبوی میں ہونے والی شادیوں میں بارات کا کوئی تصور نہیں تھا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا شمار مدینہ کے انتہائی مال داروں میں ہوتا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انتقال کے وقت انہوں نے جو سونا چھوڑا تھا ،اسے کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر ان کے ورثہ میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ان کا جب نکاح ہوا تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی بلانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بعد میں جب آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان سے فرمایا : اے عبد الرحمٰن ! ولیمہ کرو، چاہے اس میں ایک بکری ہی ذبح کرو۔ (بخاری : ۲۰۴۸، مسلم : ۱۴۲۷)

ہم غور کریں، اللہ کے رسول ﷺ کی ذات کتنی با برکت اور محترم تھی۔ ایک چھوٹی بستی میں نکاح کی مجلس ہوتی ہے، لیکن آپؐ کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ آج نکاح کی تقریب منعقد کرنے کے لیے بڑے بڑے میرج ہال بک کیے جاتے ہیں اوراس کے ڈیکوریشن پر لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، حالاں کہ بہت آسانی سے سادہ تقریب منعقد کی جا سکتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا : " نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجد میں کرو۔ "(ترمذی:۱۰۸۹)

اسلام نے نکاح کو نہایت آسان اور بابرکت عمل قرار دیا ہے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ نکاح کے ذریعے معاشرہ پاکیزگی، عفت اور سکون کی راہ پر گامزن ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو" (ابن حبان)۔ مگر افسوس کہ

نکاح میں سادگی کی اہمیت

آج نکاح کو سہل اور آسان رکھنے کے بجائے رسوم و رواج کا بوجھ لاد دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے نکاح مشکل اور گناہ آسان ہوگیا ہے۔

نکاح کی تقاریب میں اسراف، نمائش، جہیز اور غیر ضروری اخراجات کا رواج عام ہوچکا ہے۔ اس نے نہ صرف نوجوانوں کے لیے نکاح کو مشکل بنا دیا ہے بلکہ والدین پر بھی غیر ضروری بوجھ ڈال دیا ہے۔ نتیجتاً تاخیرِ نکاح، ناجائز تعلقات اور معاشرتی بے راہ روی بڑھتی جارہی ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ ہم نے دین کے اصل مزاج یعنی سادگی اور اعتدال کو چھوڑ کر دنیاوی دکھاوا اختیار کرلیا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم نکاح میں سادگی کو اپنائیں، غیر شرعی رسومات ترک کریں اور سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق نکاح کریں۔ اگر امتِ مسلمہ نکاح کو آسان اور بابرکت بنا لے تو عفت و پاک دامنی عام ہوگی، گناہوں کے دروازے بند ہوں گے اور معاشرہ سکون و رحمت کا گہوارہ بن جائے گا۔ سادہ نکاح صرف مذہبی فریضہ نہیں بلکہ عصرِ حاضر کی سب سے بڑی سماجی اصلاح بھی ہے۔

سیرتِ نبوی اور سادگی کے نمونے: رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نہایت سادہ انداز میں ہوا، اس میں نہ کسی دکھاوے کی ضرورت پیش آئی اور نہ ہی کسی فضول رسم کی۔حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے نکاح میں جہیز کے طور پر صرف ایک چادر، ایک مشکیزہ اور چند برتن تھے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے نکاح میں آپ ﷺ نے صرف یہ دریافت فرمایا: "کتنا مہر دیا؟" انہوں نے بتایا: "کھجور کے برابر سونا۔" تو نبی ﷺ نے فرمایا: "ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔" (بخاری)

یہ مثالیں ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ نکاح کو آسان رکھنا ہی اصل سنت ہے۔سادگی اختیار کرنے سے متعدد دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں:نوجوان بروقت نکاح کر پاتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔والدین مالی بوجھ سے محفوظ رہتے ہیں۔معاشرے میں محبت، بھائی چارہ اور سکون قائم ہوتا ہے۔فضول خرچی کے بجائے مال کو صدقہ و خیرات اور نیک کاموں پر لگایا جاتا ہے۔سنتِ نبوی ﷺ زندہ ہوتی ہے اور نکاح بابرکت بن جاتا ہے۔

اس لیے ہمیں اس جانب عملی اقدامات کرنی چاہیے اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے رائے عامہ ہموار کرنی چاہیے۔ درج ذیل کام تو ہم بہ آسانی کرسکتے ہیں۔نکاح کے موقع پر غیر شرعی رسومات کو ترک کرنا۔ولیمہ کو سنت کے مطابق مختصر اور استطاعت کے مطابق رکھنا۔جہیز کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے اجتماعی شعور بیدار کرنا۔دین داری اور اخلاق کو ترجیح دینا۔مدارس اور مساجد میں نکاح کو عام کرنا تاکہ دین کا رنگ غالب ہو۔

نکاح میں سادگی اپنانا ایک دینی تقاضا ہی نہیں بلکہ عصرِ حاضر کی سب سے بڑی سماجی اصلاح ہے۔ اگر امتِ مسلمہ نے نکاح کو آسان اور بابرکت بنانے کا فیصلہ کر لیا تو بے شمار معاشرتی برائیاں ختم ہو جائیں گی۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات یہی ہیں کہ نکاح کو سہل بنایا جائے اور فضول خرچی سے بچا جائے۔ اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نکاح کو سادہ رکھے اور دوسروں کے لیے بھی سہولت کا ذریعہ بنے۔

مشق وسوالات:

(الف) درج ذیل الفاظ ومعانی کو یادکرلیں۔

الفاظ	معانی
مجرّد	غیر شادی شدہ
ایامی	غیر شادی شدہ مرد و عورتیں
استطاعت	طاقت، قدرت
محصنات	نکاح میں محفوظ عورتیں
وعید	سزا کی دھمکی
ولیمہ	نکاح کے بعد دعوتِ طعام
جہیز	شادی کے موقع پر دیا جانے والا سامان
اسراف	فضول خرچی
معاشرت	سماجی زندگی یا رہن سہن کا انداز
رائج	عام طور پر موجود یا جاری

نکاح میں سادگی کی اہمیت

تفاوت	فرق، کمی بیشی
خمیازہ	بیداری کے بعد کھنچاؤ، علامتی طور پر اثر یا انجام
عفت	پاکدامنی
سادہ	بغیر تکلف، سادگی والا

(ب) مختصر سوالات

۱. اسلام میں نکاح کو غیر معمولی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟
۲. دوسرے مذاہب میں نکاح کے بارے میں کیا تصورات پائے جاتے ہیں؟
۳. نبی اکرم ﷺ نے نکاح کو کس طرح آسان اور بابرکت قرار دیا؟
۴. عہدِ نبوی ﷺ میں نکاح کیسا ہوتا تھا؟ اس کی مثالیں دیں۔
۵. حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے نکاح سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟
۶. آج کے معاشرے میں نکاح کو مشکل بنانے والی وجوہات کیا ہیں؟
۷. جہیز اور اسراف کے کیا نقصانات ہیں؟
۸. نبی ﷺ کے فرمان "سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو" کی وضاحت کریں۔

(ج) جوڑ ملائیں

الف	ب
نکاح	غیر شرعی رسم
زنا	سنتِ نبوی ﷺ
جہیز	غیر شادی شدہ مرد و عورتیں
ولیمہ	عورت کا شرعی حق
ایامی	برکت اور خوشی کا سبب
مہر	پاکیزگی اور عفت کا ذریعہ
سادگی	سخت گناہ اور فحش عمل

(د) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے نشان لگائیں: (☑ /☒)

۱. اسلام نے نکاح کو مشکل اور زنا کو آسان بنایا ہے۔
۲. نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کم خرچ والا نکاح سب سے بابرکت ہے۔
۳. اسلام میں جہیز کی ترغیب دی گئی ہے۔
۴. قرآن مجید نے غیر شادی شدہ افراد کے نکاح کی ہدایت دی ہے۔
۵. عہدِ نبوی میں بارات اور دھوم دھام سے نکاح ہوتے تھے۔
۶. عورت کو نکاح کے معاملے میں رائے دینے کی آزادی حاصل ہے۔

☆ (ہ) سبق کی ادبی خوبیاں:

ذیل میں اس سبق کی ادبی خوبیاں درج کی جارہی ہیں، اسے بغور پڑھیں اور اسی طرح اپنی تحریر اور مضمون میں ادبی خوبیان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

۱. موضوع کی جامعیت: سبق میں نکاح کے تمام پہلوؤں — مذہبی، اخلاقی، سماجی اور تاریخی — کو نہایت متوازن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔
۲. بیانیہ اسلوب: روایت، آیاتِ قرآنی، احادیث، اور عملی مثالوں کو مؤثر بیانیہ میں جوڑ کر سبق کو دل کش بنایا گیا ہے۔
۳. اصلاحی پیغام: سبق کا مرکزی پیغام معاشرتی اصلاح ہے — نکاح کو آسان اور برکت والا بنانا۔
۴. حسنِ ترتیب: مضمون میں ابتدا فکری بنیاد سے، پھر مذہبی تعلیمات، پھر تاریخی مثالوں اور آخر میں عملی تجاویز تک منطقی تسلسل قائم رکھا گیا ہے۔
۵. دلائل کی پختگی: قرآن و حدیث کے حوالے سبق کو مستند اور مدلل بناتے ہیں۔
۶. سادگی اور تاثیر: زبان عام فہم مگر بلیغ ہے، جو قاری کے دل پر اثر ڈالتی ہے۔
۷. کردارِ نبوی ﷺ کا نمونہ: اسوۂ حسنہ کے واقعات نے سبق میں روحانیت اور جذباتی اثر پیدا کیا ہے۔

نکاح یمں سادگی کی اہمت

(و) تفصیلی سوالات:

۱. نکاح میں سادگی کی اہمیت کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت کیجیے۔

۲. موجودہ معاشرتی برائیوں میں سے نکاح میں نمود و نمائش اور اسراف پر تنقیدی نوٹ لکھیں۔

۳. نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے نکاح کی سادگی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

۴. نکاح میں سادگی اپنانے سے ایک عام انسان اور معاشرے پر کیا مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

۵. موجودہ دور میں نکاح کو آسان بنانے کے لیے آپ کیا تجاویز پیش کریں گے؟

(ز) عملی کام برائے طلبہ

عملی کام ۱: آپ کے گھر یا رشتہ دار میں ابھی ایک دوسال قبل جو شادی ہوئی ہے اس کو یاد کریں اورجواب میں نوٹ کریں کہ:

- اس نکاح میں سادگی کس حد تک اپنائی گئی تھی؟
- کن جگہوں پر غیر ضروری اخراجات کیے گئے؟
- اگر سادگی زیادہ ہوتی تو کیا فائدے ہوتے؟

عملی کام ۲: طلبہ ایک گروپ بنا کر نکاح کی سادگی پر مبنی نمونہ نکاح پروگرام تیار کریں، جس کو پرزیٹیشن کی شکل میں پیش کریں۔

- نکاح کے لیے ضروری ارکان و شرائط لکھیں
- فضول خرچی سے بچنے کے طریقے بتائیں
- ایک آسان اور اسلامی نکاح کا مختصر خاکہ پیش کریں

سبق نمبر ۱۷

بعض مشہور ادباء کی سوانح حیات

(الف) حسرت موہانی

حسرت موہانی، جن کا اصل نام اسماعیل احمد تھا، اردو ادب کے ایک نمایاں شاعر، ادیب اور افسانہ نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں ہندوستان کے شہر موہان (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ان میں شاعری اور ادب کی دل چسپی واضح تھی۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے عربی، فارسی اور اردو ادب میں مہارت حاصل کی اور اپنے ادبی ذوق کو پروان چڑھایا۔

حسرت موہانی کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت رومانیت، لطافتِ بیان اور انسانی جذبات کی نفاست ہے۔ انہوں نے اردو غزل میں ایک منفرد اسلوب متعارف کروایا، جس میں محبت، زندگی کی تلخی و مٹھاس، اور انسانی احساسات کی خوب صورت عکاسی ملتی ہے۔ ان کی غزلیں آج بھی اردو ادب میں دلوں کو چھو لینے والی تصور کی جاتی ہیں۔

حسرت موہانی صرف شاعر نہیں تھے، بلکہ انہوں نے افسانہ نگاری اور نثر میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اردو افسانے میں جدید فکر اور جدید موضوعات کو متعارف کرایا، جو ان کے دور کے ادبی افق کو وسیع کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں اور مضامین میں زندگی کی سچائی، معاشرتی مسائل اور انسانی جذبات کی عکاسی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

حسرت موہانی ایک حساس اور وطن پرست شخصیت کے حامل بھی تھے۔ وہ تحریک آزادی کے سرگرم رکن تھے اور آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیتے رہے۔ اس دوران انہیں کئی مرتبہ جیل بھی جانا پڑا، لیکن ان کا حوصلہ اور جذبہ کبھی کم نہیں ہوا۔ ان کی شاعری میں سیاسی شعور اور معاشرتی ذمہ داری کی جھلک بھی نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنے فن کے ذریعے معاشرتی بیداری اور

انسانیت کی خدمت کو فروغ دیا۔

حسرت موہانی کی شخصیت میں ادب اور وطن پرستی کا حسین امتزاج تھا۔ ان کے اشعار میں نہ صرف محبت اور حسنِ اخلاق کی عکاسی ملتی ہے بلکہ انسانی درد، فلسفہ اور زندگی کی پیچیدگیوں کو بھی نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ان کی شاعری نے اردو ادب میں ایک نیا رنگ پیدا کیا اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن گئی۔

حسرت موہانی نہ صرف اردو کے رومانوی شاعر بلکہ ایک نثر نگار اور معاشرتی شاعر کے طور پر بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری اور افسانے آج بھی ادب کے شائقین کے لیے مشعل راہ ہیں۔ محبت، انسانی جذبات، معاشرتی شعور اور وطن پرستی کی عکاسی ان کے کام کو ہر دور کے قاری کے لیے دل چسپ اور اہم بناتی ہے۔

ان کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

کوئی دم کا ساتھ دے دے، وہ تو ہے مجبورِ شوق
ہم کو اُس کے در پہ جانا، بے بہانا یاد ہے

قربِ الٰہی نے دل کو ایسا سکوں دیا
دنیا کے سارے غموں کو ہم نے ہوا کیا

(الف) مختصر سوالات:

۱. حسرت موہانی کا اصل نام کیا تھا؟
۲. حسرت موہانی کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت کیا تھی؟
۳. انہوں نے اردو ادب کے کس شعبے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں؟
۴. حسرت موہانی کا سیاسی اور معاشرتی کردار کیسا تھا؟

(ب) تفصیلی سوالات:

۱. حسرت موہانی کی شاعری میں محبت اور انسانی جذبات کی عکاسی کیسے کی گئی ہے؟
۲. افسانہ نگاری میں حسرت موہانی کے کردار اور خدمات بیان کریں۔
۳. حسرت موہانی کے سیاسی شعور اور وطن پرستی کے پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔
۴. ان کی شاعری اور افسانوں نے اردو ادب میں کیا نیا رنگ پیدا کیا؟

(ج) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے نشان بھی لگائیں:۔ (☒/☑)

۱. حسرت موہانی کا اصل نام اسماعیل احمد تھا۔
۲. حسرت موہانی صرف شاعر تھے اور نثر میں کوئی کام نہیں کیا۔
۳. حسرت موہانی نے اردو غزل میں محبت اور انسانی جذبات کو نمایاں کیا۔
۴. وہ تحریک آزادی کے سرگرم رکن نہیں تھے۔
۵. حسرت موہانی کی شاعری آج بھی ادب کے شائقین کے لیے اہم ہے۔

عملی سرگرمیاں برائے طلبہ

عملی کام ۱: حسرت موہانی کی کسی ایک مشہور غزل کا مطالعہ کریں اور اس پر کلاس میں تبصرہ کریں۔

- موضوع کیا ہے؟
- انسانی جذبات اور محبت کی عکاسی کیسے کی گئی ہے؟

عملی کام ۲: ایک گروپ میں حسرت موہانی کی ادبی خدمات پر پوسٹر تیار کریں۔

- شاعری میں منفرد اسلوب
- افسانہ نگاری میں خدمات
- سیاسی شعور اور معاشرتی کردار

(ب) مولانا الطاف حسین حالیؔ

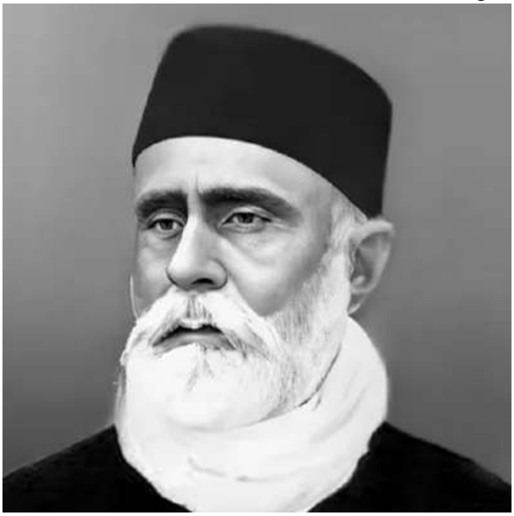

مولانا الطاف حسین حالی، اردو ادب کے نمایاں شاعر، نقاد اور افسانہ نگار ہیں، جنہوں نے اردو ادب کو نئی جہت دی۔ وہ ۱۸۳۷ء میں بھارت کے شہر گوالیئر کے قریبی علاقے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد انہوں نے عربی، فارسی اور اردو ادب میں مہارت حاصل کی۔ حالی نہ صرف شاعر تھے بلکہ بلند اخلاق اور روشن خیال شخصیت کے حامل بھی تھے، جنہوں نے معاشرتی شعور اور ادبی فکر کو فروغ دیا۔

ادبی خدمات: حالی کی شاعری اور نثر دونوں ہی اردو ادب میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اردو شاعری میں رومانوی اور فکری طرز کو جدید انداز میں پیش کیا۔ ان کی مشہور نظم "مسدسِ حالی" نے اردو شاعری میں اصلاحی فکر کو اجاگر کیا اور معاشرتی برائیوں کی طرف توجہ دلائی۔آج بھی طلبہ اسے بہت پسند کرتے ہیں۔

حالی نے اردو نثر میں بھی انقلاب برپا کیا۔ اپنی کتاب "اسرارِ خودی" اور "مطالعۂ ہند" میں انہوں نے معاشرتی، تعلیمی اور اخلاقی مسائل پر روشنی ڈالی۔ ان کی نثری تحریروں نے طلبہ اور عوام دونوں کے لیے شعور اور فہم پیدا کیا، اور اردو ادب کو ایک علمی اور اصلاحی رنگ دیا۔

اصلاحی کردار اور معاشرتی خدمات: حالی نہ صرف ادیب بلکہ ایک اصلاحی شخصیت بھی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی پسماندگی پر تنقید کی اور انہیں تعلیم اور علم کی طرف

راغب کیا۔ ان کے افکار نے اردو زبان اور ادب میں اصلاح اور ترقی کی لہر پیدا کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ زبان و ادب کے ذریعے معاشرتی بیداری ممکن ہے۔

ادبی اور اخلاقی خصوصیات: مولانا حالی کی شاعری اور نثر میں اخلاقی تعلیم، دینی فکر و فہم اور معاشرتی شعور نمایاں ہے۔ انہوں نے شاعری کے ذریعے نہ صرف محبت اور حسنِ اخلاق کو فروغ دیا بلکہ معاشرتی مسائل کی اصلاح پر بھی زور دیا۔ ان کی تحریروں میں سادگی اور معنویت کے امتزاج نے اردو ادب کو ایک نیا رنگ دیا۔

مولانا الطاف حسین حالی اردو ادب کے وہ روشن ستارہ ہیں جنہوں نے نہ صرف شاعری اور نثر میں نمایاں خدمات انجام دیں بلکہ معاشرتی شعور اور اصلاحی فکر کو بھی فروغ دیا۔ ان کے افکار اور ادبی کام آج بھی طلبہ، ادیب اور عوام کے لیے مشعل راہ ہیں۔ ان کی شاعری اور نثر میں اخلاق، فہم اور معاشرتی بیداری کی جھلک آج بھی اردو ادب میں زندہ ہے۔

اے پہاڑوں کی دل فریب فضا
اے لب جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

اے شب ماہتاب تاروں بھری
اے نسیم بہار کے جھونکو

قوم کی عزت اب ہنر سے ہے
علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے

کوئی دن میں وہ دور آئے گا
بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا

(الف) مختصر سوالات:

۱. مولانا الطاف حسین حالی کہاں پیدا ہوئے تھے؟

۲. حالی کی مشہور نظم کا نام کیا ہے جو اصلاحی فکر کو اجاگر کرتی ہے؟

۳. حالی نے معاشرتی اصلاح کے لیے کس شعبے میں سب سے زیادہ کام کیا؟
۴. حالی کی شاعری اور نثر کی سب سے بڑی خصوصیت کیا تھی؟

(ب) تفصیلی سوالات:

۱. مولانا حالی کی شاعری میں اصلاحی فکر اور معاشرتی شعور کیسے جھلکتا ہے؟
۲. حالی کی نثری تحریروں میں علم و تعلیم کے فروغ کے لیے کیا پیغامات ملتے ہیں؟
۳. طلبہ کے لیے مولانا حالی کے افکار کی اہمیت بیان کریں۔
۴. حالی کی شاعری اور نثر نے اردو ادب میں کون سا نیا رنگ پیدا کیا؟

(ج) درج ذیل جملوں کو بغور پڑھیں اور ان کے سامنے صحیح/غلط کے نشان لگائیں۔

۱. مولانا الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔
۲. حالی صرف شاعر تھے اور نثر میں کوئی کام نہیں کیا۔
۳. حالی کی مشہور نظم "مسدسِ ہجویہ" معاشرتی اصلاح کے لیے لکھی گئی تھی۔
۴. حالی نے مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی پسماندگی پر تنقید نہیں کی۔
۵. حالی کے ادبی کام آج بھی اردو ادب کے شائقین کے لیے مشعل راہ ہیں۔

عملی سرگرمیاں برائے طلبہ

عملی کام ۱:۔ مولانا حالی کی کسی مشہور نظم یا نثر کا مطالعہ کریں اور کلاس میں تبصرہ کریں۔

- نظم یا نثر کا موضوع کیا ہے؟
- اصلاحی اور معاشرتی پہلو کیسے بیان کیے گئے ہیں؟

عملی کام ۲:۔ ایک گروپ میں حالی کی ادبی خدمات پر پوسٹر تیار کریں:

- شاعری میں اصلاحی اور رومانوی طرز
- نثری تحریروں میں معاشرتی شعور
- علم و تعلیم کے فروغ کے لیے پیغامات

(ج) عبداللطیف شوقؔ

عبداللطیف شوقؔ نیپال گنج کے ایک معروف اُردو شاعر ہیں، جن کی پیدائش ۱۹۳۸ء میں شہر نیپال گنج ضلع بانکے میں ہوئی۔ آپ کا اصل نام عبداللطیف زرگر ہے اور "شوقؔ" تخلص استعمال کرتے ہیں۔ نیپال گنج میں اردو شاعری کے حوالے سے آپ کا شمار اہم شخصیات میں ہوتا ہے۔

عبداللطیف شوق کی شاعری :

عبداللطیف شوقؔ کی شاعری میں احساسات، جذبات اور معاشرتی موضوعات کا خوب صورت امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کی شاعری کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں:

- رومانی اور جذباتی رنگ: شوق صاحب کی غزلیں اور نظمیں محبت، عشق اور انسانی جذبات کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کے اشعار میں نہ صرف محبت کی نزاکت بلکہ انسانی دل کے پیچیدہ جذبات کی گہرائی بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔
- سادگی اور روانی: ان کی شاعری کا سب سے نمایاں پہلو زبان کی سادگی اور روانی ہے۔ یہ خصوصیت انہیں عام قاری کے دل کے قریب کرتی ہے اور اشعار کو یادگار بناتی ہے۔کم پڑھے لکھے اور عام افراد بھی ان کے اشعارپسند کرتے ہیں۔
- سماجی شعور: شوق صاحب نے اپنے اشعار میں معاشرتی مسائل اور انسانیت کے بنیادی اصولوں اور اخلاقیات کو بھی اجاگر کیا ہے۔ ان کے کلام میں انصاف، محبت، بھائی چارہ

اور اخلاقی اقدار کی اہمیت واضح نظر آتی ہے۔

○ ادبی خدمات: عبداللطیف شوقؔ کی تخلیقات نے نیپال میں اردو شاعری کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان کی شاعری آج بھی اردو ادب کے طلبہ اور اردو زبان کے شائقین کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

○ سوچ اور فکر میں پختگی: شوق صاحب کے کلام میں ذاتی تجربات اور زندگی کے فلسفیانہ پہلو بھی موجود ہیں، جو قاری کو سوچنے اور احساس کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں معاشرتی مسائل اور انسانیت کے بنیادی اصولوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کے کلام میں انصاف، محبت، بھائی چارہ اور اخلاقی اقدار کی اہمیت واضح نظر آتی ہے۔

مختصراً، عبداللطیف شوقؔ کی شاعری ایک حسین امتزاج ہے رومانی محبت، انسانی جذبات، سماجی شعور اور ادبی حسن کا، جو نیپال میں اردو شعر کی روشنی کو مزید فروغ دیتا ہے۔

اشعار کے نمونے: ان کی مختلف نظموں اور غزلوں سے الگ الگ اشعار بطور نمونہ درج ہیں:

درد بخشا چین چھینا دل کے ٹکڑے کر دیئے ہائے کس ظالم پہ میں نے بھی بھروسہ کر لیا

تخریب کے پردے میں ہی تعمیر ہے ساقی شیشہ کوئی پگھلا ہے تو پیمانہ بنا ہے

اپنی صورت دیکھنا ہو اپنے دل میں دیکھیے دل سا دنیا میں کوئی بھی آئنہ ملتا نہیں

بت یہاں ملتے نہیں ہیں یا خدا ملتا نہیں عزم مستحکم تو ہو دنیا میں کیا ملتا نہیں

تکمیل وفا ہوش میں ممکن ہی نہیں تھا دیوانہ سمجھ بوجھ کے دیوانہ بنا ہے

دل دیا وحشت لیا اور خود کو رسوا کر لیا مختصر سی زندگی میں میں نے کیا کیا کر لیا

کعبے میں تھا سکوں نہ کلیسا میں چین تھا تجھ سے بچھڑ کے دن یہ گزارے کہاں کہاں

ڈھونڈھتا پھرتا ہے مجھ کو کیوں فریب رنگ و بو میں وہاں ہوں خود جہاں اپنا پتا ملتا نہیں

لغزش ساقیؔ میخانہ خدا خیر کرے پھر نہ ٹوٹے کوئی پیمانہ خدا خیر کرے

شعری مجموعوں کا تعارف:

۱۔ سسکنے کی صدا (۲۰۱۷): یہ مجموعہ شاعر کی ابتدائی تخلیقات پر مشتمل ہے، جس میں ذاتی

تجربات اور جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔

۲. لفظوں کے موتی (اردو دوہے): اس مجموعے میں اردو دوہے کی شکل میں مختصر اور بامعنی اشعار شامل ہیں، جو قاری کو گہرے فکری اور جذباتی پیغامات دیتے ہیں۔

۳. متاع شوق (۲۰۱۳): یہ مجموعہ شاعر کی بالغ شاعری کا نمونہ ہے، جس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے۔

ان مجموعوں میں عبداللطیف شوق کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کی جھلکیاں ملتی ہیں، جو ان کے فنی کمالات اور ادبی خدمات کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان کی شاعری نہ صرف نیپال والوں کے لیے بلکہ اردو ادب کے جملہ شائقین کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

ایوارڈ یافتہ شاعر:

عبداللطیف شوق نیپال گنج میں اردو ادب کے فروغ کے لیے ایک استاد شاعر کے طور پر نمایاں کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ ان کی کوششوں کی وجہ سے نیپال گنج میں اردو شاعری نہ صرف زندہ رہی بلکہ نئی نسل کو بھی اردو ادب سے روشناس کرانے میں مدد ملی۔

عبداللطیف شوق کو نیپال کے صدر (راشٹریہ پتی) کی جانب سے ایک اہم ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ یہ ایوارڈ ۲۰۱۷ء میں نیپال کے دارالحکومت کاٹھمنڈو میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں پیش کیا گیا۔ اس موقع پر عبداللطیف شوقؔ کو اُن کی اُردو ادب کی خدمات کے اعتراف میں عزت افزائی کی گئی۔ یہ تقریب نیپال میں اُردو ادب کے فروغ کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوئی۔اس ایوارڈ کا مقصد عبداللطیف شوق کی اُردو شاعری اور ادب کے لیے اُن کی مسلسل محنت اور لگن کا اعتراف تھا۔

عبداللطیف شوق نیپال گنج میں اردو شاعری کے فروغ میں ایک نمایاں اور کلیدی شخصیت ہیں۔ ان کا کردار درج ذیل پہلوؤں سے واضح ہوتا ہے:

۱. اردو ادب کی شناخت قائم کرنا:

عبداللطیف شوق نے نیپال گنج میں اردو ادب کو ایک مستحکم مقام دلانے کے لیے اپنی شاعری اور ادبی سرگرمیوں کے ذریعے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا۔ ان کے اشعار اور غزلیں نہ صرف مقامی

اردو ادب کے شائقین کے لیے دلچسپی کا باعث بنی بلکہ نوجوانوں کو اردو زبان اور شاعری سے وابستہ ہونے کی ترغیب بھی دی۔

۲. شاعری اور ادبی محافل کا انعقاد:

شوق صاحب نے نیپال گنج میں ادبی محافل اور مشاعرہ جات کے انعقاد میں حصہ لیا اور گلزارِ ادب کے نام کی برسوں تک مسلسل شعری مجلسیں منعقد کرتے رہے، جس سے اردو ادب کے فروغ میں مقامی اور قریبی معاشرت کو شامل کیا گیا۔

۳. اردو ادب کی تعلیم و ترویج:

انہوں نے نہ صرف اپنی تخلیقات کے ذریعے بلکہ طلبہ اور نوجوانوں کے درمیان اردو ادب کے فروغ کے لیے مشورے اور رہنمائی بھی فراہم کی۔ ان کی غزلیں اور دوہے نوجوان نسل کے لیے اردو سیکھنے اور ادب کے دلدادہ ہونے کا ذریعہ بنے۔

۴. تخلیقات کے ذریعے ثقافتی پیغام:

شوق صاحب کی شاعری میں نہ صرف رومانی اور جذباتی رنگ ہیں بلکہ انسانی اخلاقیات، بھائی چارہ، اور معاشرتی انصاف کے موضوعات بھی شامل ہیں، جو اردو ادب کو نیپال کے معاشرتی اور ثقافتی تناظر میں زندہ رکھنے میں مددگار ثابت ہوئے۔

۵. ادبی رسائل اور جرائد میں حصہ:

ان کے شعری مجموعے جیسے "لفظوں کے موتی"، "متاع شوق" اور "سسکنے کی صدا" نیپال میں اردو ادب کے طلبہ اور قارئین کے لیے مشعل راہ بنے اورسہ ماہی پیغام اور ادبی رسائل میں ان کی اشاعت نے مقامی اردو شاعری کو ایک معتبر مقام دلایا۔

مشق وسوالات:

(الف) مختصر سوالات:

۱. عبداللطیف شوقؔ کہاں پیدا ہوئے؟

۲. عبداللطیف شوقؔ کی شاعری میں کون سے موضوعات کی جھلکیاں ملتی ہیں؟

۳. ان کے شعری مجموعوں میں سے کوئی دومجموعے کا نام لکھیں۔

(ب) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے نشان بھی لگائیں:۔ (☑ / ☒)

۱. عبداللطیف شوق ۱۹۳۸ء میں نیپال گنج میں پیدا ہوئے۔

۲. عبداللطیف شوق کی شاعری میں صرف رومانی رنگ پایا جاتا ہے۔

۳. ان کی شاعری میں زبان کی سادگی اور روانی ایک نمایاں پہلو ہے۔

۴. "لفظوں کے موتی" ان کے بالغ شاعری کا مجموعہ ہے۔

۵. عبداللطیف شوق نے نیپال میں اردو ادب کے فروغ میں کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا۔

(ج) وضاحتی سوالات:

۱. عبداللطیف شوقؔ کی شاعری میں رومانی اور جذباتی رنگ کی اہمیت بیان کریں۔

۲. عبداللطیف شوقؔ کے اشعار میں زندگی کے فلسفیانہ پہلو کیسے نمایاں ہیں؟

۳. ان کے شعری مجموعے "لفظوں کے موتی" کی خصوصیات کیا ہیں؟

۴. عبداللطیف شوقؔ کی شاعری نیپال میں اردو ادب کے فروغ میں کس طرح معاون ثابت ہوئی؟

بانگ درا (تعلیم اور اس کے نتائج)

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

تشریح: اس نظم میں علامہ اقبال نے تعلیم کے اثرات پر گہری نظر ڈالی ہے۔ پہلے مصرعے میں وہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم جوانوں کی ترقی سے خوش ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ شکایات بھی ہیں جو دل میں چھپی ہوئی ہیں۔ دوسرے مصرعے میں وہ اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ تعلیم سے معاشرتی ترقی آئے گی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ الحاد اور بے دینی بھی بڑھ رہی ہے۔ تیسرے مصرعے میں وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اگرچہ تعلیم سے کچھ مثبت تبدیلیاں آئی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ منفی اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں۔

ادبی مقام: یہ نظم اقبال کی فکری گہرائی اور شاعرانہ مہارت کا مظہر ہے۔ انھوں نے تعلیم کے اثرات پر نہ صرف مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے بلکہ اس کے منفی اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے، جو کہ ایک بالغ نظر مفکر کی نشان دہی ہے۔ یہ نظم آج بھی ہمارے تعلیمی نظام اور اس کے اثرات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

مشق وسوالات:

(الف) درج ذیل سوالات کے جواب لکھیں:

ا۔ نظم "تعلیم اور اس کے نتائج" کس کے مجموعہ کلام بانگِ درا میں شامل ہے؟

۲. اس نظم میں اقبال نے تعلیم کے کس پہلو پر روشنی ڈالی ہے؟
۳. نظم کے پہلے مصرعے میں شاعر نے کس احساس کا اظہار کیا ہے؟
۴. تعلیم کے منفی اثرات میں اقبال نے کون سا مسئلہ بیان کیا ہے؟
۵. نظم میں "الحاد" کا ذکر کیوں آیا ہے؟

(ب) صحیح یا غلط کی پہچان کریں اور سامنے نشان بھی لگائیں:۔ (☑ / ☒)

۱. اقبال کی نظم میں صرف تعلیم کے مثبت اثرات بیان کیے گئے ہیں۔
۲. "تعلیم اور اس کے نتائج" نظم میں جوانوں کی ترقی کی خوشی کے ساتھ کچھ شکایات بھی بیان کی گئی ہیں۔
۳. نظم کا مقصد طلبہ کو تعلیم سے صرف مادی فوائد حاصل کرنے کی ترغیب دینا ہے۔
۴. نظم میں تعلیم کو معاشرتی ترقی اور فکری اثرات کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔
۵. اقبال نے تعلیم کے ساتھ اخلاقی و دینی اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

(ج) وضاحتی سوالات:

۱. نظم کے پہلے مصرعے میں اقبال نے کس طرح تعلیم کے اثرات اور خدشات کو بیان کیا ہے؟
۲. شاعر نے تعلیم کے منفی اثرات کی مثال کیسے دی ہے؟
۳. نظم کی روح اور اس کے سبق آموز پہلو کو اپنے الفاظ میں بیان کریں۔
۴. اقبال نے تعلیم اور الحاد کے تعلق پر کیا فکری نقطہ نظر پیش کیا ہے؟
۵. اس نظم سے طلبہ کے لیے کیا عملی سبق حاصل کیا جا سکتا ہے؟

ایک لڑکا

دیارِ شرق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں، کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں، کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں، کم سِنوں کی رنگ رلیوں میں
سحر دم جھٹپٹے کے وقت، راتوں کے اندھیرے میں
کبھی میلوں میں، ناٹک ٹولیوں میں، ان کے ڈیرے میں
تعاقب میں کبھی گم تتلیوں کے، سونی راہوں میں
کبھی ننھے پرندوں کی، نہفتہ خواب گاہوں میں
برہنہ پاؤں، جلتی ریت، یخ بستہ ہواؤں میں
کبھی ہم سِن حسینوں میں، بہت خوش کام و دل رفتہ
کبھی پیچاں بگولا ساں، کبھی جیوںِ چشمِ خوں بستہ
ہوا میں تیرتا، خوابوں میں بادل کی طرح اُڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا، مڑتا
مجھے اِک لڑکا، آوارہ منش، آزاد سیلانی
مجھے اک لڑکا، جیسے تند چشموں کا رواں پانی
نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے یہ بلائے جاں
مرا ہم زاد ہے، ہر گام پر ہر موڑ پر جولاں
اسے ہم راہ پاتا ہوں، یہ سائے کی طرح میرا
تعاقب کر رہا ہے، جیسے میں مفرور ملزم ہوں
یہ مجھ سے پوچھتا ہے : اختر الایمان تم ہی ہو؟

خدائے عزوجل کی نعمتوں کا معترف ہوں میں
مجھے اقرار ہے، اس نے زمیں کو ایسے پھیلایا
کہ جیسے بستر کم خواب ہو، دیبا و مخمل ہو
مجھے اقرار ہے، یہ خیمہ افلاک کا سایا
اسی کی بخششیں ہیں، اسی نے سورج چاند تاروں کو
فضاؤں میں سنوارا، اِک حد فاصل مقرر کی
چٹانیں چیر کر دریا نکالے، خاک اسفل سے
مری تخلیق کی، مجھ کو جہاں کی پاسبانی دی
سمندر موتیوں مونگوں سے، کانیں لعل و گوہر سے
ہوائیں مست کن خوشبوؤں سے معمور کردی ہیں
وہ حاکم قادر مطلق ہے، یکتا اور دانا ہے
اندھیرے کو اجالے سے جدا کرتا ہے، خود کو میں
اگر پہچانتا ہوں، اس کی رحمت اور سخاوت ہے
اُسی نے خسروی دی ہے لئیموں کو، مجھے نکبت
اسی نے یاوہ گویوں کو مرا خازن بنایا ہے
تو نگر، ہرزہ کاروں کو کیا، دریوزہ گر مجھ کو
مگر جب جب کسی کے سامنے دامن پسارا ہے
یہ لڑکا پوچھتا ہے: اختر الایمان تم ہی ہو؟

معیشت دوسروں کے ہاتھ میں ہے، میرے قبضے میں
جُزء اِک ذہنِ رسا کچھ بھی نہیں، پھر بھی مگر مجھ کو
خروشِ عمر کے اِتمام تک اک بوجھ اٹھانا ہے
عناصر منتشر ہو جانے، نبضیں ڈوب جانے تک

نوائے صبح ہو یا نالۂ شب، کچھ بھی گانا ہے
ظفرمندوں کے آگے، رزق کی تحصیل کی خاطر
کبھی اپنا ہی نغمہ، اُن کا کہہ کر مسکرانا ہے
وہ خامہ سوزی، شب بیداریوں کا جو نتیجہ ہے
اسے اک کھوٹے سکے کی طرح سب کو دکھانا ہے
کبھی جب سوچتا ہوں، اپنے بارے میں تو کہتا ہوں
کہ تو اِک آبلہ ہے، جس کو آخر پھوٹ جانا ہے
غرض گرداں ہوں، بادِ صبح گاہی کی طرح لیکن
سحر کی آرزو میں، شب کا دامن تھامتا ہوں جب
یہ لڑکا پوچھتا ہے: اختر الایمان تم ہی ہو؟

یہ لڑکا پوچھتا ہے جب، تو میں جھلا کے کہتا ہوں
آشفتہ مزاج، اندوہ پرور، اضطراب آسا
جسے تم پوچھتے رہتے ہو، کب کا مر چکا ظالم
اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
اسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں
میں اس لڑکے سے کہتا ہوں: وہ شعلہ مر چکا جس نے
کبھی چاہا تھا اِک خاشاک عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے:
یہ کِذب و اِفترا ہے، جھوٹ ہے، دیکھو میں زندہ ہوں

(اختر الایمان)

مشق وسوالات:

(الف) درج ذیل الفاظ ومعانی کو اچھی طرح یاد کرلیں۔

الفاظ	معانی
دیارِ شرق	مشرقی ممالک، مشرق کا علاقہ
مینڈھ	کھیتوں کے درمیان کی حد یا پگڈنڈی
نیم عریاں	آدھے کپڑوں میں، جزوی برہنہ
رنگ رلیاں	کھیل کود، عیش و مستی
جھٹپٹا	صبح یا شام کا دھندلکا وقت
ناٹک ٹولی	ڈرامہ کھیلنے والوں کا گروہ
تعاقب	پیچھا کرنا
نہفتہ	چھپا ہوا
برہنہ پاؤں	ننگے پاؤں
یخ بستہ	بہت سرد
ہم سِن	ہم عمر، برابر عمر کے
چشمِ خوں بستہ	خون سے بھری آنکھ، یعنی غم یا غصے سے لبریز
آوارہ منش	بے مقصد پھرنے والا، آزاد مزاج
رواں پانی	بہتا ہوا پانی
ہم زاد	ہم مثل، باطنی ہم شکل، اندر کی شخصیت
مفرور ملزم	بھاگا ہوا مجرم
کم خواب	ریشمی کپڑا
دیبا و مخمل	اعلیٰ قسم کے نرم ریشمی کپڑے
حدِّ فاصل	درمیانی فاصلہ

بانگ درا (تعلیم اور اس کے نتائج)

اسفل	سب سے نیچے
لئیم	پست، کم درجے کا
ہرزہ کار	بیکار، گناہ میں مشغول شخص
دریوزہ گر	مانگنے والا، سوالی
معیشت	روزی، گزر بسر
ذہن رسا	تیز فہم، ذہین دماغ
خروش	شور، ولولہ، جوش
خامہ سوزی	قلم کا جلنا، محنتِ شاعری کی تعبیر
کھوٹا سکہ	بے وقعت چیز
آبلہ	چھالا، چھوٹی سی پیپ بھری سوجن
آشفتہ مزاج	بے چین طبیعت والا
اندوہ پرور	غم پالنے والا
خاشاک	تنکے، بے وقعت چیز
کِذب و افترا	جھوٹ اور بہتان

(ب) درج ذیل سوالات کے جواب لکھیں۔

ا. نظم "ایک لڑکا" کا مرکزی خیال کیا ہے؟
۲. شاعر "یہ لڑکا پوچھتا ہے: اختر الایمان تم ہی ہو؟" سے کیا مراد لیتا ہے؟
۳. شاعر کس طرح اپنی تخلیقی صلاحیت اور روزگار کی مجبوری کے درمیان تضاد دکھاتا ہے؟
۴. نظم کے دوسرے حصے میں شاعر نے اللہ کی کن نعمتوں کا ذکر کیا ہے؟
۵. شاعر آخر میں لڑکے سے کیا کہتا ہے؟

(ج) درج ذیل سوالات کا مختصر جواب دیں۔

۱. اختر الایمان نے اس نظم میں علامتی اسلوب کیسے برتا ہے؟

۲. نظم میں جدید انسان کی نفسیاتی کشمکش کس طرح ظاہر ہوئی ہے؟

۳. شاعر کے یہاں "یہ لڑکا" دراصل کس پہلو کی نمائندگی کرتا ہے — ماضی، ضمیر، یا آرزو؟

۴. "یہ لڑکا مسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے: دیکھو میں زندہ ہوں" — اس مصرعے میں کیا فلسفیانہ معنی پوشیدہ ہیں؟

۵. نظم میں کون سے استعارے یا علامتیں استعمال ہوئی ہیں؟

(د) نظم کی ادبی خوبیاں لکھیں۔

۱. علامتی اسلوب: "لڑکا" دراصل شاعر کے اندر کے معصوم، آزاد اور بغاوتی وجود کی علامت ہے۔

۲. فلسفیانہ گہرائی: نظم میں وجود، ضمیر، اخلاق، اور تخلیق جیسے گہرے موضوعات پر غور ہے۔

۳. خوبصورت تصویری مناظر: نظم کی ابتدا میں فطرت کے دل کش مناظر (آم کے باغ، جھیلیں، کھیت، ہوائیں) شاعرانہ حسن پیدا کرتے ہیں۔

۴. نظم کا تسلسل: "یہ لڑکا پوچھتا ہے..." کا تکرار قاری پر نفسیاتی اثر ڈالتا ہے اور پوری نظم میں تاثرِ وحدت پیدا کرتا ہے۔

۵. زبان و بیان: زبان بلیغ، جدید اور فکری ہے۔ الفاظ کے انتخاب میں پختگی اور معنویت ہے۔

۶. تصوف اور جدید فکر کا امتزاج: شاعر خدا کی نعمتوں کا معترف بھی ہے اور دنیاوی حالات سے شاکی بھی — یہ تضاد جدید انسان کی داخلی جنگ کو ظاہر کرتا ہے۔

۷. خود کلامی کا انداز: نظم دراصل شاعر کی خود سے مکالمہ آرائی ہے، جو اس کو گہرے نفسیاتی تاثر سے بھر دیتی ہے۔

(ھ) نظم کی اہمیت پر سوالات

۱. اختر الایمان کی شاعری میں یہ نظم ان کے فکری رجحان کو کیسے ظاہر کرتی ہے؟
۲. یہ نظم انسان کے اندر موجود "ضمیر" اور "ماضی" کے تصادم کو کس طرح پیش کرتی ہے؟
۳. نظم کا فکری پیغام موجودہ دور کے انسان پر کس طرح منطبق ہوتا ہے؟
۴. "ایک لڑکا" میں شاعر نے حقیقت اور خواب کے درمیان کی سرحد کیسے دھندلا دی ہے؟
۵. نظم میں "یہ لڑکا" دراصل شاعر کے اندر کے زندہ ضمیر کا استعارہ ہے —— وضاحت کریں۔

اختر الایمان(۱۹۹۵-۱۹۱۵) کا مختصر تعارف:

اختر الایمان، نجیب آباد ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ مدت تک وہ دلی کالج میں زیر تعلیم رہے اور دہلی یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ شروع میں محکمہ سِول سپلائی میں کام کیا، کچھ مدت تک آل انڈیا ریڈیو میں رہے۔ اس کے بعد ممبئی جا کر فلموں سے وابستہ ہوگئے۔ ان کی نظموں کے چھے مجموعے : گرداب (۱۹۴۳)، تاریک سیارہ (۱۹۴۶)، ایک منظوم تمثیل 'سب رنگ (۱۹۴۸) آب جو (۱۹۵۹)، یادیں (۱۹۶۱)، بنت لحات (۱۹۶۹)، نیا آہنگ' (۱۹۷۷) شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی کلیات' سروسامان (۱۹۸۴) میں منظر عام پر آیا۔ ان کی خود نوشت کا نام' اس آباد خرابے میں ہے۔ چوتھے مجموعے یا دیں پر (۱۹۶۲) میں انھیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ دیا گیا۔ اقبال اعزاز کے علاوہ متعد د صوبائی اکادمیوں نے بھی انھیں اعزازات اور انعامات سے نوازا۔

اختر الایمان کی نظموں میں ایک فلسفیانہ تجسّس کی کیفیت ملتی ہے۔ نظم نگاری میں انہوں نے اپنی راہ الگ بنائی ہے۔ نیکی اور بدی کی کش مکش، وقت کی اہمیت، خواب اور حقیقت کا تصادم اور انسانی رشتوں کی دھوپ چھاؤں ،اُن کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ وہ براہ راست انداز کے بجائے رمز یہ انداز کے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں خود کلامی اور مکالمے کی کیفیت ملتی ہے۔ غرض کہ اختر الایمان اردو نظم کے ممتاز شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

سبق نمبر ۱۹

ناول اور ناول نگار

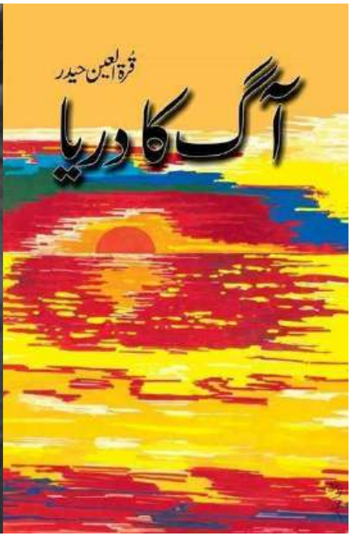

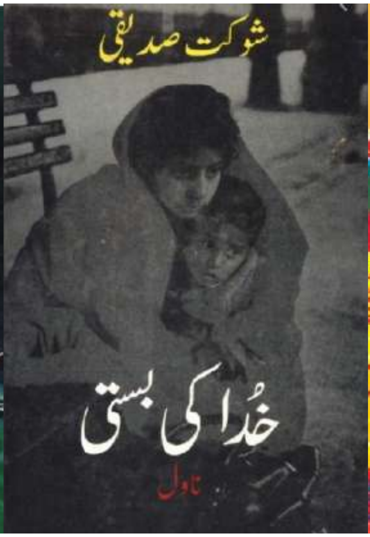

ناول انگریزی کا لفظ ہےجو اطالوی (Italian) زبان کےلفظ Novella ناویلا سے ماخوذ ہے جس کے معنی نیا، انوکھا، اچھوتا اور نرالا کے ہیں۔ ادب کی اصطلاح میں ناول اس نثری قصے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص نقطۂ نظر کے تحت انسانی زندگی کے حالات، حقیقی واقعات اور معاملات کو ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ناول اس طویل نثری افسانے کا نام ہے، جس میں انسانی زندگی کے فرضی واقعات کو فرضی کرداروں کے ذریعہ سے ایک مربوط پلاٹ کے سہارے اس طورسے پیش کیا جائے کہ وہ واقعات اور کردار سچے معلوم ہوں۔

ادب میں اس سچائی کو افسانوی صداقت کہا جاتا ہے۔ناول کا کینوس بہت وسیع ہوتا ہے۔ اس میں زندگی کے حقائق کی ترجمانی سے لے کر انفرادی اور سماجی زندگی، فلسفۂ زندگی اور تنقیدِ زندگی کے مسائل تک سما جاتے ہیں۔گویا ناول میں انسان کی معاشرتی زندگی کے حالات کی تصویر پیش کی جاتی ہے اور اسے اس طرح ترتیب دی جاتی ہے کہ اسےپڑھ کر قاری (پڑھنے والے) پر زندگی کا وہ نظریہ واضح ہوجاتا ہے جو ناول نگار کے ذہن میں ہوتا ہے۔ ناول نگار انسانوں کی زندگی کو دیکھتا ہے اور پھر اس کی ایسی سچی تصویر پیش کرتا ہے کہ قاری پر ایک خاص اثر چھوڑ

جاتی ہے۔ ناول انسانی زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔ اس میں معاشرتی اصلاح کا کوئی نہ کوئی حکیمانہ پیغام ہوتا ہے۔

کامیاب ناول کے لیے درج ذیل باتیں ضروری ہیں:

- وہ زندگی کی حقیقی تصویر ہو۔
- ناول نثر میں لکھا جائے۔
- انسانی احساسات و جذبات کی بھر پور ترجمانی ہو۔

ناول کے اقسام:۔ ناول کی درج ذیل اقسام ادیبوں کی جانب سے کی گئی ہیں۔سماجی ناول، معاشرتی ناول، سیاسی ناول، تاریخی ناول، کرداری ناول، ڈرامئی ناول، مہماتی ناول، واقعاتی ناول، جاسوسی ناول، اصلاحی ناول وغیرہ۔

مرکزی خیال کی اہمیت :۔ ناول کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مرکزی خیال کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اس میں واقعات و کردار تو ہوتے ہیں لیکن وہ سب محض مرکزی خیال کو پیش کرنے کے لیے آتے ہیں۔ ناول نگار زندگی کی حقیقتوں کو دیکھتا ہے، اسے پرکھتا ہے اور پھر ان سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ زندگی کے چند پہلوؤں کا انتخاب کرکے ناول میں پیش کرتا ہے اور ان پہلوؤں کے بارے میں جو اس کی رائے ہوتی ہے وہی ناول کا مرکزی خیال کہلاتا ہے۔ناول نگار اسی مرکزی خیال کو پیش نظر رکھ کر واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کرداروں کی بھی تخلیق کرتا ہے۔

ناول کا موضوعاتی دائرہ :۔ ناول کے موضوعات پر بات کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ موضوعات کے اعتبار سے ناول کا دائرہ کافی وسیع ہے، اس میں انسانوں کے افعال، خیالات، جذبات ،کامیابیوں، ناکامیوں اور دل چسپیوں غرض یہ کہ ہر ایک پہلو کو ناول کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ اس میں ماضی، حال اور مستقبل تینوں کا عکس موجود ہوتا ہے۔ یہ انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی کی بھی تصویر پیش کرتا ہے۔ اس کا اصل موضوع انسان ہے۔ انسان مختلف حالات و واقعات سے دوچار ہوتا ہے۔ وہ مختلف مسائل میں گھرا ہوتا ہے۔ ناول میں ان تمام موضوعات کو پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کے اجزائے ترکیبی:۔ فنی اعتبار سے ناول کے لیے چھ اجزا ضروری مانے جاتے ہیں۔ یعنی ناول چھ اجزا سے مل کر تیار ہوتا ہے۔ وہ اجزا ہیں قصہ، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور نقطۂ نظر۔

۱۔ قصہ:۔ قصہ یا کہانی ناول کا پہلا جزء ہے۔ یعنی ناول کی بنیاد کسی نہ کسی واقعے یا قصے پر قائم ہوتی ہے اور اسی سے ناول میں دل چسپی بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں کہانی کو کافی اہم مانا جاتا ہے۔ گویا قصہ ناول کی ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتا ہے۔ ناول نگار وہ قصہ یا کہانی انسانی زندگی سے اخذ کرتا ہے۔ وہ قصے تاریخی واقعات، سماجی، تہذیبی، سیاسی غرض یہ کہ تمام حالات پر مبنی ہو سکتے ہیں۔ قصہ میں دل چسپی اور تجسّس کا پورا سامان ہونا چاہیے تاکہ قاری شروع سے آخر تک کہانی پڑھتا چلا جائے اور اس انداز سے بیان کیا جائے کہ قاری کے اندر تجسّس پیدا ہو کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔

۲۔ پلاٹ:۔ ناول میں مختلف واقعات، قصوں یا کہانیوں کی ترتیب کو پلاٹ کہا جاتا ہے۔ ناول مختلف واقعات یا کہانیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یعنی ناول میں ایک کے بعد ایک چھوٹے بڑے قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ ان واقعات کو ناول نگار معنوی ربط و تسلسل کے ساتھ اگلے واقعے کو پچھلے واقعے سے جوڑتا ہے۔ اچھا پلاٹ وہی مانا جاتا ہے جس میں ربط و تسلسل ہو۔ اسی طرح پلاٹ سادہ اور مرکب بھی ہوتے ہیں۔ سادہ پلاٹ میں واقعات کو سیدھے سادے انداز میں بیان کردیا جاتا ہے اورہر فرد کے قصے کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔ مرکب پلاٹ میں مرکزی قصہ کے تحت دوسرے قصے بھی بیان ہوتے ہیں اور ان تمام کا آپس میں ربط ہوتا ہے۔

۳۔ کردار نگاری:۔ ناول کا تیسرا اہم جزء کردار نگاری ہے۔ ناول میں چونکہ کہانیاں یا قصے ہوتے ہیں اور وہ کہانیاں یا قصے اور واقعات جن لوگوں کے ذریعے پیش آتے ہیں وہی لوگ کردار کہلاتے ہیں۔ کردار کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اصل زندگی سے ہوں، حقیقی ہوں اور فطری بھی ہوں تاکہ پڑھنے والے کو اجنبی پن کا احساس نہ ہو بلکہ اسے اپنے سماج کا ایک فرد سمجھ کر دل چسپی کے ساتھ پڑھے۔ کہا جاتا ہے کہ قصے کا دارومدار کرداروں کی صحیح تخلیق پر ہوتا ہے۔ اور اچھے اور کامیاب کردار وہی مانے جاتے ہیں جو حقیقی زندگی کے جیتے جاگتے نمونے ہوتے ہیں۔

۴۔ مکالمہ نگاری:۔ ناول میں کرداروں کے ذریعہ آپس میں کی جانے والی بات چیت کو مکالمہ کہتے ہیں۔ ناول میں مکالمہ نگاری کی بہت اہمیت ہے۔ ان مکالموں کے ذریعہ کہانی آگے بڑھتی ہے اور کرداروں کے بارے میں جانکاری حاصل ہوتی ہے۔ قصہ یا کہانی کے ارتقا میں بھی مکالمہ کا کافی اہم حصہ ہوتا ہے۔ مکالمے کے ذریعے ناول نگار اپنا اظہار خیال کرتا ہے۔ وہ کرداروں کے مکالموں کے ذریعے اپنے دل کی تمام باتوں کو بیان کرتا ہے۔مکالمہ کے لیے ضروری ہے کہ مکالموں کا انداز بالکل فطری اور مناسب ہو۔ اسی طرح اس کا واضح اور مختصر ہونا بھی ضروری ہے تاکہ قاری کے ذہن میں کسی طرح کا الجھن نہ پیدا ہو۔ اس سے ناول میں اور زیادہ اثر پیدا ہوتا ہے اور ناول کامیاب ہوتا ہے۔

۵۔ منظر نگاری:۔ منظر نگاری بھی ناول کا اہم جزء ہے۔ اس سے بھی ناول میں دل کشی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ ناول نگار اس میں مقام، شہر، دیہات، وہاں کی زندگی، موسم، پہاڑ، جھیل، دریا، باغ، جنگل، میلہ ٹھیلہ، صبح و شام غرض کہ ہر ایک منظر کی یا واقعات کی اس طرح تصویر پیش کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے اس کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ اس کے سامنے ہے اور وہ ہر ایک منظر کو دیکھ رہا ہے۔منظر نگاری کے لیے ضروری ہے مناظر اجنبی، بے جان اور بے معنی نہ ہوں اور اسی طرح تصنع اور بناوٹ سے محفوظ ہو۔

۶۔ نقطۂ نظر:۔ ہر فن کار کا کوئی نہ کوئی نقطۂ نظر ہوتا ہے جسے وہ اپنے ناول میں پیش کرتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی مقصد ہوتا ہے۔ انسانی زندگی سے متعلق اس کی اپنی پسند و ناپسند اور اپنی رائے ہوتی ہے جس سے اس کا نقطۂ نظر ناول میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لیے شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال فنی طور پر کیا جائے۔ یعنی ناول نگار اپنے نقطہ نظر کو فطری انداز میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ نقطۂ نظر یا مقصد جو ناول نگار پیش کرنا چاہتا ہے وہ خود بخود قاری کے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح اس سلسلے میں اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ کہیں خطیبانہ اور ناصحانہ انداز نہ آئے۔

یہ وہ تمام اجزاء ہیں جن سے مل کر ایک کامیاب ناول وجود میں آتا ہے۔ ناول نگار بہت

سلیقہ مندی سے ان سب کے امتزاج سے اپنے ناول کو خوب صورت اور کامیاب بناتا ہے۔ناول کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی زبان صاف ستھری، سادہ، آسان اور عام فہم ہو تاکہ قاری کو پڑھتے وقت کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسی طرح جو کردار جیسا ہے، اسی کے اعتبار سے زبان کا استعمال کرنا بہتر مانا جاتا ہے، تاکہ قاری کے اندر دل چسپی پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے زبان و اسلوب کو بھی ناول کے اجزائے ترکیبی میں شامل کیا ہے۔

مشہور ناول نگار اور ان کی ادبی خدمات

(ا) سعادت حسن منٹو (۱۱ مئی ۱۹۱۲ء۔ ۱۸جنوری ۱۹۵۵ء)

سعادت حسن منٹو اردو ادب کے وہ تابندہ ستارے ہیں جنھوں نے اپنے قلم کے زور سے سماج کے آئینے کو اس بے باکی سے پیش کیا کہ آج بھی ان کی تحریریں ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ وہ ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء کو سمرالہ (ضلع لدھیانہ، پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں وہ عام طلبہ کی طرح تعلیم کے میدان میں نمایاں نہ تھے، مگر ان کی فطرت میں ایک عجیب بے چینی اور کھوجنے کا جذبہ چھپا ہوا تھا، جو آگے چل کر ایک عظیم ادیب کے روپ میں ظاہر ہوا۔

منٹو نے ابتدا میں تراجم کے ذریعے ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ وکٹر ہیوگو اور روسی ادیب چیخوف کی تخلیقات نے ان پر گہرا اثر ڈالا۔ تاہم جلد ہی ان کی کہانیاں ادبی حلقوں میں زیرِ بحث آنے لگیں۔ وہ معاشرتی منافقت، جنسی جبر، تقسیم ہند کے المیے اور انسانی فطرت کے تاریک گوشوں کو اس شدت سے بیان کرتے تھے کہ قاری انکار کے باوجود حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

ان کی کہانی ''ٹھنڈا گوشت''، ''کھول دو''، ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' اور ''بو'' محض کہانیاں نہیں بلکہ انسانی تاریخ کے حساس اور تلخ ترین لمحات کا ادبی نوحہ ہیں۔ تقسیم ہند کے کرب نے ان کے فن کو ایک ایسا رنگ دیا جو اردو ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' تقسیم کے نتیجے میں بٹے ہوئے انسان کے کرب کا ایسا شاہ کار ہے جس کی حیثیت آج بھی باقی ہے۔منٹو کے فن کا کمال یہ ہے کہ وہ سماج کی سچائیوں کو کسی پردے میں چھپانے کے قائل نہ تھے۔ منٹو کا اسلوب سادہ مگر کاٹ دار تھا۔ وہ غیر ضروری لفاظی سے گریز کرتے اور بات کو براہِ راست اور

گہرائی کے ساتھ بیان کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیاں قاری کو اندر تک ہلا دیتی ہیں۔ وہ محض افسانہ نگار نہیں بلکہ انسانی نفسیات کے بےمثال نقاد بھی تھے۔

۱۸جنوری ۱۹۵۵ء کو لاہور میں منٹو کا انتقال ہوا۔ صرف ۴۲ برس کی زندگی میں انہوں نے اردو ادب کو ایسا سرمایہ دیا جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ منٹو کا فن ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ادب کا مقصد محض حسن و عشق کی داستان نہیں بلکہ انسان اور سماج کے حقیقی مسائل کو بےخوفی سے بیان کرنا ہے۔ ان کا نام اردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ ایک ایسے فنکار کے طور پر زندہ رہے گا جو اپنے وقت سے آگے سوچتا تھا اور جس کے قلم نے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑنے کا بیڑا اٹھایا۔منٹو بنیادی طور پر افسانہ نگار اور ناول نگار کے طور پر مشہور ہیں، لیکن ان کی تحریروں میں ناولٹ اور طویل کہانیاں بھی موجود ہیں۔

سعادت حسن منٹو کی اہم تصانیف:۔

افسانوی مجموعے:۔ ۱۔سیاہ حاشیے (تقسیمِ ہند کے پس منظر پر مختصر افسانے) ۲۔بو

۳۔ٹھنڈا گوشت ۴۔کھول دو ۵۔ٹوبہ ٹیک سنگھ ۶۔دھواں

۷۔پُھند ۸۔ننگے پاؤں ۹۔گنجے فرشتے ۱۰۔لاؤڈ اسپیکر

ڈرامے:۔ ۱۔آؤ ۲۔جنازہ ۳۔ٹیڑھی لکیر

ادبی خصوصیات: منٹو نے سماج کے اندھیرے اور تلخ پہلوؤں کو بےنقاب کیا۔اس نے تقسیم ہند کا نوحہ کیا، ان کے افسانے اس المیے کے سچے گواہ ہیں۔ان میں بلا کی جرأتِ اظہار تھی، انہوں نے مقدمات جھیلے مگروہ قلم کی سچائی سے پیچھے نہ ہٹے۔ان میں نفسیاتی بصیرت پائی جاتی تھی، چنانچہ انہوں نے انسانی نفسیات اور فطری عادتوں کو باریک بینی سے سمجھا اور بیان کیا۔ انہوں نے اردو افسانے کو نئی سمت دی، انہوں نے مختصر افسانے کو ایک نیا معیار دیا۔ذیل میں ان کے قلمی شاہکار کے کچھ اقتباسات پیش ہیں:

"انسان جب اپنے وجود کے دائرے سے باہر نکلتا ہے تو دوسروں کی آزادی سلب کرنے لگتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ شاید اس کی خواہش ہی دوسروں کی تقدیر ہے۔ لیکن جب دوسروں کے دلوں میں بھی خواہشیں جاگتی ہیں تو ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے اور پھر سارا سماج بکھر جاتا ہے۔"

"جب میں ہندو، سکھ، یا مسلمان کے بجائے صرف انسان کو دیکھنے لگا، تب مجھے انسانیت کی اصل پہچان ملی۔ میں نے دیکھا کہ زخم سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں، خون کا رنگ سب کا ایک جیسا ہے، ماں کی ممتا، باپ کی تھکن، بچے کی مسکراہٹ ــــ سب کچھ ایک جیسا ہے۔ پھر کیوں ہم ان فرضی دیواروں میں بند ہو جاتے ہیں جو مذہب، قوم یا فرقے کے نام پر کھڑی کی گئی ہیں؟" "مذہب انسان کے باطن کا معاملہ ہے، مگر ہم نے اسے بازار کی گلیوں میں گھسیٹ لیا ہے۔ ہم نے اللہ کو جھگڑوں کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ انسان مر رہا ہے، مگر ہم ابھی تک پوچھتے ہیں کہ وہ کس فرقے کا تھا؟ انسان کی پہچان انسانیت ہونی چاہیے، نہ کہ اس کا نام یا مذہب۔"

ان کا ایک اور اقتباس ملاحظہ کریں:۔ "ہم ایک ایسا سماج ہیں جو دن میں مسجد، مندر یا گرجے میں جا کر نیکی کی باتیں کرتا ہے اور رات کو اندھیرے میں وہ سب کچھ کرتا ہے جسے دن کی روشنی میں گناہ کہا جاتا ہے۔ ہم دکھاوے کے قائل ہیں، حقیقت کے نہیں۔ ہمیں دوسروں کو برائی میں لتھڑاہوا دیکھنے میں مزہ آتا ہے، لیکن اپنی برائی کا آئینہ نہیں برداشت ہوتا۔" "میں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ یہاں نیکی بھی کاروبار بن چکی ہے اور بدی بھی ایک فن۔ ہمیں اگر بدلنا ہے تو اپنے اندر جھانکنا ہوگا۔ ورنہ ہم ہمیشہ دوسروں کو برا کہہ کر اپنی تسلی کرتے رہیں گے اور خود دھوکے میں جییں گے۔"

(۲) قرۃ العین حیدر:۔ (۲۰ جنوری ۱۹۲۷ء۔ ۲۱ اگست ۲۰۰۷ء)

زندگی اور احوال:۔

قرۃ العین حیدر ۲۰ جنوری ۱۹۲۷ء کو علی گڑھ (بھارت) میں پیدا ہوئیں۔ اُن کا تعلق ایک ادبی گھرانے سے تھا۔ والد سجاد حیدر یلدرم اردو کے معروف ادیب تھے اور والدہ بھی ادبی ذوق رکھتی تھیں۔ ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی۔ بعد میں انہوں نے فنونِ لطیفہ اور صحافت سے وابستگی اختیار کی۔ کچھ عرصہ پاکستان میں بھی قیام کیا، لیکن پھر واپس بھارت چلی گئیں۔قرۃ العین حیدر نے صحافت، تدریس اور سرکاری ملازمت کے شعبوں میں بھی کام کیا۔ "امروز"، "آئینہ" اور "اسٹار ڈسٹ" جیسے رسائل سے منسلک رہیں۔ آل انڈیا ریڈیو اور فلم ڈیویژن کے ساتھ بھی کام کیا۔۲۱ گست ۲۰۰۷ء کو لکھنؤ میں وفات پائیں۔

ناول نگاری:۔ قرۃ العین حیدر کو اردو فکشن میں "عظیم ناول نگار" کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے ناولوں میں تاریخ، تہذیب اور انسان کے تہذیبی سفر کی گہری جھلکیاں ملتی ہیں۔ وہ ناول میں تاریخی شعور اور تہذیبی تسلسل کو نہایت مہارت سے پیش کرتی ہیں۔ان کے نمایاں ناول اور افسانوی مجموعے درج ذیل ہیں:۔

○ آگ کا دریا (۱۹۵۹ء):۔ یہ اُن کا سب سے عظیم ناول ہے، جس نے اردو ادب میں سنگِ میل کی حیثیت اختیار کی۔ اس میں وادی گنگا جمنا کی تہذیبی تاریخ چار بڑے ادوار میں بیان کی گئی ہے: قدیم عہد (چندراگپت موریہ کا زمانہ)، عہدِ وسطیٰ (سلطنتِ دہلی و مغلیہ دور)، برطانوی عہد، اور تقسیمِ ہند کے بعد کا عہد۔کردار مختلف زمانوں میں دوبارہ جنم لیتے ہیں، جو تہذیب کے تسلسل کو اجاگر کرتا ہے۔

اس کتاب کا ایک اقتباس پڑھیں "گوتَم ندی کے کنارے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ انسان کس کرب ناک سفر کا مسافر ہے۔ وقت کے دائرے میں محصور، وہ بار بار ایک ہی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ کبھی وہ پتھر کا دیوتا بناتا ہے، کبھی آسمانی اللہ کو پوجتا ہے، کبھی اپنے جیسے انسانوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ مگر آخرکار وہ پھر تنہائی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ تاریخ کی ساری کتابیں دراصل اس کی تنہائی کی داستان ہیں۔ تہذیبیں عروج پر پہنچتی ہیں، زوال پذیر ہوتی ہیں، اور پھر مٹ جاتی ہیں۔ لیکن انسان کی پیاس بجھتی نہیں۔ وہ بار بار نئے خواب دیکھتا ہے اور نئے اللہ تراشتا ہے۔" (آگ کا دریا)۔

اسی کتاب میں ایک جگہ وہ لکھتی ہیں "تاریخ دراصل ایک مسلسل دریا ہے جو وقت کے کناروں سے بہتا ہوا کبھی خون میں نہاتا ہے، کبھی خوابوں میں، اور کبھی ریت میں گم ہو جاتا ہے۔لیکن انسان اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہے، وہ پھر بھی امید کے ساتھ نئے ساحل کی تلاش کرتا رہتا ہے۔" اسی طرح وہ لکھتی ہیں "تہذیب ایک دریا ہے جو صدیوں سے بہہ رہا ہے۔ کبھی اس کے پانی میں سکون ہے، کبھی طغیانی۔ اس دریا کے کناروں پر بستیاں اجڑتی اور آباد ہوتی رہی ہیں۔ مگر دریا اپنی روانی میں قائم ہے۔"

○ سفینۂ غمِ دل (۱۹۵۲ء):۔ قرۃ العین کا ابتدائی ناول، جس میں انہوں نے تقسیمِ ہند کے بعد پیدا ہونے والی کسمپرسی، ہجرت اور جذباتی بحران کو بیان کیا ہے۔

○ میرے بھی صنم خانے (۱۹۷۹ء):۔ اس ناول میں لکھنؤ کی مسلم اشرافیہ کی زندگی، ان کے زوال اور نئی سماجی تبدیلیوں کو نہایت باریک بینی سے پیش کیا گیا ہے۔ "وہ تہذیب جس پر کبھی ناز تھا، اب شکستہ عمارت کی مانند ہے۔ دیواریں باقی ہیں مگر زندگی کا شور کہیں کھو گیا ہے۔"

○ گردشِ رنگِ چمن (۱۹۸۶ء):۔ تہذیبی انتشار، بدلتے ہوئے اقدار اور سیاسی ہلچل اس ناول کے بنیادی موضوعات ہیں۔

○ کارِ جہاں دراز ہے (دو جلدیں، ۱۹۸۷ء):۔ ایک خود سوانحی ناول، جس میں انھوں نے اپنی زندگی کے تجربات، علی گڑھ کی ادبی و تہذیبی فضا اور برصغیر کی تقسیم کے اثرات کو پیش کیا۔ "بچپن کا علی گڑھ یاد آتا ہے تو لگتا ہے جیسے خوابوں کی دنیا تھی۔ وہاں کی محفلیں، وہاں کے لوگ، سب ایک ہی رشتے میں بندھے ہوئے نظر آتے تھے۔"

○ چاندنی بیگم (۱۹۹۰ء):۔ یہ ناول بھی برصغیر کی مسلم تہذیب کے زوال اور متوسط طبقے کے مسائل پر مرکوز ہے۔

قرۃ العین حیدر نے اردو ناول کو محض تفریح یا قصہ گوئی سے نکال کر تاریخی شعور، تہذیبی ارتقا اور فکری گہرائی کے بلند درجے پر فائز کیا۔ ان کے ناول محض کہانیاں نہیں بلکہ برصغیر کی تہذیبی تاریخ کے آئینے ہیں۔ اسی لیے انہیں "آگ کا دریا" کی خالقہ کے طور پر اردو ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

(۳) نسیم حجازی (پیدائش ۱۹۱۴۔ وفات ۱۹۹۶)

ناول نگاروں میں ایک نمایاں اور مقبول نام ''نسیم حجازی'' کا بھی ہے۔ انھوں نے اردو زبان کے تاریخی فکشن لکھنے میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا، جس کی وجہ سے ان کی شہرت اور اثرات کا دائرہ کئی نسلوں تک محیط ہے۔ اسلامی تاریخ کو اردو فکشن کا روپ دینے میں جس قدر مستقل مزاجی سے وہ تمام عمر ڈٹے رہے، ان کا یہ جذبہ قابل ستائش ہے۔

نسیم حجازی کا اصل نام شریف حسین تھا، لیکن وہ اپنے قلمی نام کی بدولت ہی معروف ہوئے۔ ۱۹۱۴ میں پنجاب کے ضلع گرداسپور کی تحصیل دھاری وال کے گاؤں سوجن پور میں پیدا

ہوئے، ۱۹۹۶ میں راولپنڈی میں انتقال ہوا۔ نسیم حجازی نے ۱۹۳۸ میں اسلامیہ کالج لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد اپنے قلمی سفر کی ابتدا کی۔ تخلیقی دنیا میں افسانہ نویسی سے داخل ہوئے اور پہلا افسانہ ''شودر'' لکھا، جو ہندوستانی معاشرت کی عکاسی کرتا تھا، لیکن جلد ہی وہ ناول نگاری کی طرف راغب ہوگئے۔

نسیم حجازی کا شمار اولین تاریخی ناول نگاروں میں ہوتا ہے، جنہوں نے اسلامی تاریخ کو اپنے ناولوں میں خوب صورت اسلوب و فکر کے پیرائے میں بیان کیا۔ کہانیوں کو دل چسپ اور عوامی انداز میں پیش کیا۔ ۱۹۴۰ سے ۱۹۹۰ تک نسیم حجازی اردو فکشن تخلیق کرتے رہے، مسلمانوں کی فتوحات اور تاریخ کو ناول کی صنف میں محفوظ کیا۔ کہانیوں کے مرکزی خیال اور کرداروں کی تشکیل میں مؤرخ کے طور پر مسلمانوں کے مذہبی احساسات کی کلی طور سے ترجمانی کی۔ انہوں نے طنز و مزاح اور سفرنامہ کی صنف میں بھی طبع آزمائی کی۔

یہ کہا جاسکتا ہے، وہ ایک ناول نگارہونے کے ساتھ ساتھ مؤرخ اور مبلغ بھی تھے، کیونکہ تمام زندگی اپنے مخصوص تاریخی موضوعات پر مسلسل لکھتے رہے۔ اسی لیےان کی مقبولیت کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور ان کے ناولوں کو وسیع پیمانے پر پڑھا جاتا ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلامی تاریخ کے معروف و مشہور ناول نگار ہیں۔

نسیم حجازی نے اپنے قلم کا محور مسلمانوں کی تاریخ کو ہی رکھا۔ علامہ اقبال نے جس طرح شاعری میں اندلس کے مسلمانوں کو یاد رکھا،تو نثر میں نسیم حجازی نے مسلمانوں کی عمومی تاریخ، برصغیر اور یورپ میں مسلمانوں کی تاریخ کی بابت اپنی کہانیوں کے تانے بانے بنے۔ ان کے لکھے ہوئے ناولوں پر ڈرامے اور فلمیں بھی بنائی گئیں۔ ۱۹۴۰ میں پہلی مرتبہ ان کا جو ناول شائع ہوا، اس کا نام''انسان اور دیوتا'' تھا۔ ان کے لکھے گئے ناولوں کی تعداد ۱۶ ہے۔ ان کے ناولوں میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ اور اسلامی تاریخ کے درخشاں پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں اسلامی تاریخ اور مجاہدین کی قربانیوں کو زندہ کر کے مسلمانوں کو غیرت و بیداری کا پیغام دیا۔ ان کے ناولوں سے کچھ نمونے آپ بھی مشاہدہ کریں:

نمونہ: یوسف بن تاشفین:۔ اندلس کے مسلم فاتح یوسف بن تاشفین کی زندگی اور جہاد کا

نقشہ کھینچا گیا ہے۔
"کچھ دیر سمندر کی طرف نگاہیں دوڑانے کے بعد انہوں نے صبح کی نماز ادا کی اور پھر چھت پر کھڑے ہو کر اُفق کی طرف دیکھنے لگے۔ستارے سحر کی بڑھتی ہوئی روشنی میں گم ہو گئے۔شفق کے نقاب سے سورج کی دمکتی ہوئی پیشانی نمودار ہوئی اور سمندر کی سطح پر نور کی ایک چادر بچھ گئی۔ میمونہ نے نیچے جھانک کر دیکھا ساحل پر سینکڑوں آدمی سمندر کی طرف ٹکٹکی باندھے کھڑے تھے"۔سعد اُفق کی طرف اشارہ کر کے چلایا۔ "وہ آگئے، اُندلس کے نجات دہندہ آ گئے۔" سعد وار فتگی کے عالم میں کہہ رہا تھا "میمونہ ! مسکراؤ آج اندلس تمھارا ہے،اپنی بہنوں کو یہ مژدہ سناؤ کہ تمھاری عزت اور عصمت کے رکھوالے آ گئے ہیں۔آج اندلس میں انسانیت ایک نیا جنم لے رہی ہے۔"
نمونہ: شاہین:۔ اس ناول میں سقوطِ غرناطہ اور اندلس کی تباہی کو دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی مسلمانوں کو بیداری کا پیغام دیا گیا ہے۔
"اندلس میں اب آخری حصار صرف غرناطہ کی سلطنت تھی یہ علاقہ کوہ سیرانوید اور ساحل کے قریب المریہ سے لے کرجبل الطارق تک پھیلا ہوا تھا۔ غرناطہ میں قریباً اڑھائی صدیاں اور مسلمانوں کی حکومت رہی۔مفتوحہ شہروں اور ممالک کے بہت سے لوگ اسے اپنے دفاع کا آخری مورچہ سمجھ کر غرناطہ میں آگئے اور انہوں نے اپنی خدمات غرناطہ کے حکمرانوں کو پیش کیں ،لیکن مسلمان امراء کی وہ تلوار جو بڑی سے بڑی طاقت کو خاطر میں نہ لایا کرتی تھی۔اب نیام میں جاچکی تھی۔قریباً ڈیڑھ صدی تک غرناطہ کی سلطنت خود غرض امراء کے باہمی خلفشار اور اس کے سرحدی علاقے عیسائیوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت کا نشانہ بنے رہے۔بعض موقعوں پر غرناطہ کے بیدار مغز اور دور اندیش حکمرانوں نے عیسائیوں کو شکستیں دیں ،لیکن غرناطہ کی ایسی اولوالعزم شخصیت کی رہ نمائی سے محروم رہا جو عیسائیوں کی طرف سے پیش آنے والے خطرات کا پورا پورا سدِباب کرتی۔"
"مسلمانوں کے اندلس پر قابض ہوئے تقریباً آٹھ صدیاں گزر چکی تھیں۔ان آٹھ صدیوں کی تاریخ ایک عظیم الشان قوم کے عروج اور زوال کی داستان ہے جس کا پہلا باب عرب فاتحین اموی خاندان کے جلیل القدر حکم رانوں نے اپنے خون اور پسینے سے قلم بند کیا۔اب وہ عظیم الشان

قوم جس کی سطوت بحیرۂ روم کی سرکش لہروں پر سکوت طاری کردیا کرتی تھی۔جس کی اولوالعزمی کے سامنے کوہ پیرینیز کی بلند چوٹیاں سرنگوں ہو جایا کرتی تھیں، بے کسی کے آنسوؤں کے ساتھ اپنی تاریخ کا آخری باب لکھ رہی تھی۔تہذیب و تمدن کا وہ درخت جسے طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کے جانبازوں اور عبدالرحمٰن کے جانشینوں نے پروان چڑھایا تھا ،اب خزاں کے تند اور سرکش جھونکوں کا سامنا کر رہا تھا۔ ''

''اموی امارت کا زمانہ اندلس کی تاریخ کا سنہری زمانہ تھا۔آج بھی ایک سیاح جب اس جاہ و جلال اور شان و شوکت کا تصور کرتاہے جو قرطبہ ،اشبیلیہ اور قسطلہ کے کھنڈروں میں دفن ہے ،تو وہ حیران ہوکر یہ سوال پوچھتا ہے کہ کیا یہی وہ ملک ہے جس کی خوش حالی دیکھ کر شارئین کے سفیر دنگ رہ جاتے تھے؟کیا موجودہ اسپین عربوں کا وہی اندلس ہے جس کی زمین سونا اُگلتی تھی۔جہاں غربت اور افلاس کا نام و نشان تک نہ تھا۔جس کی تجارت روس، ایران اور چین تک پھیلی ہوئی تھی۔جس کی یونیورسٹیاں دنیا بھر میں مشہور تھیں۔جس کے علماء کے سامنے ارسطو اور افلاطون کے جانشین گھٹنے ٹیکتے تھے۔''

نسیم حجازی آگے ان سوالوں کا جواب یوں دیتے ہیں: ''اندلس کے مؤرخین کی ارواح جو شاید ہر شام ان ویرانوں کا طواف کرتی ہیں، نہایت مغموم انداز میں ہمیں ان سوالات کا جواب دیتی ہے۔ہاں اسپین عربوں کا وہی اندلس ہے جس کی سطوت کی داستان قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔یہ جبل الطارق وہی ہے جہاں طارق بن زیاد کے جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔یہ قرطبہ وہی شہر ہے جہاں عبدالرحمٰن ثالث کے دربار کی شان و شوکت دیکھ کر دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہوں کے سفیر دم بخود رہ جاتے تھے۔یہ اندلس پایہ اسپین وہی ہے لیکن وہ عظیم الشان قوم جس نے اپنے خون اور پسینے سے اس کی خاک کو زندگی اور رعنائی عطا کی جا چکی ہے۔ان کھنڈروں کے نیچے ان جلیل القدر معماروں کی لاشیں دفن ہیں جنھوں نے اس ملک کو باقی یوروپ کے لیے روشنی کا مینار بنا دیا تھا۔'' شاہین۔

(۴) سید امانت علی(پیدائش۱۸۱۵ء۔ وفات۱۸۵۹ء)

امانت لکھنوی کا نام آغا حسن اور ان کے والد کا نام میر آغا علی رضوی تھا۔ ان کے اجداد

ایران سے لکھنؤ آئے تھے۔ امانت ۱۸۲۵ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰ برس کی عمر تک انہیں تحصیل علم کا شوق رہا اور اپنے عہد کے مروجہ علوم کی استعداد حاصل کی لیکن اسی عمر میں ایک بیماری کے بعد ان کی زبان بند ہو گئی۔ امانت کو پندرہ سال کی عمر میں شاعری کا شوق پیدا ہوا اور میاں دلگیر کے شاگرد بن گئے۔ استاد نے امانت تخلص رکھا۔ شروع میں صرف نوحے کہتے تھے بعد میں غزلیں بھی کہنے لگے۔ ان کا دیوان "خزائن الفصاحت" غزلوں کا مجموعہ ہے جس میں ایک مثنوی چند مخمس، چند مسدس، رباعیاں اور قطعات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ "گلدستہ امانت" میں ان کا منتخب کلام ہے۔ ان کی سب سے اہم اور مشہور و مقبول تصنیف ایک میوزیکل فن کاری ڈرامہ "اندر سبھا" ہے جسے اردو کا پہلا ڈرامہ بھی کہا گیا ہے۔ "اندر سبھا" ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا۔"اندر سبھا" کو اردو زبان میں پہلا مکمل ڈرامہ/منظوم ناول نما داستان کہا جاتا ہے۔ یہ ڈرامہ اپنے وقت میں نہایت مقبول ہوا اور اسے اسٹیج پر بارہا پیش کیا گیا۔ اس میں "سبھا" (دربار) کا منظر ہے جہاں مختلف کردار اپنے اشعار و مکالمات پیش کرتے ہیں۔

عبد الحلیم شرر کے بقول اندر سبھا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں کے علمی، تمدنی مذاقوں کے باہمی میل جول کی اس سے بہتر یادگار نہیں ہو سکتی۔ شہزادہ گلفام بالکل لکھنؤ کا کوئی شہزادہ ہے جو زبان سے اقرار کرتا ہے، "شہزادہ ہوں میں ہند کا، نام مرا گلفام محلوں میں رہتا ہوں اور عیش ہے میرا کام"

اور واقعی میں یہی کام ہمارے بادشاہوں اور نواب زادوں کا رہ گیا تھا۔ زبان و بیان کے حوالہ سے ایسے اشعار اندر سبھا میں کثرت سے ملیں گے جن میں الفاظ کی شوکت، بندش کی چستی، طبیعت کا زور، استعاروں کی نزاکت، تشبیہوں کی پختگی اور تخیل کی بلند پروازی عروج پر ہے۔ اردو ادب کی کسی بھی گفتگو میں جب کبھی ڈرامہ کے ارتقاء یا لکھنؤ کی شعری زبان کی بحث چھڑے گی وہ امانت کے ذکر سے خالی نہیں ہو گی۔امانت لکھنوی نے اردو کا پہلا عوامی ڈرامہ لکھ کر ادب کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے اپنا نام محفوظ کر لیا۔

چند مشہور نمونے (اقتباسات)

۱. غزل (اندر سبھا سے):

"بڑھائے عشق نے رنگِ بہار کی رونق کھلے ہیں پھول تو خوشبو پہ آ گئی جل جل"

طنزیہ مکالمہ:

"دنیا کے سب کھیل تماشے ہیں، کچھ باقی نہیں رہتا،   جو فخر کرو دولت پر، وہ بھی خواب کی طرح ڈھل جاتا ہے"

مشق و سوالات:

☆ درج ذیل الفاظ ومعانی کو یادکرلیں۔

الفاظ	معانی
تنقیدِ زندگی	زندگی کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ
تسلسل	لگاتار ہونا، ترتیب
اجنبی پن	انجان ہونے کا احساس
فطری	قدرتی، غیر بناوٹی
شاعرانہ	جذباتی یا تخیلاتی انداز
روشن خیالی	جدید اور آزاد خیال ہونا
منظر نگاری	کسی منظر کا تفصیلی اور خوبصورت بیان

☆ نیچے چند سوالات ہیں، آپ ان کے جوابات لکھیں۔

۱. ناول کی تعریف بیان کیجیے۔

۲. ناول کے چھ اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ مختصراً بیان کریں۔

۳. پلاٹ کیا ہے اور سادہ پلاٹ و مرکب پلاٹ میں کیا فرق ہے؟

۴. کردار نگاری کی اہمیت کیا ہے؟

۵. نقطہ نظر کا استعمال ناول میں کیوں ضروری ہے؟

۶.	سعادت حسن منٹو کون تھے؟ ان کی خصوصیات بیان کریں۔
۷.	قرۃ العین حیدر کا مشہور ناول کون سا ہے اور کیوں خاص ہے؟
۸.	نسیم حجازی نے کس نوعیت کے ناول لکھے؟
۹.	آپ کے خیال میں ایک کامیاب ناول نگار میں کون کون سی صفات ہونی چاہئیں؟

☆ ادبی مشقیں:

یہ مشقیں آپ کی ادبی فہم، تخلیقی صلاحیت اور تجزیاتی قوت کو بڑھانے کے لیے ہیں:

۱.	ایک مختصر منظر تیار کریں (تقریباً ۵ سے ۱۰ سطریں) جہاں آپ نے سماجی ظلم دیکھا ہو، اور اسے ناول نما انداز میں بیان کریں۔
۲.	ایک فرضی کردار تخلیق کریں، نام، پس منظر، فوائد و عیوب لکھیں اور بیس جملوں کا مکالمہ پیش کریں۔
۳.	اپنی پسند کا ایک ناول یا افسانہ منتخب کریں اور اِس سبق کے مطابق اُس میں پلاٹ، نقطہ نظر اور موضوع بیان کریں۔

قواعد کی مشقیں:۔ نیچے چند قواعد کی مشقیں دی گئی ہیں جو آپ کے سبق کے الفاظ اور جملوں سے منسلک ہیں:

(ا) فاعل و مفعول: نیچے دیے گئے جملوں میں فاعل اور مفعول پہچانیں:

۱.	ناول نگار نے کردار تخلیق کیے۔
۲.	قاری نے کتاب پڑھ لی۔
۳.	ادیب نے حقائق بے پردہ بیان کیے۔
۴.	منٹو نے سماج کی حقیقت کو کھولا۔
۵.	وہ ناول میرے دل کو چھو گیا۔

جواب:

۱.	فاعل = ناول نگار، مفعول = کردار

۲. فاعل = قاری، مفعول = کتاب

(ب) زمانۂ فعل: مندرجہ ذیل جملے ماضی، حال، مستقبل میں تبدیل کریں:

۱. ناول نگار کہانی لکھتا ہے۔

- ماضی: ناول نگار نے کہانی لکھی تھی۔
- مستقبل: ناول نگار کہانی لکھے گا۔

۲. قاری اسے پڑھتا ہے۔

- ماضی: قاری نے اسے پڑھا۔
- مستقبل: قاری اسے پڑھے گا۔

۳. کردار اپنا موقف بیان کرتے ہیں۔

- ماضی: کردار نے اپنا موقف بیان کیا۔
- مستقبل: کردار اپنا موقف بیان کریں گے۔

فعل ماضی، حال اور مستقبل کے مزید ۵/۵ جملے آپ اور بھی نقل کریں۔

سبق نمبر ۲۰

درخواست

(الف) سی ڈی او صاحب کے نام ایک درخواست

مورخہ : ۱۸ /پوس ۲۰۸۲ بکرمی

محترم عالی جناب، سی ڈی او صاحب ضلع کپلوستو
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
موضوع: ضلع کپلوستو میں حکومتی نظام کے فروغ اور استحکام کی اپیل
محترم جناب!

میرا نام عبدالمجید ہے اور میں ضلع کپلوستو کا ایک طالب علم ہوں۔میں اس سے قبل تعلیم اور معیار تعلیم کو فروغ دینے کے لیے دو بار آپ کی خدمت میں اپیل کرچکا ہوں اور میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے ضلع محکمہ تعلیم اور نگرپالیکا کو اس جانب متوجہ کردیا ہے۔

آج میں آپ کی خدمت میں بصداحترام اور ادب ایک مؤثر اپیل پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے ضلع میں مختلف شعبوں میں حکومتی انتظام وانصرام کو مزید مستحکم اور مؤثر بنایا جا سکے۔

سب سے پہلے، میں ضلع کے اندر صفائی و ستھرائی کے نظام کی بہتری پر توجہ دینے کی درخواست کرتا ہوں۔ صاف ستھرا ماحول نہ صرف صحت مند زندگی کے لیے ضروری ہے بلکہ یہ ہمارے علاقے کی شبیہ اور سماجی شعور کا بھی مظہر ہے۔جملہ نگرپالیکاؤں کو اس کے لیے متحرک کردیں۔روزانہ سورج طلوع ہونے سے قبل ساری سڑکیں اور عوامی جگہیں صاف کردی جایا کریں۔اس ضمن میں سماجی اور عوامی بیداری کے لیے پروگرام کی ضرورت ہے۔

دوسرے، ضلع اسپتال کے نظام میں بہتری کی ضرورت ہے۔ طبّی سہولیات، ہنگامی حالات میں فوری رسپانس، اور ادویات کی بروقت دستیابی، مریضوں بالخصوص خواتین کے لیےخون پیکٹ کی فراہمی، بچہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر، آبادی اور ضرورت کے لحاظ سے نئے کاؤنٹر کی سخت ضرورت ہے۔ یہ میری نہیں بلکہ ہمارے ضلع کے جملہ باشندوں کی اہم ضرورت ہے۔

تیسرے، میں عدالتی نظام کو مزید فعال بنانے کی تجویز پیش کرتا ہوں تاکہ انصاف کی فراہمی میں تیزی اور شفافیت آئے۔کم ازکم مجلسوں میں فیصلے لے لیے جائیں اور بلا ضرورت بار بار پیشی اور حاضری اور بیان کے لیے لوگوں کو نہ دوڑایا جائے۔ اس سے شہریوں کا اعتماد مضبوط ہوگا اور قانون کی عملداری بہتر ہوگی۔چوتھے، سیکورٹی اور حفاظتی انتظامات پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ ضلع کے شہری اپنے گھروں، اسکولوں اور کاروباری مراکز میں محفوظ رہ سکیں۔ مناسب پولیس اور حفاظتی اقدامات معاشرتی سکون کے لیے ناگزیر ہیں۔گاؤں دیہات میں بالخصوص سرحدی مواضعات میں چوری کے واردات ہوتے رہتے ہیں، ان پر قابو پانا اشد ضرورت ہے۔

اور آخر میں، میں خصوصاً صحافت کے نظام کو مستحکم کرنے اور وسیع کرنے کی ضرورت پر زور دینا چاہتا ہوں۔ آزاد، بااصول اور ذمہ دار صحافت عوامی شعور بیدار کرنے اور حکومت کے اقدامات میں شفافیت لانے کا اہم ذریعہ ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ صحافیوں کے لیے مناسب سہولیات، تربیت اور آزادی کو یقینی بنایا جائے تاکہ ضلع میں معلومات کی درست ترسیل ممکن ہو۔

محترم جناب، میں جانتا ہوں کہ آپ ضلع کی بہتری کے لیے دن رات محنت کر رہے ہیں۔جب سے آپ کی تقرری کپلوستو میں ہوئی ہے تب سے کافی بہتری آئی ہے۔ میں محض ایک طالب علم ہونے کے ناطے اپنی فکری اپیل پیش کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اپنی رہ نمائی میں ضلع کے نظام کو مزید مضبوط بنانے کے اقدامات کریں گے۔

آپ کی توجہ کے لیے پیشگی شکریہ۔

والسلام

عبدالمجید خان

طالب علم، ضلع کپلوستو

(ب) میئر صاحب کے نام ایک درخواست

مورخہ: ۱۹ / جیٹھ ۲۰۸۲ بکرمی

میئر، ہری نگر گاؤں پالیکا

موضوع: گاؤں پالیکا کی سطح پرایک فٹ بال ٹورنامینٹ کروانے کی درخواست

محترم جناب!

ہم، ہری نگر گاؤں پالیکا کے درجہ دہم کے طلبہ، آپ کی خدمت میں احترام اور ادب کے ساتھ درخواست پیش کرتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں ایک فٹ بال ٹورنامینٹ کا انعقاد کیا جائے۔ہمیں یقین ہے کہ کھیلوں کے ذریعے نہ صرف ہماری جسمانی صحت میں بہتری آئے گی بلکہ ہمارے اندر ٹیم ورک، نظم و ضبط، اور قائدانہ صلاحیتیں بھی پروان چڑھیں گی۔ ایک منظّم اور باقاعدہ ٹورنامینٹ ہمیں اپنی صلاحیتوں کو آزمانے اور بہتر بنانے کا موقع فراہم کرے گا۔اس کھیل کے ذریعہ آپ کو عوام الناس کی بڑی ہمدردی بھی حاصل ہوگی۔

ہماری گزارش ہے کہ گاؤں پالیکا کی سطح پر اس ٹورنامینٹ کے انعقاد کے لیے مناسب انتظامات کیے جائیں، تاکہ تمام بڑے اسکولوں کے طلبہ بھرپور شرکت کر سکیں اور کھیل اور مقابلے کا ماحول شفاف اور محفوظ ہو۔

ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری اس درخواست پر غور فرمائیں گے اور ہری نگر کے طلبہ ونوجوانوں کی خوشی اور ترقی کے لیے اس منصوبے کو عملی شکل دیں گے۔

آپ کی توجہ اور تعاون کے لیے پیشگی شکریہ۔

والسلام

درجہ دہم کے طلبہ

ہری نگر گاؤں پالیکا ضلع سنسری

(الف) درخواست نویسی کے اصول و ضوابط

۱. ادب و احترام: درخواست ہمیشہ مؤدبانہ اور شائستہ انداز میں لکھی جائے۔ مخاطب کے عہدے اور مقام کے لحاظ سے الفاظ کا انتخاب کیا جائے۔

۲. عنوان : درخواست کا عنوان مختصر مگر جامع ہو، جس سے مقصد فوراً واضح ہوجائے۔

۳. تاریخ اور مقام: درخواست کے آغاز میں تاریخ اور مقام درج کیا جائے، خاص طور پر سرکاری خطوط میں تاریخ اہم ہوتی ہے۔

۴. مخاطب کا صحیح عہدہ: جیسے "محترم عالی جناب سی ڈی او صاحب ضلع کپلوستو" یا "میئر صاحب ہری نگر گاؤں پالیکا" وغیرہ۔

۵. ابتدائی سلام: "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" یا جیسا احترام پر مبنی سلام شامل ہو۔

۶. تمہید: ابتدا میں اپنا تعارف اور مقصد کا پس منظر مختصراً بیان کیا جائے۔

۷. درخواست کا مقصد: اصل درخواست صاف، واضح، اور مرحلہ وار انداز میں لکھی جائے تاکہ مخاطب کو بات سمجھنے میں آسانی ہو۔پوری بات صرف ایک پیراگراف میں نہ لکھی جائے۔

۸. اختتامیہ:آخر میں احتراماً امید ظاہر کی جائے کہ مخاطب مناسب اقدام کرے گا، اور شکریہ کے کلمات لکھے جائیں۔

۹. نام، پتہ، عہدہ: آخر میں لکھنے والے کا پورا نام، پتہ یا عہدہ (مثلاً "طالب علم" یا "اہلِ گاؤں") ضرور درج ہو۔

۱۰. لہجے میں نرمی و تہذیب: لہجہ ہمیشہ شائستہ، مخلص اور مثبت ہونا چاہیے۔ سخت یا حکم دینے والے الفاظ سے گریز کیا جائے۔

(ب)سرکاری افسران کو خط لکھنے کے آداب

۱. مخاطب کے عہدے اور مقام کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

۲. درخواست صفائی اور خوش خطی سے لکھی جائے۔
۳. بے جا تفصیل یا مبالغہ آرائی سے بچا جائے۔
۴. مسائل کی وضاحت کے ساتھ حل بھی تجویز کیا جائے۔
۵. شکریہ، امید، اور نیک خواہشات کے الفاظ ضرور شامل ہوں۔
۶. خط یا درخواست کے آخر میں والسلام یا خاکسار وغیرہ لکھا جائے۔

مشق وسوالات:

(ج) ادبی اور اخلاقی سوالات

۱. درخواست میں ادب اور احترام کا انداز کیسے برقرار رکھا گیا ہے؟
۲. "میں محض ایک طالب علم ہونے کے ناطے اپنی فکری اپیل پیش کر رہا ہوں" — اس جملے سے کیا جذبہ ظاہر ہوتا ہے؟
۳. سرکاری افسران کو خط لکھنے میں زبان کی نرمی کیوں ضروری ہے؟
۴. کھیلوں کے فروغ سے طلبہ میں کون سی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں؟
۵. عبدالمجید خان کی تحریر میں حب الوطنی اور خدمتِ خلق کے کیا آثار نظر آتے ہیں؟

☆ عملی مشق

۱. علاقے میں بارش کے بعد سڑکوں کی خستہ حالی کے بارے میں میئر صاحب کو ایک درخواست لکھیں۔
۲. اپنے اسکول کے پرنسپل کے نام امتحان کے ایام میں بجلی کے بہتر انتظام کی درخواست لکھیں۔
۳. اپنے گاؤں میں صفائی اور کوڑے کے ڈھیر کی شکایت کے بارے میں وارڈ ادھیکچھ صاحب کو خط لکھیں۔
۴. مدرسہ میں لائبریری کے قیام کے لیے انتظامیہ کو ایک تحریری درخواست دیں۔

میر تقی میر

میر تقی میرؔ آ گرہ میں پیدا ہوئے ۔ اُن کے باپ ایک درویش صفت شخص تھے۔ میر کی نو عمری ہی تھی کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں کوئی دولت تھی نہیں، کچھ خاندانی جھگڑے بھی تھے، اس لیے میرؔ دلی آکر اپنے سوتیلے ماموں اور مشہور شاعر سراج الدین علی خاں آرزوؔ کے یہاں رہنے لگے ۔ وہ فارسی و اردو کے عالم اور شاعر بھی تھے ۔ ان کے یہاں رہنے سے میرؔ کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچا ہوگا ۔وہ برسوں دلی میں مارے مارے پھرتے رہے۔ کبھی کبھار کسی رئیس کی ملازمت کی تو کچھ دن آرام سے گزرے لیکن اپنے مزاج کی آزادی اور خود داری کے باعث میرؔ کہیں جم کر نہ رہ سکے۔ پھر انھوں نے دلی میں رہنا مشکل جان کر لکھنو کی راہ لی۔ میرؔ ۱۷۸۲ کے قریب لکھنؤ پہنچے۔ نواب آصف الدولہ نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ میرؔ کی باقی زندگی نسبتاً آرام سے گزری اور لکھنو میں ہی ان کا انتقال ہوا۔

شروع زمانہ شاعری سے ہی ان کا کلام مشہور اور مقبول ہو چکا تھا۔ یہ صورت آج بھی باقی ہے اور اکثر لوگ میرؔ کو اردو کا سب سے بڑا شاعر کہتے ہیں ۔عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میرؔ کی شاعری غم اور رنج سے بھری ہوئی ہے ۔ یہ بات پوری طرح صحیح نہیں ہے۔ میرؔ کی بڑائی اس بات میں ہے کہ غمگینی اور رنجیدگی کے ساتھ ساتھ انھوں نے زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری میں اتنی ہی خوبی سے جگہ دی ہے جس خوبی سے وہ رنج وغم کی بات کرتے ہیں۔ میر کو ہنسانے کا بھی فن آتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اپنے آپ پر بھی ہنسنا جانتے ہیں ۔ ان کی شاعری بہ ظاہر سادہ ہے لیکن اس کے اندر بہت گہرائی اور پیچیدگی بھی ہے۔ ان کے اشعار دل کو چھولیتے ہیں ۔ اگر غور کیا جائے تو دماغ کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ میرؔ اپنی شاعری میں لفظوں کے نئے نئے رنگ استعمال کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام ہر زمانے میں اور ہر جگہ پسند کیا جاتا ہے ۔

میرؔ کی شاعری ہمیں زندگی اور انسان کے دل کی گہرائیوں کے بارے میں بہت کچھ بتاتی

ہے، وہ سرسری باتیں کہہ کر ہمارا دل نہیں بہلاتے۔ وہ زندگی کو ہر رنگ میں دیکھتے اور برتتے ہیں اور اسی طرح شاعری کی بھی تمام خوبیوں کو بھرپور طریقے سے اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں۔

☆ **سوالات:**

سوال نمبر۱: میر تقی میر کہاں پیدا ہوئے؟

سوال نمبر ۲: میر کس شاعر کے گھر رہنے لگے اور وہ کون تھے؟

سوال نمبر۳: لکھنؤ میں میر کی سرپرستی کس نے کی؟

سوال نمبر۴: میر کی شاعری کے بارے میں عام طور پر کیا خیال کیا جاتا ہے؟

سوال نمبر۵: میر کی زبان اور اسلوب کی دو خصوصیات لکھیں۔

نظم (۱)

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں
ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں

شمع ہی سر نہ دے گئی برباد
کشتہ اپنی زباں کے ہم بھی ہیں

جس چمن زار کا ہے تو، گل تر
بلبل اس گلستاں کے ہم بھی ہیں

وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

میر تقی میر

مر گئے مر گئے نہیں تو نہیں
خاک سے منہ کو ڈھانکے ہم بھی ہیں

اپنا شیوہ نہیں کجی یوں تو
یار جی ٹیڑھے بانکے ہم بھی ہیں

اس سرے کی ہے پارسائی میر
معتقد اس جواں کے ہم بھی ہیں

☆ درج ذیل الفاظ ومعانی کو یادکرلیں۔

الفاظ	**معانی**
رفتگاں	گزرے ہوئے لوگ، وہ لوگ جو کسی چیز میں محو ہوگئے ہوں
کُشتہ	جلا ہوا، قتل کیا ہوا
گل تر	ترو تازہ
کجی	بددماغی
اس سرے کی	اس درجے کی
معتقد	ماننے والا

☆ سوالات:

سوال نمبر ۱: شاعر شمع کی مثال دے کر کیا کہنا چاہتا ہے؟
سوال نمبر ۲: بلبل اور گلستاں کی علامتیں کس طرف اشارہ کرتی ہیں؟
سوال نمبر ۳: ”وجہ بیگانگی نہیں معلوم“ سے شاعر کیا احساس ظاہر کرتا ہے؟
سوال نمبر ۴: آخری شعر میں شاعر کس بات پر ایمان رکھنے کا اظہار کرتا ہے؟

نظم(۲)

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

گورکس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے

سدھ لے گھر کی بھی شعلہ آواز
دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے

بیٹھنے کون دے ہے پھر اُس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

یوں اٹھے آہ! اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

عشق اِک میرؔ بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ نا تواں سے اٹھتا ہے

میر تقی میر

☆ **الفاظ ومعانی :**

الفاظ	**معانی**
گور	قبر
سدھ	خبر ، ہوش
دود	دھواں
ناتواں	کم زور

☆ **سوالات و جوابات**

سوال ۱: اس غزل کا مرکزی خیال کیا ہے؟

سوال ۲: پہلے شعر میں "دھواں" کس چیز کی علامت ہے؟

سوال ۳: "فلک" کو دل جلے کی گور کہنا کون سی ادبی صنعت ہے؟

سوال ۴: شاعر نے آشیاں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کا ذکر کیوں کیا ہے؟

سوال ۵: "عشق ایک بھاری پتھر ہے" سے شاعر کیا مراد لیتا ہے؟

سوال ۶: اس غزل میں میر کی شاعری کی کون سی ادبی خصوصیات نمایاں ہیں؟

بعض اردو قواعد

مطلع کی تعریف: مطلع شعر یا غزل کی پہلی مصرعہ (یا دونوں مصرعے) کو کہتے ہیں۔ یہ شاعر کی غزل کا آغاز ہوتا ہے اور عام طور پر یہی مصرعہ قاری کو غزل کے موضوع اور لحن سے روشناس کراتا ہے۔ مثالیں:

۱. مطلع:

"ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے"

(یہ غزل کا آغاز ہے اور شاعر کے جذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔)

۲. مطلع:

"دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں"

(شاعر نے جذبات کی شدت کا آغاز اسی مصرعے سے کیا ہے۔)

۳. مطلع:

"آج پھر دل نے اک تمنا کی"

(غزل کے آغاز میں شاعر کی تمناؤں کا اظہارہے۔)

مقطع کی تعریف: مقطع غزل کا آخری شعر ہوتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلص (شاعر کا مخصوص نام یا لقب) استعمال کرتا ہے۔ مقطع شاعر کی شناخت بھی ظاہر کرتا ہے اور غزل کے اختتام کا نمائندہ شعر ہوتا ہے۔مثالیں:

۱. مقطع:"شوقؔ نے کہا، یہ غزلیں سب تمہارے لیے"

(عبداللطیف شوقؔ نے اپنی غزل کا اختتام اپنے تخلص کے ساتھ کیا۔)

۲. مقطع:"میرؔ نے دل کی دنیا بسائی، یہی میری شان ہے"

(شاعر میر نے اپنا تخلص استعمال کیا۔)

۳. مقطع:"غالبؔ کہتا ہے، دل کی ویرانی بھی خوب صورت ہے"

(غالبؔ نے اپنے تخلص سے اختتام کیا۔)

غزل گو شعراء: غزل گو شعرا اُن شعرا کو کہا جاتا ہے جو اپنی شاعری میں غزل کو بنیادی اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں۔یعنی وہ شاعر جو زیادہ تر یا خاص طور پر غزل کی ہی صنف میں شاعری کرتے ہیں اور اپنے خیالات، جذبات، عشق، محبت، درد، حسن، ہجر و وصال، تصوف اور انسانی کیفیات کو غزل کے انداز میں پیش کرتے ہیں، انہیں غزل گو شاعر کہا جاتا ہے۔ سادہ لفظوں میں:غزل گو شاعر وہ ہے جس کی شاعری کی پہچان اور اصل شہرت غزل کے ذریعے ہو۔

جیسے مشہور قدیم غزل گو شعرا کے چندنام یہ ہیں: امیر خسرو،ولی دکنی، میر تقی میر،سودا (میرزا رفیع سودا)، میر درد، نظیر اکبرآبادی، مصحفی (غلام ہمدانی مصحفی)،غالب (مرزا اسد اللہ خان غالب)،ذوق (شیخ محمد ابراہیم ذوق)

اسی طرح جدید غزل گو شعراکے یہ نام ہیں۔ حسرت موہانی، فانی بدایونی،جگر مراد

میر تقی میر

آبادی،فراق گورکھپوری، مجروح سلطان پوری،فیض احمد فیض،احمد ندیم قاسمی،احمد فراز،پروین شاکر۔

نیپال کے چند معروف اردو غزل گو شاعروں کے نام یہ ہیں: عبد اللطیف شوقؔ،سرور نیپالی،عبد الحمید صدیقی،ڈاکٹر زین العابدین،امتیاز وفا،ثاقب ہارونی،زاہد آزاد۔

سبق نمبر ۲۲

(الف)ایک دل چسپ مکالمہ

(نوٹ: اسلامی تاریخ میں اگر کوئی ایسا زمانہ تلاش کیا جائے جس میں عدل، علم، محبت، مساوات اور روحانیت اپنے عروج پر ہوں، تو وہ یقیناً عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ خلفائے راشدینؓ کا دور ہے۔یہ وہ زمانہ ہے جب انسانیت نے ظلمت سے نور کی طرف سفر کیا، جب قبائل کی دشمنیاں بھائی چارے میں بدل گئیں، اور جب طاقت کو ظلم نہیں بلکہ انصاف کا ذریعہ بنایا گیا۔اس سبق میں چار طالب علم — محمد عاصم، عبیداللہ، محمد سلمان، اور عبدالمبین — اسی سنہری دور پر علمی اور فکری گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا مکالمہ نہ صرف تاریخ کا بیان ہے بلکہ ایمان اور کردار کی تجدید کا پیغام بھی رکھتا ہے۔منظر: اسکول کی لائبریری۔ چاروں دوست اسلامی تاریخ کی کتابوں کے درمیان بیٹھے ہیں۔ شام کی ہلکی روشنی کتابوں کے صفحوں پر پھیل رہی ہے۔)

"عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ خلفائے راشدینؓ"

محمد عاصم:۔دوستو! آج کے مطالعہ میں جب میں نے عہدِ نبوی ﷺ پر لکھے گئے چند صفحات پڑھے، دل بے اختیار اشک بار ہو گیا۔ سوچو! وہ کیسا زمانہ تھا جب زمین پر عدل کا سورج طلوع ہوا، جب انسانیت نے اپنے اصل مقام کو پہچانا۔

عبیداللہ:۔ بالکل صحیح کہا، عاصم! میں اکثر سوچتا ہوں کہ ایک ایسی قوم جو صدیوں سے جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی، اس کے اندر نبیِ اکرم ﷺ نے ایمان اور اخلاق کا وہ نور کیسے جگایا کہ چند ہی برسوں میں وہ دنیا کی راہنما بن گئی۔

محمد سلمان:۔ یہی تو معجزہ ہے، عبیداللہ! رسول اللہ ﷺ نے محض قانون یا طاقت سے نہیں بلکہ دلوں کو بدل کر انقلاب برپا کیا۔ وہ تعلیم، وہ محبت، وہ صبر و حکمت — سب کچھ ان کے اخلاق نبوی کا حصہ تھا۔

عبدالمبین:۔ مجھے تو سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے صرف عبادت نہیں سکھائی بلکہ زندگی گزارنے کا مکمل نظام دیا۔ تجارت سے لے کر سیاست، جنگ سے لے کر

(الف)ایک دل چسپ مکالمہ

صلح، خاندان سے لے کر ریاست — ہر معاملے میں عدل و انصاف قائم کیا۔

محمد عاصم:۔ درست کہا عبدالمبین! نبی کریم ﷺ کا عہدِ نبوت دراصل انسانیت کی رہ نمائی کا زمانہ تھا۔ قرآنِ مجید کی پہلی وحی "اقراٗ" سے ہی یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ علم ہی انسان کو عزت دے گا۔ آپ ﷺ نے علم کو عبادت کا درجہ دیا اور جہالت کو سب سے بڑا دشمن قرار دیا۔

عبیداللہ:۔ اور پھر مکہ سے مدینہ کا سفر دیکھو! وہ ہجرت بظاہر ایک دردناک واقعہ تھی مگر دراصل اسلامی ریاست کی بنیاد بن گئی۔ مدینہ منورہ میں جو دستورِ مدینہ بنایا گیا، وہ آج کے آئینوں سے زیادہ منصفانہ اور جامع تھا۔

محمد سلمان:۔ بالکل! اُس دستور میں مسلمانوں، یہودیوں اور دیگر اقوام کے حقوق کا خیال رکھا گیا۔ وہاں اقلیتوں کو بھی مکمل تحفظ حاصل تھا۔ آج دنیا جس چیز کو "انسانی حقوق" کہتی ہے، وہی سب تو رسول اللہ ﷺ نے اُس وقت عملاً نافذ کر دیا تھا۔

عبدالمبین:۔اور دیکھو کہ آپ ﷺ نے حکومت میں کس قدر عدل قائم کیا! ایک عورت اگر چوری کرتی تو اس کے لیے بھی وہی سزا مقرر تھی جو کسی امیر کے لیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں۔"یہ الفاظ نہیں، انصاف کا وہ مینار ہیں جس کی روشنی آج بھی ہمیں راہ دکھاتی ہے۔

محمد عاصم:۔ پھر جنگوں میں بھی نبی ﷺ نے جو اصول دیے، وہ دنیا نے پہلی بار دیکھا اور سنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور درختوں کو نقصان نہ پہنچاؤ، اور قیدیوں کے ساتھ نرمی برتو۔ ایسا عدل تو آج کے جدید ممالک بھی نہیں دکھا سکتے۔

عبیداللہ:۔ مجھے تو سب سے زیادہ اثر فتحِ مکہ کے منظر سے ہوتا ہے۔ وہ وقت تھا جب آپ ﷺ کے سامنے وہی لوگ کھڑے تھے جنھوں نے آپ پر ظلم کیا، وطن سے نکالا، ساتھیوں کو شہید کیا، مگر آپ ﷺ نے فرمایا:

"جاؤ، آج تم سب آزاد ہو۔"

یہ جملہ ہی بتاتا ہے کہ نبیِ رحمت ﷺ کی حکومت دلوں پر تھی، جسموں پر نہیں۔

محمد سلمان:۔ عہدِ نبوی ﷺ کی یہ خصوصیت ہی تھی کہ وہ محبت سے بھرا ہوا دور تھا۔ وہاں امیر

و غریب، عرب و عجم، سفید و سیاہ، سب برابر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:
"کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے ذریعے۔"
عبدالمبین:۔ یہی وہ پیغام ہے جو دنیا کو آج سب سے زیادہ درکار ہے۔ اگر آج ہم آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کریں تو تعصب، نفرت اور ظلم کی جگہ عدل، محبت اور امن قائم ہو جائے۔

عہدِ خلفائے راشدینؓ کی گفتگو

محمد عاصم:۔ دوستو! عہدِ نبوی ﷺ کے بعد جو زمانہ آیا، وہ بھی اسلام کی عظمت کا تسلسل تھا۔ خلفائے راشدینؓ نے جو طرزِ حکومت قائم کیا، وہ تاریخ میں سنہری مثال ہے۔

عبیداللہ:۔ جی ہاں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب خلافت سنبھالی تو ان کا پہلا خطبہ ہی ان کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ انھوں نے فرمایا: "میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں۔ اگر میں درست رہوں تو میری مدد کرنا، اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دینا۔" یہ جملہ ایک حکمران کے نہیں، بلکہ ایک خادمِ امت کے دل سے نکلا تھا۔

محمد سلمان:۔ اور ان کے زمانے میں جو ارتداد کی جنگیں ہوئیں، وہ امت کے اتحاد کی حفاظت کے لیے تھیں۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی زکوۃ سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف لڑوں گا، چاہے وہ معمولی رسی ہی کیوں نہ روک لے۔یہ ان کی دینی غیرت اور اصول پسندی کی علامت تھی۔

عبدالمبین:۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ کا عہد دیکھو! عدل کا وہ معیار قائم ہوا کہ لوگ کہتے تھے:
"عمرؓ سوتا نہیں، اس لیے رعایا چین سے سوتی ہے۔"
وہ راتوں کو گشت کرتے، عوام کے حالات جانتے، حتیٰ کہ بیت المال سے ایک درہم بھی ناجائز خرچ نہ ہونے دیتے۔

محمد عاصم:۔ اور ان کے دور میں اسلامی سلطنت کتنی وسیع ہوئی! شام، ایران، مصر — سب اسلام کے زیرِ سایہ آ گئے۔ مگر اس توسیع میں ظلم کا کوئی نشان نہیں، صرف عدل اور انصاف کی خوشبو تھی۔

عبیداللہ:۔ حضرت عثمانؓ کا زمانہ بھی عظیم ہے۔ انھوں نے قرآنِ مجید کو ایک مصحف کی صورت میں جمع کیا تاکہ امت میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ ان کی سخاوت ایسی تھی کہ جنگِ تبوک میں

(الف)ایک دل چسپ مکالمہ

انہوں نےمدینہ آنے والے قافلہ پر لدا ہوا اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔

محمد سلمان:۔ اور جب اُن پر ظلم کیا گیا تو انہوں نے بدلہ لینے سے انکار کیا۔ انہوں نے کہا: "میں خون خرابہ نہیں چاہتا، کیونکہ نبی ﷺ نے ہمیں صبر اور عفو سکھایا ہے۔"

یہ صبر دراصل ایمان کی علامت تھا۔

عبدالمبین:۔ پھر حضرت علیؓ کا دور آیا۔ وہ علم و شجاعت کے پیکر تھے۔ ان کے اقوال آج بھی عدل و دانش کے اصول ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا: "انصاف کیا ہے؟"

انہوں نے فرمایا: "ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھ دینا۔" یہ ایک جملہ ہی عدل کی مکمل تعریف ہے۔

اصلاحی گفتگو

محمد عاصم:۔ دوستو! عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین کا مطالعہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اسلام کا مقصد صرف حکومت یا اقتدار نہیں بلکہ انسان کی اصلاح ہے۔

عبیداللہ:۔ ہاں، اسلام نے ہمیں سکھایا کہ طاقت امانت ہے، دولت آزمائش ہے، اور علم ذمہ داری ہے۔اور قیادت اہل علم کا حق ہے۔ خلفائے راشدینؓ نے کبھی اقتدار کو فخر کا سبب نہیں بنایا بلکہ خدمتِ امت کو اپنا فریضہ سمجھا۔

محمد سلمان:۔ اگر آج کے حکمران، علماء، اور عوام سب اس طرزِ حکومت سے سبق لیں تو دنیا میں امن لوٹ سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں تو ایک کتا بھی دجلہ کے کنارے بھوکا نہیں رہتا تھا۔

عبدالمبین:۔ کاش آج بھی ہماری قیادت وہی تقویٰ اور عدل اپنائے۔ اسلام کی تاریخ میں جو روشنی ہے، وہ ہمیں دوبارہ جگا سکتی ہے، بس ہمیں اپنی نیتیں درست کرنی ہوں گی۔

اختتام

محمد عاصم:۔ تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کا زمانہ محض تاریخ نہیں، بلکہ وہ منشور ہے جس پر عمل کر کے ہر قوم ترقی کر سکتی ہے۔

عبیداللہ:۔ ہاں درست کہا آپ نے! وہ زمانہ ایمان، علم وکردار اور عدل کا حسین امتزاج تھا۔

محمد سلمان:۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس سنہری دور کو صرف کتابوں میں نہ رکھیں بلکہ اپنی زندگیوں

میں زندہ کریں اور اسی کے مطابق اپنی سیرت وکردار کو بنائیں۔

عبدالمبین :۔ آمین! اللہ ہمیں نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔آمین!

سبق کا خلاصہ

یہ مکالمہ ہمیں بتاتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں انسانیت نے اخلاق و عدل کی وہ بلندی دیکھی جو تاریخ میں نایاب ہے، اور خلفائے راشدینؓ نے اس میراث کو اسی ایمان داری اور تقویٰ کے ساتھ آگے بڑھایا۔اسلامی نظامِ حکومت عدل، مساوات، علم، اور خدمت پر قائم تھا۔ یہ سبق دراصل ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم بھی اپنے کردار، علم، اور عمل سے وہی عظمت رفتہ واپس لانے کی کوشش کریں۔

مشق و سوالات:

(الف) درج ذیل الفاظ ومعانی کو یادکرلیں۔

الفاظ	معانی
منشور	رہ نمائی کرنے والا اصول، قانون
مساوات	برابری، تفریق نہ کرنا
روحانیت	دل کی پاکیزگی، باطنی نور
خلافت	نبی ﷺ کے بعدامت کی قیادت
توسیع	پھیلاؤ، وسعت
غیرت دینی	دین کے لیے جذبہ و دینی غیرت

(ب) اس سبق کے مطالعہ سے طلبہ میں:

- نبیِ اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کی سیرت سے واقفیت پیدا ہو۔
- اسلامی حکومت کے بنیادی اصول (عدل، مساوات، تقویٰ، خدمت) کا فہم حاصل ہو۔
- طلبہ کے دلوں میں امت کی اصلاح اور خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔
- ایمان، کردار اور علم کی اہمیت اجاگر ہو۔

(الف)ایک دل چسپ مکالمہ

(ج) درج ذیل سوالات کو پڑھیں اور مطالعہ کے بعد جواب دیں۔

۱. عہدِ نبوی ﷺ کی نمایاں خصوصیات کیا تھیں؟

۲. دستورِ مدینہ کی کیا اہمیت تھی؟

۳. خلفائے راشدینؓ میں سے ہر ایک کی کوئی نمایاں خدمت بیان کریں۔

۴. عہدِ نبوی ﷺ سے آج کے دور کے نوجوان کیا سیکھ سکتے ہیں؟

۵. اس سبق کا مرکزی پیغام کیا ہے؟

(ب) دستور نیپال کی تاریخ اور دفعات

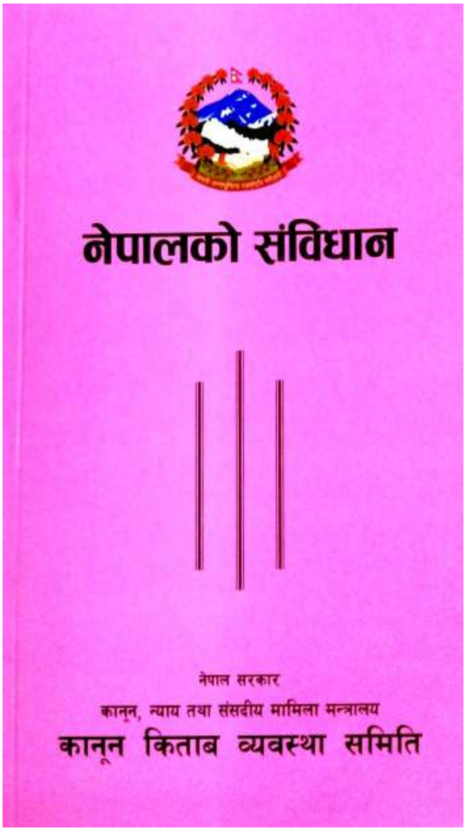

عزیز بچو ! آپ سب جانتے ہیں کہ ملک نیپال کا نیا دستور ۱۹/ ستمبر ۲۰۱۵ ء مطابق (۳ اشوج ۲۰۷۲ء بکرم سمبت) کو تیار ہو کر ملک میں نافذ ہوا، نیپال کا یہ دستور محض قوانین و دفعات کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ قوم کی روح اور اجتماعی ضمیر کا عکاس ہے۔ دستور کا مطلب ہے وہ بنیادی قانون جس پر ملک کی حکومت اور عوامی حقوق کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔یہ وہ دستاویز ہے جس نے عوام کی صدیوں پر محیط آرزوؤں، قربانیوں اور جمہوری جدوجہد کو آئینی شکل دی۔ یہی دستور ہے جو ایک عام شہری کے خواب کو ریاستی پالیسی سے جوڑتا ہے اور فرد کی آواز کو اجتماعی قانون کا درجہ عطا کرتا ہے۔اس دستور کی رو سے ملک کا کوئی شہری خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، وزیر اعظم ہو یا عام انسان، آئین وقانون سے بالا تر نہیں ہے۔ گویا اس آئین کی موجودگی میں ملک

اور ریاست کے حقوق و اختیارات ایک واضح دائرے میں محدود و متعین کیے گئے ہیں اور عوام کو اپنی آزادی، مساوات اور بنیادی حقوق کی ضمانت نصیب ہوئی ہے۔

اسی دستور نے نیپال کو ایک سیکولر، وفاقی، جمہوری اور کثرت میں وحدت پر مبنی ریاست کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ دستور عوام کو اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ ان کی زبان، ثقافت، مذہب اور شناخت محفوظ ہیں۔ دستور کی حیثیت گویا ایک مضبوط پل کی سی ہے جو ماضی کی روایات، حال کی ضرورتوں اور مستقبل کی امیدوں کو یکجا کرتا ہے۔ یہ محض ایک قانونی کتاب نہیں بلکہ ایک عہدنامہ ہے، جو ہر شہری کو مساوات، انصاف اور اخوت کی راہ دکھاتا ہے۔

آیئے اس دستور نیپال کو مکالمے کے دل نشین قالب میں سمجھتے ہیں، تاکہ آپ کو آپ کے حقوق و اختیارات اور ایک ذمہ دار و جواب دہ شہری کی حیثیت سے آپ کے فرائض یاد ہو جائیں۔کیوں کہ یہ نیپال کی نئی تاریخ کا ایک سنگِ میل ہے۔

احمد اور بلال دونوں دوست ہیں۔احمد تاریخ و سیاست کا شوقین طالب علم ہے جب کہ بلال سیاسی و سماجی علوم میں دل چسپی رکھنے والا طالب علم ہے۔ دونوں بہت خوش گوار ماحول میں ایک علمی گفتگو کررہے ہیں۔ آپ بھی ان کا مکالمہ سنیں اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

احمد:۔ بلال! کیا تمہیں معلوم ہے کہ نیپال کا موجودہ دستور کب نافذ ہوا تھا؟

بلال:۔ جی ہاں احمد! نیپال کا موجودہ دستور ۱۹ ستمبر ۲۰۱۵ء (۳ اسوج ۲۰۷۲ بکرم سمبت) کو نافذ ہوا۔ اسی دن سے نیپال نے خود کو باضابطہ طور پر ایک خود مختار، وفاقی، جمہوری، اور سیکولر ریاست کے طور پر متعارف کرایا۔

احمد:۔ بالکل درست! مگر اس سے پہلے بھی نیپال میں کئی عبوری دستور نافذ ہوئے تھے۔ ذرا ان کی ترتیب بھی بتاؤ تاکہ بات مکمل ہو جائے۔

بلال:۔ یقیناً! نیپال کی آئینی تاریخ خاصی طویل ہے۔۱۹۴۸ء (۲۰۰۴ بکرم سمبت) میں نیپال کا پہلا دستور تری بھون بیر بکرم شاہ کے دور میں آیا، مگر مکمل طور پر نافذ نہ ہو سکا۔۱۹۵۱ء میں ایک عبوری دستور "Interim Government of Nepal Act" کے نام سے جاری کیا گیا۔اسی طرح ۱۹۵۹ء میں پارلیمانی جمہوریت پر مبنی پہلا باقاعدہ آئین نافذ ہوا۔پھر ۱۹۶۲ء راجہ مھیندر نے

(ب) دستور نیپال کی تاریخ اور دفعات

"پنچائتی نظام" کے تحت نیا دستور دیا۔۱۹۹۰ء میں عوامی تحریک کے نتیجے میں ملک میں ایک بڑی تبدیلی آئی، اور پھر جمہوری دستور جاری کیا گیا، جس نے بادشاہت کو آئینی حیثیت تک محدود کر دیا۔ ۲۰۰۷ء (۲۰۶۳ بکرم سمبت) بادشاہت کے خاتمے کے بعدایک عبوری دستور نافذ ہوا اور بالآخر ۲۰۱۵ء (۲۰۷۲ء) میں موجودہ وفاقی جمہوری دستور نافذ ہوا، جو آج تک نافذ العمل ہے۔

دستور کا دیباچہ (Preamble)

احمد:۔ بلال کیا تم مجھے نیپال کے آئین کا بنیادی حصہ اس کے دیباچہ کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟

احمد:۔ جی ہاں کیوں نہیں، دیباچہ دستور کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ نیپالی عوام نے یہ دستور اپنی آزادی، مساوات، انصاف اور خوش حالی کے خواب کو پورا کرنے کے لیے بنایا ہے۔اس دیباچہ میں قوم کی وحدت، سماجی انصاف، مذہبی آزادی، انسانی وقار اور جمہوری اقدار کو مضبوط کرنے کا عزم کیا گیا ہے۔دیباچہ کو ہمارے دستور میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

دستور کی ساخت (Structure)

احمد:۔ بہت خوب! اب ذرا موجودہ دستور کے ڈھانچے اور اس میں شامل دفعات کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ۔

بلال:۔ ضرور! موجودہ دستور میں کل ۳۵ حصے (Parts)، ۳۰۸ دفعات (Articles) اور ۹ ضمیمے

(Schedules) شامل ہیں۔ اس میں ریاست کی بنیادی ساخت سے لے کر شہریوں کے حقوق، حکومت کے اختیارات، عدلیہ، وفاقی نظام، صوبائی حکومتوں، مالیاتی امور اور قومی اداروں تک کے اختیارات و ڈھانچے، سب کی وضاحت کی گئی ہے۔

احمد:۔ دستور کے بارے میں تمہاری معلومات کافی عمیق ہیں، تم تو قانون داں لگتے ہو بھئی،پھر تو تم سے دفعات کے لحاظ سے اہم اہم نکات بھی جان لینا چاہیے، تاکہ مکمل تصویر سامنے آ جائے۔ کیا تم اہم دفعات کی وضاحت کرو گے؟

بلال:۔ بالکل! ذیل میں چند بنیادی حصے اور دفعات کا خلاصہ پیش ہے:۔

- دستور کے حصوں (ابواب) میں مختلف موضوعات شامل ہیں جیسے بنیادی حقوق، ریاستی ڈھانچہ، عدلیہ، پارلیمنٹ وغیرہ۔
- دفعات وہ قانونی نکات ہیں جو ہر شعبے کی وضاحت کرتے ہیں۔
- شیڈولز میں مخصوص تفصیلات درج ہیں جیسے صوبوں کی تقسیم، سرکاری علامتیں وغیرہ۔

احمد:۔ محض خلاصہ بیان کرنے سے کام نہیں چلے گا، بلکہ اہم دفعات کے حوالے کے ساتھ حقوق کی بھی وضاحت کر نا ہو گا تاکہ اسے ذہن میں محفوظ کیا جا سکے۔

بلال:۔ اچھا دوست ! میری کوشش ہوگی کہ ان اہم دفعات کی وضاحت کردوں۔تو سنو، ان دفعات کی تفصیلات اس طرح ہیں۔

بنیادی دفعات (دفعات ۱-۸):۔

- ریاست کا نام، پرچم، سرکاری زبان، قومی ترانہ، قومی جانور، قومی پھول، قومی پرندہ کی وضاحت کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ عوام کو حاصل ہو گا، ان تمام امور کی وضاحت کی گئی ہے۔
- نیپال کو ایک آزاد، خودمختار، وفاقی، جمہوری اور سیکولر ریاست قرار دیا گیا ہے۔

احمد:۔ یار تمہارے سمجھانے کا انداز نرالا ہے، آہستہ آہستہ کھلتے ہو۔ چلو اب دستور میں موجود تمام شہریوں کے حقوق سے متعلق جو دفعات ہیں، ان کی بھی وضاحت کر دو تو ہمیں اپنے اختیارات کا پتہ لگ جائے۔

بلال:۔ جی ضرور اور یہ بات انتہائی اہم ہے کہ ملک کا ہر شہری اپنے حقوق کی معلومات رکھے تاکہ

کوئی اس پر زیادتی نہ کر سکے، یہ درج ذیل ہیں۔

بنیادی حقوق (Fundamental Rights) (دفعات ۱۶-۴۸):۔ دستور میں عوام کو کئی حقوق دیے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

- دفعہ ۱۷: آزادی کا حق ہر شہری کو بولنے، اظہاررائے اور نقل و حرکت کی آزادی حاصل ہے۔
- دفعہ ۱۸: مساوات کا حق سب شہری برابر ہیں، کسی کو ذات، نسل، مذہب یا جنس کی بنیاد پر محروم نہیں کیا جا سکتا۔
- دفعہ ۲۶: مذہبی آزادی سب کو اپنے مذہب پر چلنے اور اس کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔
- دفعہ ۳۱: تعلیم کا حق ہر بچے کو معیاری تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے۔
- دفعہ ۳۵: صحت کا حق ہر شہری کو بنیادی طبّی سہولیات ملنی چاہئیں۔
- دفعہ ۳۳: روزگار کا حق ریاست شہریوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی پابند ہے۔

گویا مختصراًیوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ دستور ہمیں اور ہر شہری کوزندگی کا حق، مساوات، آزادی، مذہب، تعلیم، ثقافت، زبان، سماجی انصاف، خوراک، صحت، روزگار اور ماحولیات جیسے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتاہے۔اس دستور میں اقلیتوں، پس ماندہ طبقات، خواتین، بچوں، معذوروں اور بزرگوں کے حقوق کی خصوصی حفاظت کی گئی ہے۔

احمد:۔ بہت عمدہ، کیا ہمارے دستور میں ریاستی پالیسی کی بھی وضاحت کی گئی ہے؟

بلال:۔ کیوں نہیں، ہمارا ملک مرکزی، صوبائی اور مقامی حکومتوں کے نظام حکومت پر مشتمل ہے، اس لیے دستور میں مرکز، صوبے اور مقامی حکومتوں کے اختیارات اور ان کے ڈھانچے کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ دستور میں ریاست کے اختیارات تین بڑے حصوں میں یوں تقسیم ہیں۔

ریاستی پالیسی اور ہدایات (Powers of the State) (دفعات ۴۹-۵۵):

- مقنّنہ (Legislature): وفاقی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیاں قانون بناتی ہیں۔ اسے تم قانون ساز شعبہ بھی کہہ سکتے ہو، یہ وفاقی پارلیمنٹ (ایوانِ نمائندگان + قومی مجلس) پر مشتمل ہے۔

(ب) دستورِ نیپال کی تاریخ اور دفعات

- عدلیہ (Judiciary): سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس انصاف مہیا کرتے ہیں اور آئین کی حفاظت کرتے ہیں۔
- ایگزیکٹو (Executive): صدر، وزیراعظم اور وزرائے اعلیٰ حکومت چلاتے ہیں۔
- ساتھ ہی ۷ صوبے (Provinces) بھی بنائے گئے ہیں تاکہ مقامی حکومتیں مضبوط ہوں۔
- سماجی انصاف، مساوات، ماحول کی حفاظت، تعلیم و صحت کی فراہمی اور غربت کے خاتمے جیسے اہداف ریاستی ذمہ داری قرار دیے گئے ہیں۔

قومی اقتدار کے ادارے:۔

- انتظامی شعبہ :۔ صدر، وزیراعظم اور کابینہ پر مشتمل ہے۔
- عدلیہ:۔ سپریم کورٹ، ہائی کورٹس، ضلعی عدالتیں شامل ہیں۔

وفاقی ڈھانچہ (دفعات ۵۶-۶۰):

- نیپال کو وفاقی، صوبائی اور مقامی حکومتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔
- اختیارات اور ذمہ داریاں تینوں سطحوں میں آئینی طور پر تقسیم ہیں۔

احمد:۔ بڑی اچھی معلومات ہیں۔ اب ذرا ہمیں یہ بھی بتا دو کہ اقلیات اور دیگر پس ماندہ طبقات کے لیے بھی اس آئین میں کچھ حقوق متعین ہیں یا نہیں؟

بلال:۔ بالکل! دستور میں اقلیتوں، عورتوں، معذور افراد اور پس ماندہ طبقات کے لیے خصوصی دفعات رکھی گئی ہیں تاکہ وہ بھی قومی دھارے میں برابر کی حیثیت حاصل کر سکیں۔

احمد:۔ ملک کے آئین میں انتخابات اور اس میں تمام شہریوں کی شمولیت کا بھی نظم ضرور کیا گیا ہو گا؟

بلال:۔ بالکل! اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ دستور وفاقی ڈھانچے پر مبنی ہے، جس میں ۷ صوبے (Provinces) بنائے گئے ہیں۔ اسی لحاظ سے انتخابات کی پالیسی بھی اخذ کی گئی ہے۔ تمام قومیتوں اور مذہبی اقلیات کی نمائندگی برقرار رکھنے کے لیے براہ راست انتخاب اور آبادی کے تناسب سے متناسب نمائندگی کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ان حقوق کے تحفظ کے لیے اور صاف ستھرے الیکشن کروانے کے لیے دستور میں ہی الیکشن کمیشن کا قیام اور اس کے فرائض و اختیارات

کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

انتخابی نظام (دفعات ۸۳-۹۲):

- اس میں متناسب نمائندگی اور براہِ راست انتخاب دونوں طریقے اپنائے گئے ہیں۔
- اقلیتوں، خواتین اور پس ماندہ طبقات کے لیے نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔

آئینی کمیشنز (دفعات ۲۴۸-۲۶۲):

- انسانی حقوق، قومی خواتین کمیشن، دلت کمیشن، اقلیتی کمیشن، قومی منصوبہ بندی کمیشن وغیرہ۔مزے کی بات یہ ہے کہ اس دستور نے مسلم کمیشن کے قیام کو بھی یقینی بنایا ہے، تاکہ مسلم جو صدیوں سے تعلیمی، سماجی و معاشی پس ماندگی کا شکار ہیں، اس کمیشن کی تحقیقی سفارشات پر حکومت عمل درآمد کر سکے۔

احمد:۔ اکثر ہم سنا کرتے ہیں کہ انسانوں کے بنائے قانون و آئین میں بہت سی کم زوریاں ہوا کرتی ہیں، کیوں کہ انسانوں کی سوچ ناقص، متعصب اور وقتی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے ان کے بنائے ہوئے آئین میں ہمیشہ تبدیلی کی ضرورت رہتی ہے۔ کیا ہمارے آئین میں بھی ترمیم کی ضرورت ہے؟

بلال:۔ یقیناً اللہ کا قانون ہی حتمی، آخری اور ہر زمانے، علاقے اور تمام انسانیت کے لیے مفید تر ہے، انسانوں کے بنائے ہوئے آئین میں ترمیم کی ضرورت رہتی ہے، اسی لیے ہمارے ملک کے دستور میں ترمیم کے دفعات بھی رکھے گئے ہیں۔

ترمیمی دفعات (دفعات ۲۷۴-۲۷۵):

- آئین میں ترمیم کے لیے دو تہائی اکثریت ضروری ہے۔

احمد:۔ واقعی بلال! نیپال کا موجودہ دستور نہ صرف بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے بلکہ سماجی انصاف اور وفاقی نظام کی مضبوط بنیاد بھی فراہم کرتا ہے۔

بلال:۔ بالکل، یہی وجہ ہے کہ اسے نیپال کی جمہوری تاریخ کا سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔ اس آئین نے نہ صرف عوام کو بااختیار بنایا بلکہ تمام طبقات، زبانوں، ثقافتوں اور مذاہب کے حقوق کی حفاظت بھی یقینی بنائی ہے۔

(ب) دستور نیپال کی تاریخ اور دفعات

احمد:۔ تو پھر یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ دستور قوم کی وحدت، جمہوریت کی تکمیل اور مساوات کا ضامن دستاویز ہے۔

بلال:۔ درست کہا تم نے احمد! یہی آئین ہمارے قومی تشخص، عوامی اقتدار اور آئینی نظام کی مضبوط دیوار ہے۔اس لیے کہ نیپال کا دستور ۲۰۱۵ء میں عوامی امنگوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے، جس میں ۳۰۸ دفعات کے ذریعے ایک جامع اور ہمہ گیر ریاستی نظام تشکیل دیا گیا ہے۔ اس آئین نے شہری حقوق کی ضمانت، حکومت کے ڈھانچے کی وضاحت، وفاقی توازن اور اقلیتوں کی شمولیت کو آئینی درجہ دے کر نیپال کو جدید جمہوری ریاستوں کی صف میں شامل کر دیا ہے۔ اب ملک کی بقا، سالمیت اور ترقی اسی میں ہے کہ حکومت انہیں نافذ العمل بنائے اور تمام شہری اس پر عمل در آمد ہوں۔

احمد:۔ برادر محترم بلال! میں تمہارا بہت مشکور ہوں کہ تم نے انتہائی سہل اور سادہ انداز میں ہمارے دستور کی وضاحت کر دی، اللہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین!

مشق و ممارست:۔

(الف) درج ذیل الفاظ ومعانی کو یادکرلیں۔

مشکل الفاظ	معانی
دفعات	قانونی شقیں، Articles
وفاقی	صوبوں پر مشتمل نظام حکومت
سیکولر	مذہبی غیر جانبدار
جمہوریت	عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے
عبوری	وقتی، عارضی
دیباچہ	ابتدائی بیان، مقدمہ
ضمیرِ اجتماعی	قوم کی اجتماعی سوچ
متناسب نمائندگی	آبادی کے حساب سے نمائندگی کا نظام

(ب) دستورِ نیپال کی تاریخ اور دفعات

ضمیمہ	اضافہ، Annexure
اقتدارِ اعلیٰ	سب سے بڑی طاقت یا اختیار
ضمانت	پختہ یقین دہانی
ترمیم	تبدیلی، اصلاح

(ب) درج ذیل سولات کا جواب دیں۔

(۱) دستور نیپال کب نافذ ہوا؟

(۲) دستور کے دیباچہ کی کیا اہمیت ہے؟

(۳) دستور نیپال میں کل کتنے حصے، دفعات اور ضمیمے ہیں؟

(۴) دستور کے تحت شہریوں کو کون سے بنیادی حقوق حاصل ہیں؟

(۵) دستور میں ترمیم کیسے کی جا سکتی ہے؟

(ج) اسم و فعل تلاش کریں۔

مندرجہ ذیل جملے سے اسم اور فعل الگ کیجیے:

"نیپال کا دستور عوامی خواہشات کا عکاس ہے اور یہ ہر شہری کو مساوات، انصاف اور آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔"

- اسم: نیپال، دستور، عوامی خواہشات، شہری، مساوات، انصاف، آزادی، ضمانت
- فعل: ہے، دیتا ہے

اسی طرح سے آپ بھی اسم اور فعل کی ۵/۵ مثالیں لکھئے۔

(د) واحد سے جمع بنایئے

۱.	شہری	شہریوں
۲.	صوبہ	صوبے

(ب) دستور نیپال کی تاریخ اور دفعات

۳. حق حقوق

۴. ضمیمہ ضمیمے

واحد اور جمع کے دس الفاظ اس سبق سے نکالیں اور واحد کا جمع اور جمع کا واحد بنائیں۔

(ہ) متضاد (Opposites) لکھیے

- آزادی غلامی
- مساوات عدم مساوات
- انصاف ظلم
- امن فساد
- کمی زیادتی

اپنی کوشش سے ایسے دس مزید متضاد الفاظ ڈھونڈ کر لکھیں۔

☆ تخلیقی مشقیں

۱. خالی جگہ پر کریں:

- نیپال کا موجودہ دستور بکرم سمبت ___ ستمبر ۲۰۱۵ کو نافذ ہوا۔
- دستور میں کل ___ دفعات ہیں۔
- بنیادی حقوق دفعات ___ سے ___ تک ہیں۔